

تاریخی



toobaa-elibrary.blogspot.com

پروفیسر محمد اسلم

﴿ تاریخی مقالات ﴾

پروفیسر محمد اسلم

صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی

لاہور

پیشکش: طوبی ریسرچ لائبریری

toobaa-elibrary.blogspot.com

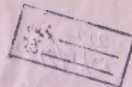
مسلم ہسٹریکے سیاسی، مذہبی اور سماجی مسائل کا مرقع

تاریخی مقالات

پروفیسر محمد اسلم
صدر شعبہ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی
لاہور

مکتبہ

پبلیشرز سہیل و ڈبلیو۔ لاہور



آفتاب

یہ اپنی اسسٹنٹ کے
آؤد و زبان داد سب کے ہمارے

پروفیسر غنت راحہ

سابقہ صدر شعبہ عربی
مؤرخہ مسلم ہندوستان کی نگار

کے ہم

محبت اور غم کے جذبات کے ساتھ
مستحق کرنا ہوں۔

954

22

سہ ماہی - ایک سو وین - سوانحیت / در حدود
11 - 12 - 13 - معاشری حالات

1441

ناشر - راجہ سلطان محمد
پریس - مدنی پرنٹرز لاہور
تقریبی درودقا - لیم بسن
قیمت - روپے 10

عرض مضاف

۱۹۹۶ء اور ۱۹۶۰ء کے درمیان میرے بست سے تحقیقی معائنہ میں ہر مضمون پر
ہند کے لکھنؤ میں رہائی میں شائع ہوئے۔ میرے علم دوست اصحاب میں سے جناب کوثر
قریشی اور جناب حکیم محمد علی کرسر نے مجھے یہ شہدہ دیا کہ جس قدر جوہر لکھنؤ کے ان اصحاب کو
کتابی سمیت میں شائع کر دیا جائے۔ میری بھائی ملی خواجہ شمس کی اس متفرق معائنہ کی نظر ثانی
کے بعد کتابی صورت میں لکھنؤ کو لیں۔ چنانچہ یہ معائنہ میں تاریخی مسالحت کے حوالے سے خود
الغرض لاہور سے چلے ہو گئے۔ میری توقع سے بڑھ کر تاریخ مسالحت کی پذیرائی ہوئی پاکستان
کی تمام نوخیز سینیٹوں نے اس کتاب کو ایم اے تاریخ کے مضامین میں شامل کر لیا، دفعتاً ایک
سوسائٹی کی شکل میں اس کتاب کو ایم اے تاریخ کے مضامین میں شامل کر کے میری منزلت افزائی کی۔ مدت سے
کتاب بازار سے دستیاب نہ تھی اب میرے ہجرت کے بعد کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے دوبارہ
مطبوعہ کر دیا۔ میں نے پرانے ایڈیشن کے تین مختلف شکل کران کی نگہ سرچیدہ ایڈیشن میں
ایک سے مختلف شامل کر دیے ہیں جو کہ ایم اے اور بی اے کے اسکیموں کے حوالہ سے ضرورت سمجھا
ہے۔

نئے ایڈیشن کی طبعیت کے لئے میں جناب محمد اسلم شاد اور محمد شاکر کے اہل سلطان کو
صاحب زادوں کے شکر گزار ہوں، ان کے ایسے کہ وہ سوئے ایڈیشن کی پذیرائی پہنچا دیں
سے بھی بڑھ کر ہوگا۔

محمد اسلم
محمد شاد

پتھان پور، پاکستان

مؤرخہ ۶ ستمبر ۱۹۹۹ء

ہجرت

فہرست

۷	پیش فہرست
۱۱	کیا سلطان مہم کی کوئی بی بی حضرت بابا فرید الدین کا شریک تھے
۳۳	نقل و حرکت و مہم بھائی اسحاقی اور ان کا ایک نامور مددگار
۹۳	مبلغ الرجال
۸۵	احسن الاحوال کی تاریخی اور سماجی اہمیت
۱۲۲	شاہان منلیہ کا ذوق عریضی
۱۷۸	مسلمانوں کی جغرافیائی خدمات
۱۹۰	مددگار کی تاریخی و دینی اور سماجی اہمیت
۲۲۶	فتوحات فیروز شاہی
۲۴۹	تغریبہ شوق
۲۸۳	ادب و نگار نگار کی تحت نقیض میں محمد شمس کا کردار
۳۰۰	سجد قبا سے سماج عمل کی
۳۱۳	مسلمانوں کی طبی خدمات
۳۲۵	دانا گنج بخش کی لاہور میں آمد

پیش لفظ

(پیشہ اول)

شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے جوائنٹ سالی اسٹاڈنٹ اور تاریخ کے
موجودہ طالب علم سر محمد اسلم پاکستان، بھارت اور بیرونی ممالک کے علمی و
ادبی حلقوں میں کسی تعداد کے متقاض نہیں۔ وہ جامعہ سندھ پنجاب، ڈی ایم، پاکستان
اور کیرجہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ ان کی توالین تصنیف - دین الہی کے موضوع
پر دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ حال ہی میں اس کتاب کا جدید ایڈیشن طویل اضافوں
کے ساتھ لاہور سے ندرۃ الصنیفین کی توالین مطبعہ کے طور پر دین الہی اور
اس کا پس منظر کے نام سے شائع جواب دین الہی ایک متنادرہ غیر مسئلہ
چھاپر اس کے تعلق عرصہ میں خامی نسخہ بھی پائی جاتی ہے۔ دین الہی کے
موضوع پر مشتمل اس کی کتاب سے زیادہ مستند کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔
اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ فاضل مصنف نے اس کی تالیف کے
وردان ایسے بہت سے خطوطات سے استفادہ کیا ہے جو اب تک مستشرقین
یورپ اور تہذیب سے تاریخ دانوں کی نگاہوں سے اوجھل رہے ہیں۔ فاضل
مصنف کے بعض نظر پر باہت اختلاف ہو سکتے ہیں لیکن جہاں تک آخذ سے
استنباط کا تعلق ہے وہ شک و شبہ سے بالابہ مصنف نے جس محنت
تجسس اور ذوق و شوق کے ساتھ اس کتاب کے لئے مواد اکٹھا کیا ہے اور

جہاں ایک طرف دھان دھنپا یہ علمی مقامات سے خوار کا مہم تاسے وہیں اُسے
 یہ حسرت رہ جاتی ہے کہ ان مصنفات کی بلورنیا دیکھیں نہیں لکھا گیا، حالانکہ یہ
 مصنفہ ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر ایک جہاں تک لکھی جاسکتی ہے اس
 کی طرف سے مقامات کے مطالعہ کے بعد جہاں ایک تاریخی ایک کیفیت سامنے
 کرتے ہیں یہ نقشہ بھی محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ اس
 کتاب کی قدر و قیمت کم ہو جاتی ہے بلکہ یہاں یہ بات نظر رکھنی چاہیے کہ جن سائل
 میں یہ مقامات شائع ہوئے ہیں ان میں بعضوں کے لئے اپنی جگہ ہوئی
 ہے۔ اس لئے ایسے مقامات میں مصنف کے لئے زیادہ تفصیل میں جانے یا اپنی
 قابلیت کے جوہر دکھانے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

یہ کتاب جو یہ مقامات پیش کرتی ہے، تاریخی و علمی، ادبی و فنی، علمی و فنی،
 سوانح اور بیرونی جیسے بیرونی مقامات کا مطالعہ کے لئے ہے، اس اعتبار سے
 اس کتاب میں ہر شخص کے ذوق کا سامان موجود ہے اس کتاب کا ہر مقالہ اپنی
 جگہ پر غور ہے اور ان کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ناضل مصنف ہر موضوع
 پر عالمہ انداز میں لکھ سکتا ہے۔ اس کتاب میں چند مقامات لکھے بھی
 آئے ہیں جہاں مصنف کے نقطہ نظر سے اختلاف کی گنجائش ہے۔ تاہم
 اس کتاب کا مطالعہ تاریخی کے اساتذہ اور طلباء کے لئے سودمند رہنے
 کے علاوہ ان میں تحقیق کا ذوق پیدا کرنے میں مدد و معاون ہوگا۔ آخر میں میں
 ناضل مصنف کو اس کتاب کی اشاعت پر غور دل سے دہرہ تبریک
 پیش کرتا ہوں۔

شیخ عبدالرشید

سنن آباد
 لاہور

پھر اس میں ترقی کے ساتھ ترتیب دیا ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔

مشرق کی تاریخ غنیمت تاریخی مقامات، حال ہی میں قائم ہونے والے
 اور اسے ندرت المستغنیوں کی دوری پیشکش ہے نہ صرف ان کتاب پر ضرورت
 کے ان مقامات پر مشتمل ہے جو پاکستان اور بھارت کے بلندیہ ملی وادی جملہ میں
 شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مقامات ان کا لکھا ہوا ایک دور سے کوئی رابطہ نہیں،
 لیکن انہیں مطالعہ کا وسیلہ بنانے کے لئے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ہماری مصنف
 کے تجربہ ملی اور دینی معلومات کا پتہ چلتا ہے وہیں اس سبب ازمانت اور ان
 کا بھی اندازہ ہوتا ہے جس کے ساتھ ہرگز اسی نے میرے کشیدہ علمی اور فنی
 دہشت کا کوئی لکھ کر اپنے قارئین کو نامور مسلم علماء اور ان کے علمی کارناموں
 سے متعارف کرا رہا ہے۔

مشرق اسلامی تاریخ کے متبر عالم ہیں اور انہوں نے تاریخ کے مطالعہ
 کے بعد دو سو سالوں کی اعلیٰ علمی رہنمائی اور تاریخی نگارشی کے تحقیقی معیار
 یکساں بنادیا ہے۔ وہ اپنے تاریخی نگار کو دور دوری پر مشتمل کے مادی ہیں
 اور یہی وہ اپنے قاری کو اپنا ہم خیال بنانے کی غرض سے کوشش کرتے ہیں
 ان کی ہمیشہ کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے قاری کو تلاش کریں اور اپنے مطالعہ
 سے کمالی ملی وادی تاریخی کے نامور نگار کو اپنا کر گتے چلے جائیں۔ وہ
 اس بات کا فیصلہ اپنے قاری پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ خود ان کی ذوق و محسن
 کے ساتھ جو کہ وہ مطالعات اور تالیفات قاریوں کی روشنی میں کسی شخص کا علمی
 مقام تعین کریں یا انہوں نے یہ مقامات جسے علمی ذوق اور غور و خیریت
 کے ساتھ لکھے ہیں، اس پر غور کیا کہ ان کی تحریروں میں شکستہ نہیں پائی جاتی ہے
 ان مقامات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ایک قاری دو گونہ ذرا لیتا ہے

کیا سلطان بلبن کی کوئی بیٹی حضرت بابا فرید الدین گنج شکر سے منسوب تھی؟

سلطان غیاث الدین بلبن کی بیٹی کے ساتھ بابا فرید الدین گنج شکر کے عقد کا واقعہ زبان زد خلقت ہے۔ اس موضوع پر راقم السطور نے جو تحقیق کی ہے وہ ہر قارئین کے لئے اس سوال کے جواب کے لئے سب سے پہلے حضرت بابا صاحب کے محرم راز، سلطان الشجاع نظام الدین اولیاء کی طرف ترجیع کرتے ہیں۔

فوائد القواد، حضرت سلطان الشجاع کے غفلات کا ایک بہترین نمونہ مجموعہ ہے جسے ان کے خاں زاد بزرگوار نے تحریر کیا تھا، اس کتاب کی تاریخی حیثیت ہمیشہ شک و شبہ سے بالاتر رہی ہے، جتنی نظامیہ سلسلہ سے وابستہ افراد کے نزدیک اس کا وہی مقام ہے جو سہ درجہ سلسلہ کے درویشوں کے ان حضرات پر جنھیں شاہ الدین عمرہ درویشی کی حوائف المعارف کا۔ حضرت نظام الدین اولیاء سے زیادہ بابا صاحب کا کوئی دوسرا محرم راز تھا تاہم اس ۱۱۳۳ صفحات کی ضخیم کتاب میں یہاں بابا صاحب کے بے شمار فضائل بیان کئے گئے ہیں وہاں سلطان غیاث الدین بلبن کی بیٹی کے ساتھ ان کے

رشتہ کا اصل کوئی ذکر موجود نہیں، اگر ایسا ازدواجی رشتہ موجود ہوتا تو حضرت
نعمان الدین اولیاء اُس کا کسی نہ کسی تو حصر و سببی ذکر فرماتے۔

اچیس سیرجی کی طر ت سید محمد مبارک امیر خورو کسا کی سحی حضرت سلطان
الشان کے واس بارارت سے واس تے اور امیر خورو کسا نے سیر الاولیاء کے
نامے خواجگان چشت کے سوانح پر ۶۲ صفحات کی ایک تعلیم کتاب چنی
یا دوا رجھڑی ہے اس کتاب میں بابا صاحب کے ماموت ۵۴ صفر سے ۶۱ صفر
تک پچھلے دورے میں بابا صاحب کے سوانح حیات پر سید امیر خورو کسا نے بڑی
سیر حاصل کی ہے اور ان کی زندگی کا کوئی پہلو فاضل مصنف کی نگاہ مبارک
میں سے اوچھ نہیں رہا اس کتاب کے اندر اجانب کے متعلق پر فیر شیخ ہار شہ
صاحب نے نظر ان میں :-

”اس کتاب میں باغی اور بددلی کی زندگی کے واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور ان کے علاوہ ان کے خاندانی اور خفا کے حالات بھی اس کتاب میں مندرج ہیں اور جو خرد کی معلومات اپنے گھرانے کی یادداشت پر مبنی ہیں یا جو غیر نظامہ العربیہ کے ارادہ مندوں سے حاصل کی گئی ہیں قبول سے اس سربا پر جو غور و فکر کے واقعات

اس کے باوجود اس کتاب میں بابا صاحب اور سلطان حسین کی بیٹی کے
 مصحف کوئی ذکر نہ ہوا۔ حالانکہ امیر خسرو نے ان کی شادی کی خبر
 دراز اسول تک کے حالات یا تفصیل لکھے ہیں۔

طه ایسی تری، تو اے خداوند، بطور عام ۱۳۶۵
 شہزادہ محمد امیر اہل بابا بطور دہلی
 شہزادہ محمد امیر اہل بابا بطور دہلی ۱۳۶۵

مسلطان الشیخ نظام الدین اولیاءؒ کے جانشین حضرت عبداللہ بن جابرؒ دہلی کے مفتاح خان کے ایک سربراہ عید قلند نے خیر المجاہدین کے نام سے تہذیب کے تھے جنہیں استاد گزنی کتاب پر دایرہ شریک احمد نظامی نے ربطے وادارہ دہلی ٹائپ میں علی گڑھ سے شائع کی ہے۔ ص ۲۰۷ صفحہ ۱ کی اس غیر کتاب میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہے کہ کوئی ذکر ہی موجود نہیں ہے، اگر حضرت عبداللہ بن جابرؒ نے ایس کوئی نام حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی زبان حقیقت بیان سے کبھی سنی ہو تو قرہہ اس کا کبھی نہ کبھی تو اس مجلس میں ذکر فرماتے۔

عبدالمعتمد کے سب سے نامور وراثہ ضیاء الدین بنی کی تاریخ فیروز شاہی میں سلطان بلبن کے حالات ۱۱۹ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں لیکن اس کتاب میں بھی سلطان بلبن کی شیعہ کے ساتھ باا صاحب کی نسبت کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ اس پر لطف رہے کہ ضیاء الدین بنی حضرت سلطان الشجاع نظام الملک اولیائے ترکہ و ان کی مدد سے والہ تھے اور اگر اس نے کبھی حضرت شہر باغی کی زبان فیض رحمان سے ایسی بات سنی ہوگی یا کسی اور ذریعہ سے اُسے اس خبر سے اطلاع ہو تو وہ جسے فکر کے ساتھ اس کا ذکر کرنا اس کی تاریخ فیروز شاہی باا صاحب اور سلطان بلبن کی لا تعلقی پر ایک سخت عرش گراہی کہ شیعہ سے

ممد علی وردی کے شہداء مرکز شمس سراج عقیف نے اپنی شہداء افاق نصیف
تاریخ نبی و شامی میرا شامی عیشت کا جا بجا ذکر کیا ہے ، مائل مصنف بابا صاحب

۱۹۵۹ء

کتابخانه ملی افغانستان، وزارت فرهنگ و ارشاد اسلامی، جلد اول، ص ۱۴۶-۱۴۷

”ہر کتاب کا صاحب درغیب و انصاف
جس سے رغبت رکھتا ہو یا اس کا
برسانندہ“

اسی مقدمہ بھی شیخ جلالی نے کسی اور ادبی رشتہ کا ذکر نہیں فرمایا حالانکہ یہ
اس کے بیان کا بہترین موقع تھا۔

باب دوم یوں کے جہاں جنتیہ سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے
تاسو رنگ ہو گئے ہیں اور شیخ نے ہمایوں کو ہندوستان سے نکالنے کے
سنے کو کہہ چھٹی تھی، آپا ان کے طبردار تھے۔ آپ کے مغلذات آپ کے
ساتھ تھے حضرت شیخ رحیم الدین نے مرتب کئے تھے، ان میں بھی حضرت بابا
صاحب لدینت ہیں کہ رشتہ کا نہیں ذکر نہیں آیا ہے۔

تو نظام الدین احمد صاحب طبقات اکبری و ترتیب تاریخ الفی البرکے
جہاں تاسو رنگ ہو گئے ہیں۔ اس نے طبقات اکبری میں سلطان فیاض الدین
جہاں کا ذکر صفحہ ۸۰ سے صفحہ ۸۱ تک کیا ہے۔ ان کے اوصاف عید کا ذکر کرتے
ہوئے صاحب رقمطراز ہیں:

”جیسا مغل و قیام قسب و رواجیت
سلطان جہاں کو رونے رکھنے کے
جمع و جماعت و نماز و شراق و تہجد
علاوہ رات کو قیام کرتا اور پانچ بجے
اشکاف و راجت و احاطہ و وضو
ساتھ نماز عید میں شریک ہوتا تھا۔
جو کہ دیکھتے تھے علماء و مسلمان
نہ نہانہ جماعت کا بڑا خیال رکھتا تھا“

شیخ جلالی، بریلواشی، تہذیب و تمدن اسلامی، ج ۱، ص ۱۰۴، ص ۱۰۴، ص ۱۰۴
شیخ جلالی، تہذیب و تمدن اسلامی، ج ۱، ص ۱۰۴، ص ۱۰۴، ص ۱۰۴
شیخ جلالی، تہذیب و تمدن اسلامی، ج ۱، ص ۱۰۴، ص ۱۰۴، ص ۱۰۴

کے غلیظہ اذنی حضرت قسب جمال لدین کے جلیل القدر ہے جسے حضرت قسب جمال
مترجم لکھتا ہے۔ اس نے اپنے شاخ کے منافع و منافع کے عہدہ پیرا میں دیان
کے ہیں اس کی ۱۶ اوصاف کے تاریخ فیروز شاہی بابا صاحب لکھتا ہے
کی جی کی لکھتی ہے کہ اس کی حیثیت سے ہمارے سامنے پیش ہے۔

پہلی ہندوستانی سلاطین سادات کے جہاں کا ایک نامور مترجم ہے اور اس کی
تاریخ مبارکشاہی علی مغربی میں بڑی قدر کی گاہ سے دیکھی جاتی ہے اس
کے اپنی تاریخ میں سلطان جہاں کا ذکر ۳۳ صفحہ ۵۲ صفحہ تک کیا ہے لیکن وہ
بھی بابا صاحب اور جنتیہ میں کے رشتے سے ہے خبر تھا صفحہ

تاریخ جلالی، سلطان سکندر لودھی کے استاد اور البرکے سب سے پہلے صدر
انصاف و شیخ گدائی کے والد، اپنے زمانے میں تھے تاسو رنگ اور شاہ ہو گئے
ہیں مولانا جاتی کے ساتھ ان کے شقائق کے سلسلہ میں کوئی دلچسپ لطائف
تاریخ میں سے اکثر و بیشتر نے سنے ہوں گے۔ شیخ جلالی نے خواجہ جاتی کے
حالات سے اسرار و فیض میں بڑی محنت سے اور اگر اسے مبالغہ نہ سمجھا جائے تو
سب سے پہلے، سائنٹفک اور پرنسپل کے ہیں۔ اس کتاب میں بابا صاحب کا
ذکر غیر کرتے ہوئے شیخ جلالی نے سلطان جہاں کے سلطان ناصر الدین محمد کے جہاں میں
جہاں رانوں کو ان خان کے لقب سے قسب اور سلطان کا وزیر تھا، جہاں گوں کی
جاگیر کا قیام لیکر بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت سے بڑھتے ہوئے
اس کی پیش گوئی کر دیا۔

شیخ جلالی، تاریخ فیروز شاہی، ص ۱۰۴، ص ۱۰۴، ص ۱۰۴
شیخ جلالی، تاریخ فیروز شاہی، ص ۱۰۴، ص ۱۰۴، ص ۱۰۴

بھی سنی، سفیدہ اور مستند نقرہ ہونے لگے باوجود بابا صاحبؒ کے ساتھ اس کی بیٹی کے رشتہ کا مصلحت ذکر نہیں فرمایا۔ حالانکہ ملام صاحب بال کی کھائی اندر اور مال کا پہلا بنائے میں اپنا ٹائی نہیں رکھتے اس کے باوجود محفل سے اس باعث کا ذکر اشارہ بھی نہیں فرمایا۔

ابوالقاسم ہندو شاہ فرشتہ بھی اکبر کا ہم عصر مورخ تھا، اس کی تاریخ نگارہ ابوسرہیسی ہے، جو عام میں تاریخ فرشتہ کے نام سے مشہور ہے، تاریخ کا پر طالعہ واقع ہے، محفل ابوسرہیسی میں فرشتہ نے ہندوستان کے اولیائے عظام کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے اور بابا صاحبؒ کے سوانح حیات کی ایک سطر کے ۱۲ صفحات پر پیچھے ہے جس میں بابا صاحبؒ کے متعلق فرشتہ کی خدمات کم ہیں، اگرچہ جیشہ شاماس سے کم ہیں زیادہ ہیں، لیکن اس کے باوجود سلطان علی بن کی بیٹی کے ساتھ بابا صاحبؒ کے رشتہ سے وہ بھی بے خبر تھا۔

ابوالفضل علی بن علی شہشاہ اکبر کا وزیراعلیٰ اور اپنے زمانے کا بہترین مہاجر تلمیذ تھا، اس کی تصانیف میں سے الفائے ابوالفضل، اکثین اکبری اور اکبر نامہ اس کی مہیت پر مبنی ہیں۔

احمد رضاہ ابوالفضل کی بڑی اہم تصنیف ہے جو مین جلد میں طبع ہو چکی ہے، ہر جلد پر کتاب جہد اکبر کے واقعات پر مشتمل ہے تاہم اس میں ان کے دین کا ذکر نیز غیر مناسبات آگیا ہے، اگرچہ یہ جلد دوم میں بابا صاحبؒ کا ذکر نیز موجود ہے لیکن یہ کتاب میں اس کی نسبت کا ذکر موجود نہیں ملتا۔

علامہ فرشتہ، ابوالفضل، ابوسرہیسی، جلد دوم، طبعہ ۱۳۸۳ھ، ص ۷۶۹۔

علامہ ابوالفضل، اکبر نامہ، جلد دوم، مطبوعہ مکتبہ، ص ۳۵۹،

بلعام ہندو ہے اور وقت طعام غریبا
اشراق و تہجد کبھی فریب دہنے دیتا۔
مسائل ششہ علی و علیا تحقیق فرشتہ
سلطان حسینہ ابوسرہیسی اور حبیب
درد خاں ہمای بزرگانی سہتے و بعد از
تک مغل و صلہ موجود ہوتے وہ کہتے
فرمانچہ زیارت مقدمہ کر دے
کہ تہذیب گاہا، کہنے کے دوران بھی
درجہ ان کا ہر حاضر فرشتہ و تہذیب
وہ ملائے تشریف مسائل و بیانات کیا کرتا
سہتے و بعد از ان و علیا ان مہیت را
تھا سلطان بزرگانی دین کے گروں
بجھتے فرارست ضرورے و زلف
مہیت ابوسرہیسی اور سرور دانش و
ہا چند بی شہت و بعد از گورہ عین
سوار بی خبر رہتے کہ عدان جانیں
و عطا ہست در ساعت فروتہ
کرنا تھا۔ اس کے علاوہ نہایت کے
تذکرہ شہید سے دیگر یہ کہتے ہیں
بیٹی اور فرشتہ و اعلیٰ کو کہتے دیتا
اور مہینے دے کا وجہ اس کے فرزند
کے نام منقول کر دیتا تھا اس قدر جلد و
جواب کے باوجود اس کے ساتھ اس کے ساتھ اس کے ساتھ

نظام الدین احمد نے اس کے اوصاف حمیدہ کے ضمن میں یہ کہیں نہیں کہا
کی اس نے اپنی و تہذیب ایک تہذیب کے عقد میں دے دی تھی۔

اسی جہد کے دور سے نامور اور خبر و آفاق مؤرخ علامہ ابوالفضل علی بن علی
کی مستعجب القواسم بیچ کی تہذیب جہد میں ہر سے پیش نہیں ہیں۔ جلد اول میں ان
عناصاف الدین علی بن کا ذکر ۱۲ صفحہ سے ۵۰ صفحہ تک پھیلا ہوا ہے۔ علامہ صاحبؒ

آئین اکبری اس کی دوسری نام کتاب ہے جس کی کاپی ہندو اکثریتی ترقی کر لی، پہنچ، اوس، میرٹھ سنے کلتے سے شائع کیا تھا۔ اس کتاب میں اولیائے ہندو کے عنوان سے ابراہم الفضل نے جن ہندو گان، دیوں کے سوانح حیات پر لکھا تھا ہے ان میں بابا صاحب کا نام نامی بھی موجود ہے۔ لیکن سلطان جہین کی بیٹی کے ساتھ ان کے رشتے سے ابراہم الفضل بھی بے خبر ہے۔ اگر ابراہم الفضل سے پوچھا جائے تو یہ بات ممکن ہو کر گیا تھا کہ آئین اکبری میں ہی اس کا ذکر آ جانا چاہیے تھا۔

عبداللہ بانی ہندو مذہب، عبدالرحیم خان خاناں کے دسترخوان کرم کارین جہین تھا۔ اس نے اپنے کسی اس کے آباؤ اجداد، ہم عصر ملہار، اشوہار اور دھندو کا ذکر بڑے عمدہ پیرا میں کیا ہے۔ اس کی بارہ ناز تصنیف ملتا ہے جس کا ذکر میں کلتے سے چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کی پہلی جلد میں ہندوستان کے قدیم ملاحین کا ذکر بھی موجود ہے اور اس ضمن میں اس نے سلطان جہین کے سوانح حیات بھی تلمیذ کے ہیں لیکن وہ بھی ایسے رشتے سے بے خبر تھا۔

ہندوؤں کے سوانح حیات پر شیخ عبدالحی تھتھ، دہلی کی عبداللہ خیل اس کا پیر کی کتاب ہے کہ ہوا گئے ہیں اسی شریک میں اس کتاب کی تصنیف پر شیخ تھتھ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں آٹا کھانا کا کافی ہنگامہ کتب خانہ تھتھ کے بعد آئے اسے تمام تذکرہ نویسوں نے اس سے

کتاب ابراہم الفضل، آئین اکبری، جلد سوم، مطبوعہ کلتے، ۱۹۹۲ء، ص ۳۶۳-۳۶۴،

کتاب عبداللہ بانی ہندو مذہب، اکثریتی، جلد اول، مطبوعہ کلتے، ۱۹۹۲ء، ص ۳۰۵-۳۰۶،

کتاب تذکرہ جہانگیری، (سرمد پبلشرز)، علی گڑھ، کلتے، ۱۹۸۲ء، ص ۲۸۲۔

استفادہ کیا ہے۔ اخبار الاخیار میں بابا صاحب کا ذکر خیر بھی موجود ہے جس میں اس کی بیٹی کے ساتھ ان کی تصنیف پر شیخ موصوف بھی غور و خوض میں چلے گئے۔ محرم علی ہندی صاحب مغلزار اور ابراہم گروہاگیر پر مبنی تذکرہ نویس ہو کر نے ہیں۔ مغلزار پر کرا کر اور ترجمہ قدیمت جوئی اٹھارہ سو کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ لیکن اصل کتاب منظر زبیر طاعت سے آراستہ نہیں ہوئی۔ اس کا ایک بار احمد علی تھتھ ہاں سے لیکر لاہور میں پانچویں مغلزار ہے جس کی مالک اور نام ابراہم کے پاس موجود ہے۔ محرم علی نے آٹھ صفحات پر بابا صاحب اور ان کی اولاد اور مغلزار کے حالات و رجائے میں اور انہیں پڑھ کر معلوم ہو چکا ہے کہ وہ بھی بہت جہین اور بابا صاحب کے رشتے سے بے خبر تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے اور جانشین خواجہ محمد معصوم کے ایک سرمد علی اکبر حسینی اندرستانی نے مجمع الاولیاء کے نام سے تقریباً ڈیڑھ ہزار صفحات کی ایک عمدہ مضمین کتاب شاہجہان کی تحفہ نشینی کے چھ سال بعد تصنیف کی تھی۔ اس کا ایک نسخہ ڈیڑھ آتش لاہور میں مغلزار ہے جس کی مالک اور نام ابراہم کے پاس موجود ہے۔ اس کتاب میں بابا صاحب کے سوانح حیات بھی ملتے ہیں لیکن اس رشتہ کا ذکر کہیں موجود نہیں بلکہ مجمع الاولیاء کی کتاب میں کتب سے کراس میں بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جو صرف ملتے ہیں

کتاب شیخ عبدالحی تھتھ، جہانگیری، جلد سوم، مطبوعہ دہلی، ۱۹۹۲ء، ص ۵۲-۵۳،

کتاب مغلزار، روبرو، ماری خطہ، تقریباً ۱۱۰۰ جہان سے لیکر لاہور میں پانچویں مغلزار، ۱۹۹۲ء، ص ۷۹،

کتاب مجمع الاولیاء، (آٹھ ڈیڑھ آتش لاہور میں پانچویں مغلزار، ۱۹۹۲ء، ص ۵۱-۵۲،

کتاب مجمع الاولیاء، (آٹھ ڈیڑھ آتش لاہور میں پانچویں مغلزار، ۱۹۹۲ء، ص ۵۱-۵۲،

برہنہ لیکن اس کا ایک تعلق تہذیبی و تمدنی میں محفوظ ہے، جس کی مالیکور
نظم و انظم الخوف کے پاس موجود ہے۔ اس میں بابا صاحب کے سوانح حیات
بھی مندرج ہیں لیکن بنسب و ملین کے ساتھ ان کے رشتہ ازدواج کا ذکر موجود
نہیں ہے۔

اسی سلسلے کا ایک کتاب سفینۃ العارفین مرحوم محمد امان کا ایک تعلق
تہذیبی و تمدنی و تمدنی میں محفوظ ہے جس کی مالیکور نظم و انظم الخوف کے پاس
موجود ہے اس میں بابا صاحب کا ذکر غیر موجود ہے لیکن محمد امان بھی بنسب
ملین کے ساتھ ان کے تعلق سے ہے جس پر ہے۔

پھر حال سلطان فیاض الدین ملین کے جد سے کر اور ملک نوب مالگیر
کے زمانہ تک ملازم سے چار سو سال میں جن عہدہ کتبہ تاریخ باصوفا نند کر
میں جمالی کہیں سلطان ملین بابا صاحب کا ذکر نہیں کرتے۔ وہ ہمارے پیش نظر
ہے۔ ان کا دل میں بابا صاحب سے دور سلطان ملین کی بیٹی کی نسبت کا کسی نے
کہن کر تو کیا شہدہ کا رنگہ بھی ذکر نہیں کیا۔ اگر اس طرح میں ذرا مہر چھپتے
موتی ذکر کی ذکوئی ذکر نہیں اس کا ذکر ہر در کرنا آسان تھا اور بڑا واقعہ
تاریخ تھا۔ دل و باز کر دوسروں کی نظروں سے کہہ کر اور قبول رہ سکتا تھا۔

اگر مری جہد میں حبیب علی دار شہدہ میں گزشتہ آیت نظری اور کر
تاریخ مرقوس میں بھی بابا صاحب کا ذکر غیر موجود ہے۔ لیکن اس میں بھی بابا صاحب
کے سوانح حیات کے ضمن میں فاضل مرتب نے بنسب و ملین کے ساتھ ان کی

کے تعلق میں نہیں گتے۔

مجموع الاولیاء کی تصنیف کے چھ سال اندر قلم میں شہزادہ دارا شکوہ نے
بزرگان دین کے سوانح حیات پر مسندہ الاولیاء کے نام سے ایک کتاب تحریر
کی اس میں بھی بابا صاحب کا ذکر غیر موجود ہے۔ اگر سلطان ملین کی کوئی بیٹی
بابا صاحب کے حرم میں ہوئی تو شہزادہ دارا شکوہ اس کا ذکر ہٹے غیر
پیرائے میں کرتا۔ یہ بڑے اچھے کی بات ہے کہ دارا شکوہ نے بابا صاحب
اور ان کی رشتہ حیات کا سرا لہ نقل کیا ہے جس میں وہ نیک بہت بابا صاحب
سے شک دوستی اور ناتوانی کا لگا کر کرتے، کم و کم ایسے موقع پر تو دارا شکوہ
یہ کہنے میں تیار بجانب خدا کر و سلطان ملین کی بیٹی تھی اور اس نے اچھا دست
دیکھا ہوا تھا اور جب ناقول تک نسبت بیٹی قرار بابا صاحب سے شکر کرنے
گئی۔

دارا شکوہ کی بہن شہزادی جمالی کر اس نے اپنے طور پر خواجگان حضرت
کے سوانح حیات، مسند الاولیاء کے نام سے مرتب کئے تھے۔ اس کتاب
میں بابا صاحب کا ذکر غیر آخر صفحہ پر پچھلے ہوا ہے۔ اسے پڑھ کر معلوم
ہوتا ہے کہ جمالی آمار بھی خواجگان حضرت سے عقیدہ خدا کے ہاورد بابا
صاحب اور بنسب و ملین کے رشتہ سے ہے غیر حق۔

جد و مالگیر کے مشہور مؤرخ تہذیب و تمدن کی ریاض الاولیاء بھی اسی
سلسلے کی ایک اہم اور خیم کتاب ہے۔ یہ کتاب بھی بد قسمتی سے بنسب و ملین

تہذیب و تمدن، مسند الاولیاء، طبعہ زکوة، ۱۳۸۵ھ، ص ۹۶-۹۷

تہذیب و تمدن، مؤرخ وادع، طبعہ بنیاد تہذیبی و تمدنی، ۱۳۸۵ھ، ص ۱۳۶، ص ۱۳۷ تا ۱۳۸

تہذیب و تمدن، مؤرخ وادع، طبعہ بنیاد تہذیبی و تمدنی، ۱۳۸۵ھ، ص ۱۳۶ تا ۱۳۷
تہذیب و تمدن، مؤرخ وادع، طبعہ بنیاد تہذیبی و تمدنی، ۱۳۸۵ھ، ص ۱۳۶ تا ۱۳۷

نسبت کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے

نہ حال کے نورانی اندازہ ذریعوں میں ذکر فرمایا ہے کہ صاحب کا
بڑا دانا مقام ہے۔ آپ نے آپ کو شہر میں بارہ صفحات میں بابا صاحب
کے سرائے حیات ملے ہیں۔ سلطان عین اور بابا صاحب کے تعلقات
مضن میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان عین اپنے زمانہ وزارت میں بابا صاحب
کی خدمت میں چلا گئے اور ان کی ایک جاگہ پر روانہ ہو کر حاضر ہو گئے
بابا صاحب نے اس میں کچھ سوچ کر دیکھا۔ عین کی بیٹی کے ساتھ بابا صاحب
کی نسبت کا ذکر کرنے کا یہ بہترین موقع تھا لیکن شیخ صاحب بھی اس نسبت
کے متعلق خاموش ہیں۔

انسانی کلیوں یا آئینہ صلاح میں آئینہ نورانی محمد علی محمد علی
اور ناصر مہتمم نے سبیل گرائی میں بے شمار ایسی مطبوعات دی ہیں جو
نام گنوا سکتے ہیں۔ بابا صاحب کا ذکر فرمایا ہے، لیکن اسے بھی ایسی
کوئی مشابہت نہ مل سکی جس سے یہ ثابت ہو سکا کہ بابا صاحب کے تلامذہ ہیں
سلطان عین کی کوئی بیٹی بھی تھی۔

پروفیسر طیف احمد نظامی ہمارے زمانے میں جدید تعلیم کی تاریخ و واقعات
اور ہشتاد خانہ کے بزرگوں پر آخری سند کیجے جاتے ہیں۔ ان کی کتاب
”دوی لائف اینڈ ٹرائٹ سیرٹ فریڈلین جیفری“ ملی گزشتہ سال
پہنچا ہے۔ مشہور شہر اور ہارڈ ورک فریڈلین کے پروفیسر جیفری

محمد گزشتہ دن دی شہر کے مشہور پروفیسر، ۱۸۴۰ - ۱۸۵۰

۱۸۵۰ - ۱۸۶۰

کبھی کسی کتاب پر نظر نہیں رکھی، لیکن اس کتاب میں پروفیسر طیف احمد
نظامی کی تحقیق و کاوش ملاحظہ کرتے ہوئے اس اصول نے پہلی بار اپنا اصول
قرآن۔ تاریخ کو شاید یہ جان کر سادہ سی ہو گئی کہ اس کتاب میں بھی کسی ایسی
نسبت کا ذکر موجود نہیں ہے۔

”سلطان عین کے مذہبی رجحانات“ پروفیسر طیف احمد نظامی کی ایک
اور دینا نامہ تصنیف ہے اس کی قیاسے کہ آج تک اس موضوع پر ایسی کچھ
مذہب کی کسی اسکا کے قلم سے نہیں لکھی۔ اصل میں سلطان عین کے
مذہبی رجحانات کے مضن میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

”جو احمد زیدی میں گلشن اولیا کے واسطے سے یہ روایت درج کی
گئی ہے کہ سلطان کی ایک بیٹی کی شادی بابا صاحب سے ہوئی تھی اور بعد
کے مذکورہ میں اس سلسلہ میں بہت سے شے بھی بیان کئے گئے ہیں۔

لیکن ان وجوہ کی بنا پر ہم اس روایت کو صحیح تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔
اصل تو یہ کہ کسی حصار میں مذکورہ فرمیں نے اس کا ذکر نہیں کیا، برہنہ کی تاریخ
اور یہ خود کے مذکورہ میں متعدد مقامات ایسے آئے ہیں جہاں ایسا محسوس
ہوتا ہے کہ گزشتہ روایت کسی حقیقت پر مبنی ہوتی تو وہ اس کا ذکر نہ کر سکتے،

طرحہ از بابا صاحب کا سلطان اور امراء کی طرف جبریدہ تھا اس کے پیش نظر
اس قسم کے رشتہ کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔

یہ سب سے اچھے کی بات ہے کہ وہ واقعات جن کا ذکر سلطان کے ہمسے

طیف احمد نظامی دوی لائف اینڈ ٹرائٹ سیرٹ فریڈلین جیفری کے مشہور ملی گزشتہ

طیف احمد نظامی، سلطان عین کے مذہبی رجحانات، مشہور ملی گزشتہ، ۱۹۵۰، ص ۱۶

طریق پر لکھا گیا ہے۔ مفتی صاحب نے خدا جانے یہ کیسے لکھ دیا ہے کہ سلطان
 جس کی کئی چیز یہ بالوبا صاحب کے حرم میں تھی۔ مفتی صاحب نے نہ نہیں
 کا نام بھی کہیں سے ڈھونڈ نکالا ہے۔ مفتی صاحب کی خلیفۃ الاسلام
 کی ہر چیز دہریہ نے اس قدر تحریف کی ہے، مطلب وہ اس سے ملے۔
 مفتی صاحب کو خود یہ نہیں جانتا کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں مثلاً ایک جگہ آپ
 تحریر فرماتے ہیں کہ جب داتا گنج بخش علی حیدر علی صاحب نے تہذیب دہلی کے لوگوں
 حضرت حسین زنجانی کا جنازہ اٹھانے کے لئے جسے تھے۔ دوسرے موقع پر
 آپ تحریر فرماتے ہیں کہ داتا صاحب نے بقول بعض مسلمانوں اور بعض
 مسلمانوں میں ذات پاتی اور تہذیب و تمدن پر آپ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت
 حسین زنجانی کا انتقال مسلمانوں میں ہوا۔ یعنی داتا صاحب کی ذات کے ۱۰۰
 سال بعد جب خلیفۃ الاسلام میں اس طرح کی روایات عام ہوئی
 تو اس پر کیسے اکتفا کیا جاسکتا ہے۔

اس سلسلہ میں سید ابوالقاسم صاحب شیخ الحدیث کا ذکر کیا جائے گا۔
 اس کتاب میں بابا صاحب کا ذکر خیر نہ صرف تہذیب و تمدن پر ہے بلکہ
 وہاں بھی مسلمانوں کے اس لئے یہ کتاب مسرت و تہنیت والی ہے (۱۰۰۰)
 میں حضرت ابوالخضر شہاب الدین محمد صاحب قرآن ثانی شاہ جہان غازی
 علیہ الرحمۃ ملکہ سلطنت کے عہد میں کسی کے شاہ جہان مس سید و شہین دلف

۴۱ مفتی غلام سرور، خزینۃ الاسلام، جلد دوم، مکتبہ المدینہ، لاہور، ص ۲۱۲

۴۲ ایضاً، ص ۲۵۱

۴۳ شیخ الحدیث، سید القاسم، مطبوعہ مکتبہ المدینہ، لاہور، ص ۲

کے کردار تک ذریعہ کے عہد تک کسی مؤرخ یا تذکرہ نویس نے نہیں کیا ان کا ذکر
 گذشتہ صدی کے آثار میں شائع ہونے والی کتابوں مثلاً خلیفۃ الاسلام
 حقیقہ، گلزارِ صابری، جواہرِ صوفیہ، دیوانِ گلشنِ حیدر میں موجود ہے،
 مؤرخانِ کثرت نے کتابوں میں اکثر و بیشتر ایسے سہرے پڑھتے ہیں آٹھ
 کہ ان کا ذکر کرنے کی تہذیب و عادت نہیں تھی۔ ان کا قول کا تہذیب سے کوئی
 تعلق نہیں اور نہ ہی وہ فنِ تذکرہ نویس کے معیار پر پورا اترتی ہیں۔ ان کتابوں
 میں فوائدِ سالکین، روضۃ القلوب اور انفس الضالہ جیسی وضعی کتابوں
 کے حوالے سے بہت سی ایسی باتیں نقل کی گئی ہیں جو حقیقت سے بعید ہیں۔
 اسی طرح ان کے مصنف اکثر جگہ بابا صاحب کی زندگی کا کوئی واقعہ بیان کرتے
 ہوئے ہوں گے مگر حادی میں کوئی نفع ہے کہ اور تحقیق کی اصلاح میں ایسا
 شخص جو درویشانِ برکت کے لیکن مادی کا کام چھوڑے اسے مدح کہتے ہیں
 اور ایسے شخصوں کے سوانح حیات پر طبقہ اہلِ علمین نام کی ایک کتاب
 موجود ہے۔ اس طرح ان کتابوں میں (۱) اور (۲) قریباً بھی بہت پائی جاتی ہے
 بابا صاحب نے بغیر یہ طرزِ ادب و شیخ متواتر چالیس شب چلے متکرس کیا تھا۔
 انیسویں صدی کے تذکرہ نویسوں نے چالیس شب کو پانچ سال چارہ سال
 اور آٹھ سو چالیس سال بتا دیا۔

مفتی غلام سرور لاہوری کی خلیفۃ الاسلام پر بھی مؤرخ اور تذکرہ
 نویس اکتفا کرتے ہیں۔ بیشتر مؤرخین ہر ذریعہ کے بری سے اس کتاب کی تعریف
 میں یہاں تک لکھ دیتے کہ ہر صوفیہ کے کام کا چھوڑ دینا سب سے بڑا عیب

۴۴ تہذیب و تمدن، ص ۱۰، آئینہ دارالافتاء، ص ۵۳

کتابت هفتی، تاریخ فرزند خدای، علیگڑھ، ۱۹۵۱ء، ص ۱۶۲

آئیے اب دوسرے فوائد سے اس روایت کا تجزیہ کریں۔
۱۔ بابا صاحب نے ۲۶۰ھ تک اپنے زمانے سال کی عمر میں وفات پائی۔ بابا صاحب کا عمر کے متعلق اس خبر سے ایک بات حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے سوال کیا تھا کہ عمر زینب حضرت برج شیوخ العلویہؒ فرمائی والہین نفس الشہرہ العزیزہؒ سال ہووا آپ نے ارشاد فرمایا وہ فوت ہوئے ۳۰ سال۔ حیات الدین یحییٰ بن بابا صاحب کی وفات کے ایک سال بعد ۲۶۰ھ میں تخت نشین ہوا، اگر ہم یہ کہیں کہ یحییٰ نے اپنے زمانہ وفات میں اپنی بیٹی کا عقد بابا صاحب کے ساتھ کر دیا تھا تو اس وقت یہ بات فوسن میں ہوتی چاہیے کہ جب ناصر الدین محمود نے یحییٰ کو قتل دلاں وفات سونپا تو اس وقت بابا صاحب کی عمر ۷۰ سال اور یحییٰ کی عمر ۳۰ سال کے لگ بھگ تھی، اس طرح یحییٰ کی بیٹی اگر وہ بابا صاحب سے منسوب ہوتی تو اس کی عمر زیادہ سے زیادہ ۷۰ برس ہوتی چاہیے تھی، بابا صاحب اور زینب یحییٰ کی عمر میں اس قدر تفاوت کے پیش نظر یہ رشتہ طے ہونا ناممکن سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ جانتے ہیں کہ یحییٰ کے عہدہ وزارت پر تنگ ہونے سے پہلے اس کی ایک بیٹی ناصر الدین محمود کے عقد میں تھی اور اس کی اگر کوئی دوسری بیٹی موتی قزو اور بھی کہیں موتی تو اس طرح میرے خیال میں ایسا رشتہ ہونا ناممکن تھا۔

سلطان بالائی مدینہ میں بابا صاحبؒ اور منہبؒ علی کا رشتہ ایک مفروضہ ہے
 دنیا وہ حقیقت نہیں رکھتا۔

۵۔ بابا صاحبؒ کو گویا کرامت و سلطان علیؒ کے پاس جانے سے روکتے تھے
 اگر سلطان علیؒ کی گویا ان کے جسم میں موتی تو آپؒ لوگوں کو اس طرح
 کی نصیحت نہیں کر سکتے تھے، بصورت دیگر آپؒ کی مثال اس شخص جیسی
 ہوتی جو سرور مری علیؒ ہیں دیکر کو گویا کو دیا ستیا باقی
 کی تحقیق کرتا پھر ہے۔

۶۔ بابا صاحبؒ کا سلطان علیؒ اور امراء کی طرف جو ردیہ تھا وہ انہیں شرم
 ہے۔ سلاہیں و امراء تو بے ایک طرف، بابا صاحبؒ عوام سے بھی چلا گئے
 تھے اور یہی وجہ تھی کہ آپؒ ہاشمی کی سکونت ترک کر کے اجودھن چلے گئے
 جہاں کے باشندے درویش آثار اور شرفیت خود مشہور تھے۔ ان
 حالات میں یہ کیونکر ممکن تھا کہ بابا صاحبؒ علیؒ کی بیٹی کے ساتھ عقد
 کر سکتے۔

۷۔ بابا صاحبؒ کی زندگی اتنی درویشانہ تھی اور آپؒ اس حد تک قانع
 تھے کہ آپؒ سادہ کے پھل دھیسے، ٹیٹھنڈ اور سیلوپہ بدلتوں گزارہ کیا
 بسا اوقات ایسا بھی ہوگا کہ مددہ انکار کر سنے کے لئے آپؒ کے توشہ خانہ سے
 چنی جھرنک بھی دستیاب نہ ہو سکا۔ جب آپؒ نے رحلت فرمائی تو آپؒ کے

تین بیٹے اور بیٹی، دی لالٹ، دیلاٹ، شرافت، شیخ فرید الدین گنجشک، مطہرہ
 علی گڑھ ۱۵۵۵ھ، ص ۱۰۰

تھے امیر خود، امیر الدولہ، مطہرہ، دیلاٹ، ۱۵۵۵ھ، ص ۹۳

مطہرہ بالائی مدینہ میں یہ بات یقینی کہی جاسکتی ہے کہ سلطان علیؒ کی ایک
 بیٹی کے مددہ، جو نامہ الریحی محمد کے حرم میں تھی، دوسری کوئی بیٹی نہ تھی۔
 ۸۔ سلطان علیؒ کا بڑا چچا خاندانہ محمد اپنے والد کی زندگی میں زمان کا گورنر
 تھا اور اس کے تعلقات خاندانہ علیؒ بہت ہی اچھے تھے، والد کی زندگی میں اس کا گورنر
 تھے، اگر اس کی بہن ماجدہ میں موتی تو اس کے تعلقات خاندانہ علیؒ کے ساتھ
 کہیں زیادہ خوشگوار ہوتے اور سلطان علیؒ سے اپنی بہن یا اس کی اولاد سے عقائد
 کے لئے اکثر چرومن کرتا۔ کسی مذکورہ نویس یا مؤرخ نے اس کے سفر اجودھن
 کا ذکر نہیں کیا اور تاہم ایک یہ خبر اور جس چیز جیسے مؤرخ اور تذکرہ نویس
 اس کے بار بار کہتے۔

۹۔ بابا صاحبؒ کا امراء اور سلطان علیؒ کی طرف جو ردیہ تھا وہ اس نصیحت سے
 حیاں ہے کہ جو انھوں نے سیری مور کوئی تھی وہ آپؒ فرماتے ہیں :-

۱۰۔ اسے سیدی قورہ علی میری وی
 خواہی روی گشتی دیا نام چیل
 آری، قورہ علی میری وی
 دوساب خود بینی کم چن گین، ایک
 وصیت اندن گندہ سی، ایک
 و امراء اصلہ طر کنی و امراء سلطان
 مار خانہ خورشید بہکات تصور
 کنی کہ بہ درویشی کردہ خانہ طر بانو
 و امراء بدعت اور غم گروہ

۱۱۔ اسے سیدی قورہ علی میری وی
 خواہی روی گشتی دیا نام چیل
 آری، قورہ علی میری وی
 دوساب خود بینی کم چن گین، ایک
 وصیت اندن گندہ سی، ایک
 و امراء اصلہ طر کنی و امراء سلطان
 مار خانہ خورشید بہکات تصور
 کنی کہ بہ درویشی کردہ خانہ طر بانو
 و امراء بدعت اور غم گروہ

معدود لکھ کر کن اذخرا یافتہ اسم و شریک
کہم نسل و انطباع و تصرف و عزم و حمت
کول اور اسے سرکاری خدمت یا
ہاگیر بخشوں۔

۵۔ بابا صاحب اور ملین کے نظریات میں لکھا اشتراکیت تھا اس لئے کسی
صورت میں ممکن نہ تھا کہ ان کے درمیان اس طرح کا رشتہ قائم ہوتا۔

۱۰۔ ملین کا اپنے فحوم زادے اور دادا سلطان ناصر الدین محمود کے ساتھ
جوسلوک تھا اس کی ایک جھلک بعض کتب و آراء میں بھی پائی جاتی ہے۔

یعنی مؤرخ یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ اس نے تمام اختیارات حکومت اپنے
ہاتھ میں لئے اور ناصر الدین محمود مجبوراً نالغین ہو گیا اور اس نے وہ

باضت اور تقویٰ اختیار کیا جو ایک مفسد اشرار ہے بعض مؤرخ قہرمان
کہہ رہے ہیں کہ جب تمام اختیارات حکومت اس نے اپنے ہاتھ میں لئے

تو تخت حکومت حاصل کرنے کے لئے اس نے ناصر الدین محمود کو زہر دے کر
مار ڈالا اور غلام میں غلام خواجہ گس کے عقب سے مشہور ہوا سلطان

ہیروز تعلیق کے متعلق روایت سنی ہے کہ وہ علی کے اکثر و بیشتر سلاطین کے
مرادات پر ناخوشی کے لئے جایا کرتا تھا لیکن ملین کو خواجہ گس کہتے

ہوئے اس کے مزاج پر ناخوش تھا نہ پہلے تھا نہ
ناصر الدین محمود کا ذکر لوگ اولیائے اللہ کے زمرہ میں کرتے ہیں۔ اگر

ملین اس جیسے ولی کو مراد رکھتا ہے تو بابا صاحب جیسے ولی سے کیا اس

تہ برنی تاریخ نیر و زشتایی جداول مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۰ء، ص ۴۵
۱۱۔ رحمتی ایضاً، جلد دوم، مطبوعہ تاج پور ۱۹۵۰ء، ص ۲۱
۱۲۔ علی، نذیر العزائم، علمی سو، برقی میں مذکور ملین، ناصر الدین، ۱۰۵۸، ۱۱، ۱۵

چنانہ پر ڈالنے کے لئے گھر سے چاوری میں نکل کر اور میر خدیو کی دادی نے
ایک چاوری اس قصے کے لئے پیش کی، وجہ یہ کہ اس نے نہ کہتے کہ وقت آیا

لوگ نہیں بھی میت نہ سکیں اور نہ وقت کے کسی جگہ کا درجہ کی اشیاں سے
بند کیا ہوا تھا، اٹھا کر کام چلا گیا۔ ایسے وردیش جس کے زہر کا علاج

ہوا اور جس کے گھر میں کسی دن ناخوش ہوا اور وہ عالم اضطراب میں مبتلا رہا
منہ میں ڈالے، جس کے متعلق مؤرخ غرضی مندرجہ ذیل کہتے ہیں پھر ہو کر۔

۸۔ منہ کے تمام علاج متفق لفظ ہیں کہ یہ باضت اور پوریش درد میں
کچھ ٹھنکائی ناخوش کوئی دردیش پیدا نہیں ہوا "اسے ملین جیسا تیسر صفت

اور کسری مزاج بادشاہ ایک مٹی کا رشتہ دینے سے قور ہا۔
۸۔ ملین وقت پست کا برتاؤ مل تھا اور کچھ ذات کے لوگوں کو دیکھا بھی

پندرہ ذکر تاقت۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا۔
۸۔ ملین خود آئی اور اسباب و لغو و غفلت

اور اسباب، انان ہی و نام کہ باقی
تھا، درمن خاصیت، مزید، صفت

کہ ہم کہ اصل و دون و سفید و عالم
ما و زشت و منصب و دست و زخم

وہ، وہ مجرمان کہ میں طاعت و نظر
من و آید عجلہ رہنما کی صفائے

من و زشت و در آید و چون حال
برین عید باستان کہ با شاگرد من و نام

کہ تقیم و کم اصل و نامک زاد و مادر
کیسے مچ ذات کے فرد یا عزم زادے کو نہ

صفت نہ تھے جو ہدیہ سلطان کو دے کر رہتے۔ ہاں صاحب کے ایک سرورند
نظام الدین تو سرکاری ملازمت کو عارضہ سمجھتے تھے کم از کم وہ تو جاگیر تیرہ کی بیٹے۔
۱۱۔ اگر واقعی باقاعدہ صاحب نے عین کی بیٹی سے عقد کیا تھا تو اس کا ذکر بیشتر
انعام الدین لودھی اور شیخ فیہ الدین چڑیا وغیرہ نے کیوں نہیں کیا۔
سلطان ہلا میں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے برصاقت ظاہر ہے کہ یہاں ایک
مستند تاریخی خدام اور برہاؤں کا تعلق ہے حضرت باقاعدہ صاحب کے ساتھ سلطان
غیاث الدین بہمن کی کسی بیٹی کی نسبت محض ایک انسانہ ہے اور تحقیقت سے اس
کا عقد کامی کوئی تعلق نہیں۔

—————

حقیقت رکھ سکتا تھا کہ اپنی بیٹی کا رشتہ ان کو تھا۔

۱۱۔ اب یہی یہ بات کہ عین و دریشول سے عقیدت رکھتا تھا اور ان کے
گھر میں رہتا تھا اور ان کے گھر میں سے کوئی فرستادہ جاتا تو اس کے
خزانہ میں شریک نہ کرتا اور عزت کے لئے اس کے گروہ میں سے کسی کو بھیجتا نہیں،
جاتا اور ان کو نقدی اور کپڑے عطا کرتا، یہیں اس سے کوئی بحث نہیں،
وہ ضرور ایسا کرتا ہوگا، لیکن یہ اس کی نیکی کی دلیل نہیں ہے۔ بڑے بڑے
جابر اور نامتی یا درشاہ و دریشول سے عقیدت رکھتے تھے لیکن اس عقیدت
کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان سے اپنی بیٹیوں بیاہ دیتے تھے، ایسے بارشمالی
کے متعلق علامہ عبدالرحمن ابن جوزی رائے نظر فرمائیں۔

۱۲۔ معاصر پیراؤں کے ساتھ ساتھ ان کو سلطان کی ملاقات کامیابی
بڑا شوق ہوتا ہے اور ان سے وہ اپنے حق میں دعا بھی کرتے
ہیں، سلطان ان کو سمجھاتا ہے کہ اس سے گناہوں کا پلڑا ہلکا
ہو جائے گا، حالانکہ اس خبر سے اس شہزاد کا وقیعہ نہیں ہو سکتا۔
مگر عین نے عین کی جس درویش لڑکی کا ہرے زور و شر سے ڈھنڈورا
پڑھا ہے وہ بخور بالکی تکلیف میں اس کی نیکی کی دلیل نہیں بن سکتی۔

۱۳۔ باقاعدہ صاحب کی وفات کے بعد باقاعدہ صاحب کی اولاد کے ساتھ جو اس
مطرحہ رشتہ کی بنا پر عین کے لواحقین سے ہوئے ہیں، عین نے اگر کوئی مسلک کیا
ہوگا تو اس کا ذکر تذکرہ میں ضرور ہوتا، آقا خان میں سے کسی تو ایسے درویش

علامہ ابن الجوزی، تاریخ دہلی و عزت، حوالہ اولیٰ مطبوعہ اشرفیہ، ص ۹۹
دعویٰ علی عین نے فقہ مساکین الخراج و اسوہ میں حوالہ دیا ہے جو لا جوابی و غیر

جائی ہے۔ عصر حاضر کے ادیب شہر علی رضا کاندھلوی کے خیال کے مطابق آپ ۱۸۵۶ء/۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ تہذیبی عالم آرائے امینی کے دیگر نثری ترجمے کے دباچے میں ایک نثر قلم میں پرہیزگار اور سخی تحریروں میں کہ مفضل اللہ ۱۸۷۷ء/۱۲۶۷ھ میں بغداد میں وادرو سے اس کے گمان غالب ہے کہ وہ آغازاً ۲۵ سال کی عمر میں اصحابان سے ملے ہوئے اس لحاظ سے الذی کی پیدائش ۱۸۵۶ء/۱۲۴۸ھ کی ہوتی چاہئے بطور خاص بعد حسن اتفاق سے پرہیزگار اور سخی کو مولانا مفضل اللہ کی تعریف تاریخ عالم آرائے امینی سے ایک شہادت مل گئی ہے جس سے ثابت ہوا کہ مولانا ۲۵ برس کی عمر میں ۱۸۸۵ء/۱۳۷۰ھ میں اصحابان سے ملے تھے اس حساب سے ۱۸۵۰ء/۱۲۴۱ھ اور مولانا کا سامانی پیدائش ہے۔

بہل معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مفضل اللہ شافعی المذہب عالم کے ایک ایسے فاضل کے نوشتے جس کے اثر و اشاعت اہلسنت سے ہمہ در تغیر پذیرانہ چلے آ رہے تھے۔ ہرگز مفضل اللہ نے اپنے والد اور والدہ کے علاوہ اپنے کسی مرشد اعلیٰ کا ذکر نہیں کیا تاہم اسی کے والد کے غیر معمولی نام مفضلان مفضل شاکر اللہ کے اس نام کے ایک فاضل سے مراد جاسکتا ہے۔

رضا علی شہر ہے جہاں کی خاک پاک سے شہر آفاق مولوی اور عصر حاضر

فقد استأوى في الضريح المذكور والمطهر قاتل ^{في سنة ١٣٥٥} ٤٨ من ١٤١

عبد الرحمن بن محمد بن عبد الله بن عبد الوهاب بن عبد البر بن عبد الحميد بن عبد المطلب بن عبد مناف بن قصي بن كلاب بن مرة بن كعب بن لؤي بن غالب بن فهر بن مالك بن النضر -

۱۳۴۸ء کی دہائی میں، ڈی ۱۳۴۸ کی بطور نمونہ ۱۳۴۸ء کی دہائی میں ۲۰۰۰ سال کی

کے منہ پر نیکی۔ مثلاً اللہ مظلوموں پر رحم فرمائے۔ ۱۹۴۹ء میں ۱۷۱۷ء

فضل اللہ بن روزبہان اصفہانیؒ

اور

ان کا ایک نادر رسالہ

ابو القزینعل الشہیدی جمال الدین ہمدرد محمد بن فضل اللہ العظمیٰ المشیر فی
الاصحابی، المتخلص برافیق الشہرہ وغیرہ مولانا صفائی، خزیرین ۱۳۳۵ھ
میرداد موصی۔

مولانا نخل اللہ کا سال پیدائش ابھی تک متنازعہ نہیں ہے۔ ان کے چچ عمر احمد شاہ شہر آفاق قلم کار محمد شمس الدین محمد احمد دہلوی نے ان کے سوانحیات اپنی مشہور عالم تصنیف الغدیر اللہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ تحریر کی ہے لیکن ان کے سال پیدائش کے متعلق انھیں بھی یقین نہیں تھا۔ اس لئے کہ سنے ان کی ولادت ۸۶۰ھ/ ۱۴۵۰ء یا ۱۴۵۶ء کے درمیان

ملہ منض الشہ تارنخ عالم راتے ایضاً منضوطہ فاتح لاہریری استابلہ، صق ۹۰۰

سنة فضل الله، مهاجری مائت و پنجاه و ششمین تہذیبی مسلمانہ ص ۳۵۶

[illegible]

محکمہ مفتی الشریعہ، میانہ ٹاؤن، لاہور۔ ص ۳۵۶۔

مذہبِ جان بن ابی نصر (ق ۹۰۹) پیدا ہوئے تھے۔ شیعہ سنائی نے انہیں
تدریجیتِ فارس خاصۃً خاموشی ایک اور عالم بنی العابدین علی بن
رزد بھان (ق ۹۱۵) کا ذکر کیا ہے جو اپنے دور میں مولانا فضل اللہ کے کاپی
وطن ملے ہیں مجددۃً تشریف نواز تھے۔

فضل اللہ ابنی مشہور تدریجیت تاریخ عالم کرانے اصنی میں اپنے
والدہ جمال الحی واقعیت رزد بھان کے متعلق رقم طراز ہیں کہ وہ مروانہ کی
نہرہ میں داخل تھے لیکن ان پر کچھ ایسی گزری کہ انھوں نے طاعت سے
استغنیٰ دے دیا اور اپنے اوقات پڑھنے لکھنے میں بسر کرنے لگے۔ رشتہ
رشتہ ان کا شمار ان علماء میں ہونے لگا جن پر سلطان یعقوب دم ۱۳۹۰
کی نظر فرامیت رہتی تھی۔

فضل اللہ ابنی والدہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ وہ اصفہان
کے ممتاز گھر سے حاصل کی فرود تھیں۔ خانہ دانی علم دوستی اور علمی سرگرمی
کے لیے ایران بھر میں مشہور تھے۔ کمال اسمعیل اصفہانی جیسا صاحب کمال اور
نامور شاہ علم و خاندان کے دسترخوان کرم کا ریزہ چوں تھا اور اس نے اس
بات کا اعتراف کرتے ہوئے ۱۶ قضاہ اس خاندان کے مختلف افراد کی مع
میں لکھے ہیں۔ فضل اللہ کا ایک عامل بھان الدین صاحب مدی شیراز کے
تک فخر اللہ تاریخ عالم کرانے اپنی ورق ۲۰۰ ب۔

ملک حسن: نائی فارس یا فارس مای، مشہور تہران ۱۳۳۲ھ عشر مجروح۔ ص ۱۹۰

ملک منتہ: تذکرۃ تاریخ عالم کرانے اپنی ورق ۹۹ الف

ملک ایضاً ورق ۹۷ الف

ملک کمال اسمعیل اصفہانی، دیوانی و مطبوعہ مجلی، ص ۱۳، ۱۵، ۱۷۔

قرائت کو حکمیر بدوق بن جہان شاہ کے دور میں مجددۃً وزارت بہ نواز تھے
فضل اللہ کا دوسرا مولانا مسعود شاہ خیرائے حکام جہان شاہ کا مشہور نظر تھا ہے
اس نے اپنے تئیں کی سرداری کے علاوہ نقارہ و علم بھی عطا کیا تھا۔ جہان شاہ
کے انتقال کے بعد مسعود شاہ بھی سلطان یعقوب کے دربار میں نظر آئے تھے
جہاں حسب سابق اس کی مساکت قائم تھی۔ فضل اللہ نے اپنے ایک فریاد
عزیز خواجہ حکام الدین احمد صاحب مدی کا ذکر بھی کیا ہے جس کے دسترخوان کرم
سے بہرہ انداز ایک ہنزہ درویشوں کو کھانا ملتا تھا۔ اس کا ایک دوسرا
رشتہ دار تاجی عسکرا سلام صاحب مدی گوجی بیسائیوں کے خلاف جہاد کرنے
ہوئے شہید ہوا تھا۔

فضل اللہ کی اپنی رشتہ داریوں کے پیش نظر یہ دلیلیر مشہور سکی رہے
وہ کراں پختہ کرنے سے بہت باخبر تھے جہاں جو جاتی ہے کہ ان کا تعلق ایک
ایسے خاندان سے تھا جو شیعی عقائد کے ملیر دار تھے۔ ایک دوسرے کو
پر موصوف نے فضل اللہ کو شیعی مذہب کے فاضل علیراز کے لقب سے
بھی یاد فرمایا ہے۔ مولانا کے یہی عقائد ان کے خاندان کے دل میں کھینچے رہے۔

ملک فضل اللہ: تاریخ عالم کرانے اپنی ورق ۹۹ الف

ملک ایضاً ورق ۹۹ الف

ملک ایضاً ورق ۱۸۹ ب

ملک ایضاً ورق ۱۷۷ الف

ملک جہاد سکی: پرستیا ان لے۔ ذی ۱۳۷۰ - ۱۳۹۰ ص ۲

ملک مشہور سکی: جہاد سکی کوئی کتبہ اور شیعیان و ائمہ مشہور، جہاد سکی ص ۳۰۔

مسلک کے ایک بزرگ پیر جمال الدین مولیٰ جامی اردستانی کے ہاتھ پر بیت
کرتی۔ پیر جمال الدین جن کی زندگی کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت میں گزرا تھا،
اپنے دور کے سربراہ اور شہزادوں کی شمار ہوتے تھے۔ ان کی کیا سجدہ علمی
جس میں وہ شریعت کے علاوہ باعیات، غزلیات اور مفردات بھی شامل
ہیں کچھ خوب نمونہ رسی و لبریری میں محض تھے۔ بہرہ رسی کے لیے بہرہ رسی کے
کے مخطوطات کی فہرست میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بیت ہی نادر المثل
شاہکار ہے۔ پیر جمال الدین کی کلیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے
کہ ان کو اپنے مرید فضل اللہ سے خاص رگڑا تھا اور وہ اپنے خطوط میں ان
کو فرزند کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ دوسروں کے نام خطوط میں
بھی وہ اکثر ان کا اور ان کی بشیرہ کا ذکر بڑے پیار و محبت سے کیا کرتے
تھے۔

پیر جمال الدین کی بیعت کے بعد فضل اللہ نے مقتوت کا مطالعہ شروع
کیا اور ان کی نگاہ میں مناجاتی مسوکت لے کر لے گئے۔ دوسرے سفر حجاز
میں فضل اللہ نے بڑی رغبت کے ساتھ شیخ ابوصفت شہاب الدین عمر
بہروردی کی عارفانہ معارف کا مطالعہ کیا۔

تھے اور اس کا اندازہ حسن رویہ کی احسن التواضع کے مطالعہ سے ہوتا ہے
جس میں اس نے مولانا کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک متعصب قلم شیعہ افغان
کے درباری تھے اور اہل بیت کے ساتھ اپنی دشمنی کے لئے رسوائے عام
کئے۔ زمانہ حال کے دیوبند میں سے بہرہ رسی راؤ گٹ اور اسٹریٹس نے
بھی مولانا فضل اللہ کو جھگڑا دلدار و متعصب لکھی لکھا ہے۔

اس زمانے میں شیعہ کا ستارہ دیکھنے اسلام کے گئے تھے عالمی مرکز
میں ہوتا تھا اور اس دور کے بلاشبہ سب سے بڑے شیعہ تھے فاضل مرقا
مجاہد الدین صفائی نمایاں درس دیا کرتے تھے۔ مولانا فضل اللہ کی یہ بڑی سعادت
تھی کہ جنس برسولی دوری کے حلقہ درس میں بیٹھنے کا موقع ملا۔ محنت و محنت
نے ان کے اساتذہ میں عمید الدین تبریزی کا بھی ذکر کیا ہے۔ فضل اللہ تاریخ
خالعہ کریمہ جلی کے آغاز میں رقم فرمادیں کہ انھوں نے علوم عربیہ کی تعلیم تبریز
میں پائی اور پھر بکس کی شریعت کی نیت سے عازم حجاز ہوئے۔ ان کے تلامذہ
سے معلوم ہوتا ہے کہ جلی بیت اللہ کے بعد تبریز واپس لوٹ آئے تھے۔

زمانے کے دوسرے مطابق فضل اللہ نے نوجوانی کے عالم میں بہروردی

مکتبہ حسن دہلوی۔ حسن التواضع۔ مطبوعہ تبریز۔ ۱۳۲۸ھ

۱۳۲۸ھ۔ مکتبہ حسن دہلوی۔ آد پریشا۔ مطبوعہ کچھ۔ مستشرقین و مفسرین۔ ۱۳۲۸ھ

۱۳۲۸ھ۔ مکتبہ حسن دہلوی۔ آد پریشا۔ مطبوعہ کچھ۔ مستشرقین و مفسرین۔ ۱۳۲۸ھ

۱۳۲۸ھ۔ مکتبہ حسن دہلوی۔ آد پریشا۔ مطبوعہ کچھ۔ مستشرقین و مفسرین۔ ۱۳۲۸ھ

۱۳۲۸ھ۔ مکتبہ حسن دہلوی۔ آد پریشا۔ مطبوعہ کچھ۔ مستشرقین و مفسرین۔ ۱۳۲۸ھ

۱۳۲۸ھ۔ مکتبہ حسن دہلوی۔ آد پریشا۔ مطبوعہ کچھ۔ مستشرقین و مفسرین۔ ۱۳۲۸ھ

۱۳۲۸ھ۔ مکتبہ حسن دہلوی۔ آد پریشا۔ مطبوعہ کچھ۔ مستشرقین و مفسرین۔ ۱۳۲۸ھ

دقیقہ ۳۰، باب ۲۵، اہل

۱۳۲۸ھ۔ مکتبہ حسن دہلوی۔ آد پریشا۔ مطبوعہ کچھ۔ مستشرقین و مفسرین۔ ۱۳۲۸ھ

۱۳۲۸ھ۔ مکتبہ حسن دہلوی۔ آد پریشا۔ مطبوعہ کچھ۔ مستشرقین و مفسرین۔ ۱۳۲۸ھ

۱۳۲۸ھ۔ مکتبہ حسن دہلوی۔ آد پریشا۔ مطبوعہ کچھ۔ مستشرقین و مفسرین۔ ۱۳۲۸ھ

۱۳۲۸ھ۔ مکتبہ حسن دہلوی۔ آد پریشا۔ مطبوعہ کچھ۔ مستشرقین و مفسرین۔ ۱۳۲۸ھ

۱۳۲۸ھ۔ مکتبہ حسن دہلوی۔ آد پریشا۔ مطبوعہ کچھ۔ مستشرقین و مفسرین۔ ۱۳۲۸ھ

۱۳۲۸ھ۔ مکتبہ حسن دہلوی۔ آد پریشا۔ مطبوعہ کچھ۔ مستشرقین و مفسرین۔ ۱۳۲۸ھ

۱۳۲۸ھ۔ مکتبہ حسن دہلوی۔ آد پریشا۔ مطبوعہ کچھ۔ مستشرقین و مفسرین۔ ۱۳۲۸ھ

۱۳۲۸ھ۔ مکتبہ حسن دہلوی۔ آد پریشا۔ مطبوعہ کچھ۔ مستشرقین و مفسرین۔ ۱۳۲۸ھ

امام محمد بن ابوالحسن الثمالی کے مقلدین میں امام محمد غزالی جو شہرہ کے
بڑے عالم تھے ہیں اس نے شافعی المذہب ہونے کی بنا پر نظر ثانی فی فضل اللہ
کا رجحان ان کی طرف تھا۔ قیام محمد کے دوران انھیں امام غزالی کی کتابوں
کے مطالعہ کا موقع ملا اور انھوں نے منہاج العباد میں ادایہام العلم
کا مطالعہ کر کے مشق اور درجہ تکمیل حاصل کیا۔

علاء مقدس بن علی علیہ السلام کے بعد فضل اللہ شریز والیس لوٹے اور
بہا ل آتے ہی انھوں نے "میدان الزمان فی تصدیق بن یحییٰ بن یحییٰ" تالیف
کی۔ اسی دوران ان کا دل کسی وجہ سے "میدان کنا باور گل گشت معلی" سے
انہماک ہوا اور انھوں نے علاء مقدس بن علیہ السلام کی عثمانی فیکشن میں آکر
وقت پر گزارا کیا۔ وہ سلطان یعقوب سے ملنے کی غرض سے آذربائیجان
دور ہوئے۔ یہ پہلے گنجا ہے کہ فضل اللہ کے والد جمال الدین رستمخان
سلطان مرصوف کے منظور نظر رہا رہیں سے جس نے لیڈر کسی دشمنی
کے شبان ۴۲۴ھ / اگست ۱۰۳۴ء میں کوہ سہند کے گردانی محب میں
سلطان کی خدمت میں بنایا۔ جوئے اور اپنی کتاب "میدان الزمان" اس کی
خدمت میں نذر گزارا۔ سلطان نے فضل اللہ کو اپنا کاتب بنانے کی غرض
ازرائی کی اور شاہی دربار چمکے کی خدمت ان کے سپرد کی۔ آپ نے یہ
مہم کر کے جوئے سلطان کو لکھیں دلا یا کہ خدا کو منظور رہا تو اس
کے سامنے جوئی کی تار بیچا خدا شہادی کی آپ کتاب "میدان" کے نام سے لکھی۔

فضل اللہ تاریخ عالم کائنات یعنی درق ۲۰ ب ۴۵۵۵ء

میں

۲۵ سال کی عمر میں ۵۸۵ھ - ۱۱۸۱ء میں فضل اللہ اپنی والدہ اور چچا کے
کوسا تھے کہ تخلص علیہ مصر کی مہاجرین اور جوئے۔ اس زمانہ میں تاجری
شیخ محمد بن یحییٰ رحمہ اللہ کے علم فضل کا بڑا چچا تھا اور فضل اللہ کی
معاشرت بھی کر انھیں شیخ مرصوف کے درس میں شریک ہونے کا شرف
حاصل ہوا۔ اور فضل اللہ نے اپنی تعلیم مکمل کی اور ان کی والدہ انتقال کر گئیں اور
وہ بدلی ہو کر اپنے پیر و مرشد کی محبت میں تخلص کی طرف روانہ ہوئے۔
بیت اللہ میں پہنچے ہی پیر جمال الدین نے بھی واسطی میں کو لیک کہا اور ان
کی تجویز و لکھنے کے بعد فضل اللہ نے مدینہ منورہ کی راہ لی۔

ان دنوں مدینہ منورہ میں مشہور آفاق محدث شمس الدین محمد عبدالرحمن
السفادی مشہور ہیں حدیث کا درس دیا کرتے تھے اور وہ دوسرے تفسیری
علم ان سے سنا دینا لینے آتے تھے فضل اللہ نے بھی ان سے تجارتی شریعت کا
درس لیا اور جس دن انھیں مدینہ میں اسی دن انھوں نے عربی میں ایک
زوردار فتیہ اپنے استاد کی مدد میں لکھا۔ اس واقعہ کے کئی سال بعد
حبیب محدث السفادی المعروف باللاح میں اپنے شاگرد و شاگرد کے حالات
علم مذکور کرنے میں مدینہ منورہ ان کے پاس موجود تھا۔

اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں ایک اور عالم شہرہ امیر ابو الفتح
بھی حدیث کا درس دیا کرتے تھے فضل اللہ نے ان کی خدمت میں رہ کر مسلم شریعت
کی سند حاصل کی۔

۱۱۸۱ء / ۵۸۵ھ میں ۱۱۸۱ء میں فضل اللہ نے مسکو کو لوک
میں شہرہ میں اپنے قیام مکمل کر لیا ہے اور خطوط میں مراد، درق ۲۰ ب ۴۵۵۵ء
لکھنے امیر ابو الفتح و جلد چہارم میں ۱۱۸۵ھ و ۱۱۸۵ھ میں

چار سال تک مولانا فضل اللہ بحیثیت کاتبہ سلطان یعقوب کی خدمت میں حاضر رہے اس دوران میں متعدد بار آپ نے اہم دستاویزات تیار کیے۔ ۹۹۲ھ میں سلطان اصفہانی کے دربار میں آپ قاسم نے وہاں کے سربراہ وردہ کو قوی کرانے اور اس سے لڑنا مولانا فضل اللہ کو بھیج دیا کی خدمت کے عرض خلعت، نازہ اور گھوڑا عطا ہوا اور اس کے ساتھ ہی ایک تھڑا بھی منتقلی اضافہ کیا۔

۸۹۲ھ میں سلطان یعقوب نے بہت اللہ کے لیے عداوت تیار کروایا اور فضل اللہ کو حکم دیا کہ لوگوں میں اس بات کا اعلان کریں کہ جو لوگ حملے کے ساتھ جہت بہت اللہ کے لیے جانا چاہیں ان کی مدد سرکاری خزانے سے کی جائے گی۔ اسی سال سلطان نے اپنے بیٹے کا غصہ کیا تو اس تقریب پر سلطان جبین بالقرآن نے اپنا سفیر تحفے تہافت اور خط و سہ کے سلطان یعقوب کی خدمت میں بھیجا۔ سلطان نے فضل اللہ کو حکم دیا کہ وہ اس خط کا جواب تحریر کریں۔ اسی سال جب سلطان یعقوب نے اپنا سفیر حکیم مصر ملک الاشراف ابوالنضر سیف الدین قاتیبی کے دربار میں بھیجا تو اس کے ہاتھ جو خط ملک الاشراف کے نام بھیجا اور وہ بھی فضل اللہ ہی سے لکھوایا تھا۔

رمضان ۹۹۳ھ ۸ اگست ۱۴۸۸ء میں سلطان یعقوب نے ایک شاہی نروان کی مدد سے اپنی قلعہ میں خرابی کے استعمال پر پیا بندی لگا دی بعد پر چورنے بڑے شہر میں لوگوں کے گھر کو جو خراب کے پیا لوں سے پاک

۱۱۲ھ رقی ۱۳۱ھ الف ۱۱۲ھ رقی ۱۳۱ھ الف

۱۱۲ھ رقی ۱۳۱ھ الف ۱۱۲ھ رقی ۱۳۱ھ الف

رکنے کے لئے محتسب مقرر کئے اس موقع پر فضل اللہ بڑی سرعت کے ساتھ مکتوبات کراس نروان کے ذریعے پر قرار پایا کہ جو شخص بھی پیا لوں میں خرابی اندیشہ ہوا اور جانے لڑا سلطان شریفیت اس کے حق میں پگھلا ہوا سببہ انڈیل کراس کی زندگی کا ہم خالی کر دیں اور اگر کوئی ڈاؤس منڈا کر چنا پھر وہ لڑکے سے قس کا سر کاٹ کر اس کی زندگی کا چھاپے لار کر دیا جائے۔

اگلے ہی سال سلطان نے نیزہ وین تیز کرتے ہوئے پر حکم جاری کیا کہ حکام شریفیت پر سختی کے ساتھ عمل کیا جائے اور علاقے راشدی کے طریقے کے خلاف جو رسم و رواج پائے جاتے ہیں انہیں دوسرا ختم کیا جائے۔

ایسے پاکیزہ ماحول میں فضل اللہ نے چار سال بسر کئے اور اس دوران میں نظم و ضبط میں بہت سی تبدیلیاں مشاہدہ کیں۔ تھکے دہلی میں بہت سی اصلاحات کی گئیں اور شریفیت کی ترویج کے لئے سلطان کی کوششیں بار آور ہوئیں۔ حکام شریفیت کے نفاذ کے لئے ہر شہر اور شہرے میں محتسب اور تحفے تہابین ہوئے۔ عامی میں نے بحیثیت وزیر اعظم ملک کے طولی وکری میں جو زرعی اصلاحات کی تحفین فضل اللہ نے بڑے قریب سے ان کا مطالعہ کیا تھا۔ اس نے اس بات کا مشاہدہ کیا کہ سلطان یعقوب اپنی رعایا کے ساتھ ملکی کاموں کو کیا کرتا تھا اور ہر وجہ سے بزارہ کو حق الاوسم حکام شریفیت پر عمل کیا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ علم اور فضل کا بڑا قدردان تھا۔

۱۱۲ھ رقی ۱۳۱ھ الف ۱۱۲ھ رقی ۱۳۱ھ الف

۱۱۲ھ رقی ۱۳۱ھ الف ۱۱۲ھ رقی ۱۳۱ھ الف

مولانا فضل اللہ شیبانی خان کے مصاحبوں اور اس کے دربار کے سربراہ مدد خان
کی صف میں نظر آتے ہیں۔

شیبانی خان معارف و فضل کا قدر دان جس نے کے علاوہ بذات خود بڑا چھا
لکھا اور مصاحب ذوقِ حکمران تھا۔ اس کے ہاتھ کے نکلے جوئے قطعات
آج بھی پیرس کے کتب خانہ کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ اکثر ادوات وہ پیرس
ملا کی موجود ہیں مولانا فضل اللہ کے ساتھ علمی مسائل پر گفتگو کیا کرتا تھا۔
بعض اوقات خراسان اور بادشاہِ انہر کے علماء کی موجودگی میں خانِ موصوف
مولانا سے یہ درخواست کیا کرتا تھا کہ وہ کسی علمی یا مذہبی مسئلہ پر گفتگو
کا آغاز کریں۔ ایسی مجالس میں رونق پاتے ہی مولانا شیبانی خان کو شاہ
اسفندی کے خوف، اعلانِ جہاد کرنے پر آمادہ ہوتے۔ جوان کے خیال
میں مصیبتوں سے بڑھ کر گمراہ اور بے دینی تھا۔

اپنی مکتب منزل میں، جو شیبانی خان نے حیدرآباد کی صحت لکھی تھی، وہ
مولانا فضل اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے ایسی ہی علمی مجالس کا ذکر کرتا ہے۔
بعض مقامات حبِ خراسان اور بادشاہِ انہر کے علماء کی مذہبی مسئلے پر گفتگو
موصوف کو مطمئن نہ کر سکتے تھے تو وہ مولانا کو بلد کرانے سے بھیج جواب
طلب کیا کرتا تھا۔ کبھی کبھار خانِ الی سے خلوت میں ملاقات کرتا

تھائی یعنی نے انعام سلطنت میں جو اصلاحات کی تھیں فضل اللہ نے
ان کا بیڑے ختم سے ملا لکھا تھا۔ آئندہ زندگی میں حبیب اللہ خان
ازکب نے ان سے استعفا کی کہ وہ اسے ایسی کتاب تیار کرو دیں جس پر
عمل کر کے وہ جو بنیتِ حکمران بقا و نشرِ بیعت کی ذمہ داری سے عہدہ بڑھ
سورے تو اس وقت اپنے سابقہ مشاہدہ اور تجربہ کی بنیاد پر ان کے
جتنی عقلی آجکل تھی اور ان کی معلومات بعض سنی سنائی با قاع پرستین پر نہیں۔

سلطانِ یعقوب نے ۴۴۴ھ کو روایات پائی اور اس سانچے
بعد انعام سلطنت میں بلوچی کا دور دورہ شروع ہوا۔ ان حالات میں فضل اللہ
اپنی ذمہ داریوں سے استعفیٰ ہو کر اصفہان چلے آئے وہاں وہ تصنیف و تالیف
میں اپنا وقت گزارنے لگے۔ اسی زمانہ میں شاہِ اسماعیل معفری آذربائیجان
کے مقلع پر نووارد ہوا۔ جونہی ۴۴۳ھ کو مولانا فضل اللہ کا نشان میں
مشہور شیعی مہم ملا ترمین مہر پوری دوم ۱۲۷۵ھ کی کتاب نہج الحق کو
کتاب ابطال نہج بد عل و اعلیٰ کشف العاطل کے نام سے کھلی کیا اسی
روز عراقی فوج پر شاہ کے محسوس قبضہ کی خبر کا نشان پہنچی۔

ان حالات میں بے غفلت فضل اللہ ہجرت کے سوا اور کوئی صورت نظر نہ آتی
تھی۔ لیکن اس سوال پر پیدا ہوتا تھا کہ ایمان سے ہل کر کہاں سرچ پا جائے
خدا صالح کے تجربہ کی مکرانوں کے شاہ اسماعیل کے ساتھ دوستانہ تعلقات
تھے اس لئے ان کے وہاں فضل اللہ کو اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔
اسی سوچ و فکر کے دوران مولانا کو امید کی ایک کرن نظر آئی۔ بادشاہِ انہر کا
حاکم شیبانی خانی کو شہر شریں جرنے کی وجہ سے مولانا کا ہم مسلک بادشاہ کا سخت
نہرین مخالفت تھا اس لئے مولانا نے اس کے دربار کی راہ لی۔

۱۳۴۳ھ میں مولانا فضل اللہ نے بادشاہِ انہر کو خط لکھا۔

۱۳۴۳ھ میں مولانا فضل اللہ نے بادشاہِ انہر کو خط لکھا۔

۱۳۴۳ھ میں مولانا فضل اللہ نے بادشاہِ انہر کو خط لکھا۔

۱۳۴۳ھ میں مولانا فضل اللہ نے بادشاہِ انہر کو خط لکھا۔

اور ایسے مواقع پر ان کو اپنے ساتھ کھانے میں بھی شریک کر لیتا تھا۔
اگر کسی عداوت کی بنا پر وہ بار سے غیر حاضر ہوتے تو خان اپنے کسی
معاہد کو بھیج کر ان کی مزاحمت کی کرتا تھا۔ ایک بار جب سلطان
خان کے ساتھ قزاقوں کے خلاف ہمہیں شریک ہونے کو مانتے
مقرر ہوئے، خان باران کی مزاحمت ہوئی کہ کسی نہ کسی شخص کو ان
پس بھیجتا تھا۔ علاوہ انہی خان نے اپنے خانی مصالح مولانا نائری کو
ان کے معاہدے کا حکم دیا۔ یہ سب مولانا صحت یاب ہو کر خانی سے خارج
ہوئی کے مزار مبارک پہنچے تو خان ان کو ان کے محلے سے لے گیا۔

قزاقوں کے خلاف ہمہ پر راء ہونے سے قبل سلطان نے علاقے سے
کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ قزاقوں کے خلاف ہمہ کا خانی معاہدہ
عہدہ نے قبول مولانا فضل اللہ خانی ہوا پر اپنی اپنی جہت کر دی۔
ایک بار خانی موصوف نے اپنے بیٹے کو سلطان کو حکم دیا کہ وہ تمام
فضاء اور صوبہ داروں کے نام پر فرمان جاری کرے کہ آئندہ سے قزاقوں
کو اس کے دارا کی رضاقت سے محبت دیا جائے۔ اس موقع پر مولانا فضل اللہ
میدان ملی میں کھڑے اور انہوں نے حدیث اور فقہ کے دلائل سے خان
کو قائل کر کے وہ حکم واپس لینے پر مجبور ہوا۔
ایک بار خان نے ہمہ کے مزار آج کو حکم دیا کہ اس کی مسجد بنائی جائے

۱۳۳۲ھ لیٹا ۱۳۳۲ھ لیٹا ۱۳۳۲ھ

۱۳۳۲ھ لیٹا ۱۳۳۲ھ لیٹا ۱۳۳۲ھ

۱۳۳۲ھ لیٹا ۱۳۳۲ھ لیٹا ۱۳۳۲ھ

خلفہ محمد ابراہیم اور انہیں مولانا نے اپنے خطبہ میں خان کو بحیثیت عسکران
اپنے لڑائیوں سے آگاہ کرتے ہوئے اسے حضرت علیؓ کے نقش قدم پر
چلنے کا مشورہ دیا۔ ایک دوسرے موقع پر خان نے آپ کو ایک
گھوڑا بھیج کر اس کا صلہ کیا اور طلبہ کے مطالعات میں تحقیق
کرنے کا حکم دیا۔ آپ کی سفارش پر خان نے اساتذہ کا مشاہیر
بزرگ ہونے طلبہ کے لئے دفاع جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا۔
عام طور پر مولانا فضل اللہ جامع مسجد کربلا مدرسہ شہبانی خانی
موضوع خوجک میں امام بخاری کے مزار پر حدیث کا درس دیا کرتے تھے
اور ان کے اپنے الفاظ میں دور دور سے ہزاروں طلبہ ان سے حدیث کا درس
لے آتے تھے۔ جب کسی مولانا شہبانی خانی کے ساتھ سفر پر جاتے
تو طلبہ کا ہم سفر ان کے ہم کباب رہتا اور شامے سفر میں وہ دیکھ کر حدیث
جاری رکھتے۔ لیکن یہ دیکھتے ہی مولانا کے شاگرد براء و انہر اور دیگر شاگرد
کے گوشے گوشے میں پھیل گئے اور انہوں نے ہر جگہ حدیث اور دوسرے
علوم شریعت کا درس جاری کیا۔ منہ کو طرحوں نشاری کے صنعت کے
قول کے مطابق براء و انہر کے اکثر و بیشتر مولانا فضل اللہ کے
حضور میں نہ ان کے علم کا تھا۔ خود عبد اللہ خان ازبک و انہر نے
حصن حصین مولانا سے پڑھی تھی، اور مدد رانی قدسین وہ ہمیشہ خان
موصوف کو تزلزلہ اثر کے خلاف جہاد کی ترویج دیا کرتے تھے۔

۱۳۳۲ھ لیٹا ۱۳۳۲ھ لیٹا ۱۳۳۲ھ

۱۳۳۲ھ لیٹا ۱۳۳۲ھ لیٹا ۱۳۳۲ھ

۱۳۳۲ھ لیٹا ۱۳۳۲ھ لیٹا ۱۳۳۲ھ

۱۳۳۲ھ لیٹا ۱۳۳۲ھ لیٹا ۱۳۳۲ھ

فضل اللہ کی زندگی کا بدترین دور تھا۔

دو سال بعد ۱۲۱۵ھ میں فضل اللہ کے شاگرد، رشید عبد اللہ خان
 ان کیسے باپ کے حلیف اور ایرانی سپاہ کے قائد تھم ثانی کو کھدوان کے
 مقام پر شکست دے کر قتل کر ڈالا اور باپ سے دو درجہ بڑھ کر ملے کے ارادہ
 سے سر قند کی جانب روانہ ہوا۔ راستے میں وہ کسی کے مقام پر حضرت خواجہ
 احمد علی کی کے مزار پر دعا کے لئے حاضر ہوا اور وہیں اس نے خواجہ کو گواہ بنا کر
 خدا سے یہ وعدہ کیا کہ اگر اسے باپ پر فتح ہوئی تو وہ شریعت کے مطابق حکومت
 کرے گا۔ باپ بے دخل فضل اللہ کو سے نزار اور بھول جیروہ و قلات جا لیں و زار
 سپاہ کے ساتھ عبد اللہ کے مقابلہ کے لئے سر قند سے نکلا، کوئی ملک کے
 مقام پر بھول میں مقابلہ ہوا اس جنگ میں باپ کو شکست ہوئی اور وہ
 بھٹکل اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جانیں بچا کر سر قند سے کابل کی جانب فرار ہوا
 یہاں قاضی نے فضل اللہ کی دعا سن لی "اور اسے محمدوں کے بچوں سے جہاں
 ملی۔ عبد اللہ نے باور لدا لہذا یہ باتیں مہر سے ہی فضل اللہ کو کھلا آنے کی
 دعوت دی اور اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے ان کی خدمت میں اکابر لای
 کتاب لکھنے کی درخواست پیش کی جس میں حکومت کے ہر شعبہ کے متعلق مختصر
 کے احکام موجود ہوں۔ دو سال کی محنت کے بعد ۱۲۱۶ھ میں آپ نے
 "سورۃ الملوک" اس کی خدمت میں پیش کی اس اتفاق سے اس کتاب کا
 اصل مسودہ کھلا میں ایک مدی مستشرق نے خریدی، والی قند کے ہاتھ لگا اور اسے

میں حقیقاً ص ۱۲۰

شہ عین سخی، پرنسٹن ان اس۔ قوی ۱۳۶۸ - ۱۳۹۰ ص ۸

اسے لیٹن گراڈ کے نائب گورنر نے الشیاب کو دے دیا پر لارینز سکی
 کی سن وکامش سے اس کی مانگ لیں جسے لارینز میں نے سمجھ کر میں قیام
 کے دوران اس کا انگریزی میں ترجمہ کر ڈالا۔

سلوک، ملوک کی تصنیف کے بعد بھی فضل اللہ نے کار نہ بیٹھے بلکہ
 کچھ نہ کچھ کہتے ہی سپہ سالار ۱۲۱۵ھ میں انھوں نے قسطنطنیہ بروہ کی شریع
 ملکی اور اہل عقیدہ کا فائز میں مظلوم ترجمہ بھی کر ڈالا۔

فضل اللہ نے اپنی زندگی کے آخری چھ سال بخارا میں اپنے سر پرست
 اور قدردان عید اللہ خان کے دربار میں گزارے اور حسن و ملوک و مدامت
 کے مطابق وہیں ۵۷ سال کی عمر میں ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۳۱۳ء کو فوت ہوئے۔

فضل اللہ کے آثار

۱۔ بدیع الزمان فی تصنیف ابن یفغان، فضل اللہ کی آثار و تالیفات
 ہے جسے انھوں نے ۸۹۷ھ / ۱۴۸۴ء سے قبل مکمل کر کے سعدان بن یفغان
 کے نام منسوب کیا۔ بدیہی سے اس کتاب کا شروع دنبا کے کسی بھی کتب خانہ
 میں نہیں ملتا۔

۲۔ معان نامہ و بخارا کو فضل اللہ کی ذاتی ڈائری کہا جاسکتا ہے جس
 میں انھوں نے بخارا، سر قند، شہد اور مرو میں متعلقہ مورخین سے بات چیتی

ان میں اکثر خراج تحسین و تحفہ خطوطا وینا وینا لارینز سکی لائبریری میں ۱۰
 شہ حسن و ملوک، حسن الزمان، خطوط وینا وینا لارینز سکی ۱۴۴

۱۔ لائبریری میوزیم لندن، مخطوطہ اور نسخہ نمبر ۲۵۳۰۔
۲۔ منصف البیاض ایک ایسے گراؤ کا نمونہ مولا الفضل اللہ کے ہاتھ کی تحریر ہے۔

۳۔ جامعہ نظامیہ حیدرآباد کا نسخہ

۴۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کا نسخہ

۵۔ محققہ لائبریری حیدرآباد کا نسخہ۔

حال ہی میں ڈاکٹر حفصہ الدین صاحب مرحوم نے دائرۃ المعارف

حیدرآباد کی طرف سے یہ کتاب شائع کر دی ہے لیکن ابھی تک یہی لغت

جہیں گزری۔ ڈاکٹر صاحب نے ہر ذریعہ کر کے اپنی کتاب کے توسط سے

صرف ایک مخطوطہ رونق بخشنا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب

نائب میں بڑی فحاشت کے ساتھ جمع ہوئی ہے۔

۶۔ شرح قصیدہ کا بیڑہ یہ کتاب مولانا نے ۱۹۲۱ء میں بنواری

میں تلمیذ کی تھی اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے مولانا اپنے دور میں قبل از

پہلے آخری سند بھیجے جاتے تھے اور بعد ازاں کے علاقوں سے منیکر مولیٰ

کی تعداد میں شرا تین ان سے قصیدہ کا دوسرے کے لیے احاطہ نہ ملتا تھا

کہتے تھے۔ اس کتاب کے یہی مخطوطے ہمارے علم میں ہیں۔

۷۔ مخطوطہ نمبر ۴۴۳۰، قندھار لائبریری، استنبول۔

۸۔ مخطوطہ نمبر ۹۸۰، دایئہ ایک سوسائٹی آف ڈیال، کلکتہ،

۹۔ مخطوطہ نمبر ۱۹۱۵، لائبریری یونیورسٹی لائبریری، ایڈنبرا اسکالرشپ بورڈ

آئرنی نسخہ ۱۱۳۳ء آدنی میں جس سے اس کی ضخامت کا اندازہ

لگایا جاسکتا ہے۔

۱۰۔ رسالۃ حاشیہ۔ یہ رسالہ مولا الفضل اللہ نے حدیث حارث

کی تفصیلات دی ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے شیعہ فی خال کی ترقی
کے خلاف ہم کا بھی بالعمیل ذکر کیا ہے مولانا اس کا نام مخطوطہ مولا
رکنا چاہتے تھے لیکن شیعہ فی خال کے اراد پر اسے مسمان خاصہ بخارا
کا نام دیا۔ یہ کتاب تہران سے ۱۹۶۲ء میں دکن منوچر ہستورہ کی سعی و ترتیب
سے شائع ہو چکی ہے۔

۱۱۔ کتاب البطل نوح البطل و احملا كشف العاطل مولانا کی عربی زبان

میں ایک اہم تالیف ہے اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے یہ کتاب انھوں نے

مشہور شیعہ عالم علامہ حسن مہر علی کی تصحیح الحق کے رویے رکھی تھی۔ جس

دن یہ کتاب مکمل ہوئی تھی اسی دن شاہ اسماعیل صفوی کے عراقی ہم پر قبضہ

کی خبر فاضل مصنف کو ملی۔ اس کتاب کا بھی کوئی نسخہ آج تک دستیاب نہیں ہو سکا۔

۱۲۔ تاریخ عالم آرا شاہ اسماعیل مولا الفضل اللہ کی بہت ہی اہم تالیف

ہے جس میں انھوں نے سلطان یعقوب کے عہد کے واقعات علم و حکمت

جس میں اس کتاب کے دولتی نسخے ہمارے علم میں ہیں۔

۱۳۔ مخطوطہ نمبر ۴۴۳۰، تاریخ لائبریری مستاجل (۲۷۵۰ اوراق)

۱۴۔ مخطوطہ نمبر ۱۰۱، بیرونیہ کتب خانہ، پیرس، (۲۰۰۰ اوراق)

اس کتاب کے عہدہ چیدہ صفحات کا اگر کسی ترجمہ کنندہ نے ۱۹۵۰ء

میں ہر ذریعہ کر کے اپنی کتاب سے بہشتی ان اسے دئی ۱۳۵۸-۱۳۹۰

کے نام سے شائع کیا۔

۱۵۔ سلوک الملوک بلاشبہ مولا الفضل اللہ کی سب سے اہم تصنیف

ہے جو انھوں نے عبید اللہ خاں کی استدعا پر لکھی تھی۔ اس کتاب کے

پانچ نسخے ہمارے علم میں ہیں۔

- ۱۔ مناقب پر جمال دوستی
- ۲۔ شرح صحیح المسلم
- ۳۔ شرح مسالک علیہ علیہ عبدالحق بن عبدالحق
- ۴۔ حاشیہ بر جوشی شرح جدید
- ۵۔ حاشیہ بر تفسیر کفایت
- ۶۔ رسالہ مقاصد
- ۷۔ حاشیہ بر بحار
- ۸۔ حلی تجرید
- ۹۔ حاشیہ بر کتاب شرح موافق

رسالہ در تحقیق و انواع حدیث قدسی

زیر چارہ در حق کا مختصر سا رسالہ مولانا آزاد لائبریری ملی گڑھ کے مجبور محمد یحیٰ اعظمی (۱۹۲۹ء) میں معزز قلم سے اور چاروں ایک سری ناقص معلومات کا تعلق ہے یہ واحد نسخہ ہے۔ اس نے میں نے مناسب بھی کہ مولانا کے حالات کے ساتھ اسے بھی شائع کر دیا جائے تاکہ یہ محفوظ ہو جائے۔ رسالہ کا تمام مواد منقول ہے جس کی عمر کی عبادات بھی تحقیق میں ہی لکھی ہوئی ہیں۔ رسالہ قدر ہے کہ یہ خود ہے اس نے پڑھے میں ذرا بہت ہوئی ہے۔

الحمد لله الذي نزل القرآن، الحمد لله الذي كتبه باسحق الله سبحانه

کی تشریح میں لکھا تھا۔ اس کا کوئی نسخہ ہمارے علم میں نہیں۔ معجزانہ طور پر خدا میں اس کا حالہ موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۱۹۱۵ء سے قبل تحریر کیا تھا۔

۱۰۔ رسالہ در حقیقت و انواع حدیث قدسی مولانا افضل اللہ کے ہم دست کے اس مختصر رسالہ کا واحد نسخہ مولانا آزاد لائبریری ملی گڑھ میں موجود ہے جس میں انھوں نے حدیث قدسی کی اقسام ایک عزیز کے استفسار پر ذرا تفصیل سے لکھی تھیں۔ یہ رسالہ ۱۲۷۴ھ رذی قعدہ ۲۷ء کو رقمہ کریمہ میں سند مرتبہ میں درجہ تحریر میں آیا۔

۱۱۔ مولانا افضل اللہ نے سنی علی بن عیسیٰ اللہ علی کی مشہور تالیفات کتاب کشف الغمہ، کا ایک ضمیمہ تیار کیا اور پھر اس کی شرح بھی بدستی سے یہ کتاب بھی اب معزز درجہ میں ہے۔

ان کتب و رسائل کے علاوہ ان کا ایک فارسی اور ایک ترکی تفسیر معشائے سلاطین میں معزز قلم سے ان ضمیمہ میں انھوں نے سلطان سلیم ثانی سے استمداد کیا ہے کہ جس طرح سکندر نے ایران پر حملہ کر کے دارا کو شکست دی تھی اسی طرح آج ایران پر حملہ کر کے شاہ آصفی صوفی کو شکست دیں۔ مولانا کی یہ آرزو ان کی زندگی ہی میں پوری ہو گئی اور سلطان سلیم نے چالدران کی جنگ میں شاہ اسماعیل کو شکست فاش دے کر اس کے پای تخت تبریز پر قبضہ کر دیا۔

مولانا کی کتابوں کی درجہ گروائی سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے متعدد بار کتب کے علاوہ نوازا کرتا میں بھی تحریر کی تھیں۔ جو زمانہ کی دست ہر سے ہم کھسکا نہیں پہنچا پائیں۔

[illegible]

ترجمہ حدیث قدسی - اے بندگان من ، بہر شام را بیدگران کی کہن
را بنام اورا ، پس طلب راہ راست کنید از من کہ من راہ راست نمایم
استازا ، اے بندگان من ، بہر شام کہ سنہ اندر گر آئیں کہ من اطعام نہ نمایم
پس طلب اطعام کنید از من کہ اطعام نمایم شامٹ اے بندگان من ، بہر شام
خطائی کنید و در شب در روز من می آمزم گنہان را ، بہر پس طلب عرض

[illegible]

عنه مولانا صالحان مازنان اسیر باطنی و مولانا ملا حسین مازنامی در بیان ایشان است که فرموده
الهی، با ملاحظه ایشان خاص محمد و الهی

کنید از من که بیامزم شما را ، ای بندگان من شما می رسید بر سائیدگان گفت
 این پس تا گذر رسانید من دخی رسید بر سائیدگان گفت من تا نفع رسانیدم
 ای بندگان من اگر آنکه ازل شما دانش شما در حق شما باشند بر دل متقی ترین
 مردی از شما را بدست می گردانم در ملک من چیزی را ، ای بندگان من اگر
 آنکه ازل شما دانش شما در حق شما باشند بر دل ناخوش ترین مردی
 از شما کنم نمی گردانم در ملک من چیزی را ، ای بندگان من اگر ازل شما
 آخر شما دانش شما در حق شما باشند در یک زمین سوار پس بخوانید هر یکی
 از من آنچه مطلوب او باشد پس من بدم هر کس را آنچه خواسته کند که بخواهد
 از ملک من چیزی را الا آن قدر که میگیرد و اندر سوندن هرگاه که در دریا
 فروبرد ، ای بندگان من نیست این غلبه ای شما که من آن را شمارم و ضبط
 میکنم پس از این جزای آنرا تمام بشما می رسانم ، پس آنکس که می داند چیزی
 را باید که تلاش کند بر درگاه مرا و آنکس نیا بدیدگان پس باید که تلاشت
 کند مگر نفس خود را ، تمام شد و امتثال این نوع در احادیث تفسیر
 بسیار است ، نوع سیدم آنست که حضرت پیغامبر صلی الله علیه و سلم از
 جبرئیل علیه السلام در حدیث می کند و او از حضرت حق تعالی صل و علانیت
 میکند و از آنجمله است حدیث مسند سعید ابی بکر که در آنجمله از من
 علی رضی الله عنه فرمود که حضرت پیغامبر صلی الله علیه و سلم فرمود که حضرت
 جبرئیل علیه السلام فرمود که حضرت حق تعالی فرمود که لا اله الا
 الله حصنی فمن قالها دخل الجنة حصنی ومن دخل الجنة
 امن من عذابی یعنی هر که لا اله الا الله حصار من استقام پس آنکس
 که گفت آن کلمه را در در حصار من در کس که در در حصار من کن

گشت از عذاب من ، و امتثال او در احادیث تفسیر بسیار است ، نوع
 چهارم از احادیث تفسیر آنست که آنحضرت صلی الله علیه و سلم از منی ترین
 امتیاط فرموده باشد و در آخر حدیث آنست را با تشبیه آورده باشد و الله
 او در احادیث بسیار است ، نوع پنجم از احادیث تفسیر آنست که آنحضرت
 صلی الله علیه و سلم از امر و احکام الهی نسبت با امر سابقه یا از کتب امتیاط
 فرموده باشد از چهارمی احوال سابقان و در جای حکم کنشای الهی در شان
 ایشان را فرگرفته باشد و این نوع را هم از حد بسیار است ، نوع ششم آنکه
 آنحضرت صلی الله علیه و سلم حضرت حق تعالی را در واقع دیده باشد و در حدیثی
 ها که که یک چیز از اجزای نبوت است حضرت حق تعالی را با آنحضرت صلی الله
 علیه و سلم خطاب فرموده باشد و آنحضرت صلی الله علیه و سلم
 حکایت آن خطاب با من فرموده باشد و از آنجمله است حدیثی که در
 باب کلمات و آورده و از کتب صحاح موجود است ، این شش نوع است
 حدیث قدسی که از حد و شرا هم آن در احادیث بسیار واقع شده و اگر چه این
 محل ضبط نموده مجلدی کبیر تالیف باید کرد و علی حسب فیض الوقت این چند
 حدیث مکتوب شد بعضی از آن آورده گشت تا اطلاع بر ائمه آن بیشتر
 گردد ، و التوفیق من الله الاحد ، قیمت الرسالة سهون مؤلفها
 العبد مصل الله من روزهان اشتها و بخواهه مولانا اصفهانی
 بسنده الله اتقى الامانى فى الرابع والعشرين من شهر
 ذى قعدة سنة اثنين وعشرين و تسعمائة و قد كتبت
 فى بعض ليلة من الیالی والحمد لله على نيفه ، الكا مل
 ولطفه الشامل وفضله الحاصل بقصته كرمينه من

اعمال سفید سموتند و الحمد لله الواحد الاحد و
والجنت بالصلوة والسلام علی سیدنا محمد
صلی الله علیه وسلم۔
کاتب محمد باقر بن عبدالمجید، المشتہر بامر عرب، سفیر
شان و شہین و شعاع۔

—————

مبلیغ الرجال

مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں خواجہ عبداللہ
الحروف بکراچہ لکھنؤ کے خواجہ باقی باللہ دہلوی کی ایک کتاب درباری تصنیف
مبلیغ الرجال کا مخطوط موجود ہے، جس کا ہر صفحہ گولے یونیورسٹی
لکھنؤ میں نمبر ۱۰ کے تحت اندراج کیس ہے۔ یہ مخطوط ۲۰، اوراق پر مشتمل واحد
کافی حد تک کرم خرد ہے۔ اس رسالہ کا ایک اور نسخہ ایڈوانس لائبریری
لکھنؤ میں موجود ہے۔ جس کا ہر صفحہ گولے دہلی لکھنؤ میں نمبر ۱۱۱۱ کے
تحت اندراج کیس ہے۔ اس وقت تک اس رسالے کے ہی دو نسخے منظر عام
پہنچائے ہیں۔

مبلیغ الرجال کے سرورق پر یہ عبارت موجود ہے: رسالہ مبلیغ الرجال
میں مستفاد حضرت خواجہ بکراچی نے حضرت خواجہ باقی باللہ ۱۰۰۰ ہجری بمطابق
یوم ۱۱۱۱ھ ۱۰۰۰ ہجری بمطابق اسی طرح رسالہ کے اختتام پر یہ عبارت درج

نے مایکروسلیم دہلی سے مبلیغ الرجال، نسخہ گولہ، سرورق۔

اس رسالہ میں اکثر کتب ایسی ہی مرصع و مہرمانت موجود ہیں۔ مثلاً محمد بن ابی
کاؤر کہتے ہیں کہ خواجہ کلاں در نظر از میں :-

« انا ملک ولایت غرضستان در مشاغل سن شہر حرقی طلب
معرفت و کسب سعادت برگزیدہ ولی از دل و مالیت مریدہ ،
و از ناز و نعم دست انظار و درو یا نہای آن سرزمین گزشتہ
از آگاہیدہ بود و آنجا بطاعت و عبادت و ذکر و مراقبہ مشغول
نہویدہ »

اس کتاب کی تالیف کے دوران فاضل معنی نے منہج بنی کتب
سے استفادہ کیا ہے۔

مرآۃ المفاتیح، کتاب الاستبصار، مصباح الہدایہ، اصطلاحات
مفتاح الاغیور، معیار العلوم، کتاب التزییل، مشکوٰۃ الاثر، تنویر
العقد، اور شرح معروف۔

ان کتابوں سے استفادہ کے علاوہ فاضل معنی نے منہج بنی کتب
جذروں کے اقوال بھی اس رسالہ میں نقل کئے ہیں۔

ابو علی دقاق، شہاب الدین تبریزی، مولانا رومی، احمد رضا، محمد زکی،
عبد القادر جیلانی، شیخ عبداللہ بنی، ابن جوزی، ابن الاثیر، محمد بن ابی
ابراہیم، میر سید رفیع، شیخ عبدالرزاق کاشی، فردا الدین خلعت، حسین بن علی
صواعق، شیخ شہاب الدین مقبول، شیخ ابراہیم کاشانی، شیخ ابو محمد جری،
عزیز الدین محمد بنی، علاء الدین کاشی، خواجہ غیاث الدین مقصود کا درویشی،

ہے۔ وقد فرغت من ترویج هذا العجالة مست وستين
بعد الف ١٠٦٦
ثان درویش محمد بن کلاں نظر رکھتے ہوئے ہم یقین کے ساتھ
کہہ سکتے ہیں اس رسالہ کا سال تالیف اور سال کتابت ایک ہی ہے مگر
مصنف کے نام سے پہلے حضرت بہتربہتہ ترقم یہ یاد رکھئے کہ
یہ رسالہ فاضل معنی کی کاغذ پر کرو ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ
کاتب نے اسے سال تالیف ہی میں اصل نسخے سے نقل کیا ہے۔

مولانا عبدالحی نے نزہۃ الخفا میں خواجہ کلاں کی تالیف کا
ذکر کیا ہے لیکن ان میں مبلغ الرجال شامل نہیں جس کی ایک کتبہ جو ترقم
ہو سکتی ہے کہ اس رسالہ کے خطوط تالیف میں اور دوسری وجہ یہ بھی
ہو سکتی ہے کنگھی دوسری کتاب میں اس رسالہ کا نام دیکھئے میں نہیں آیا،
اس نے مولانا عبدالحی اس رسالہ سے بے خبر تھے۔ اس رسالہ کا نام مبلغ
الرجال عبارت کے درمیان میں بھی موجود ہے اس نے اس میں شک نہیں
کہ یہ رسالہ اسی نام سے موسوم ہے

فاضل معنی اس رسالہ کی ابتدا بول کرتے ہیں۔ الحمد للہ علی ما حقنا
علینا بالارشاد الی مسود السبل والصلوة والسلام علی سیننا محمد
والجید۔ گرجہ نہر مراد و خرمندہ از کردار تہا سرا پا گناہ خاندان و خواجہ آملی سبط
آل امی عبدالمستدر الدین الراولت خواجہ محمد الہاکی تدریس مراد، احقر عبد اللہ
سامہدہ اعلیٰ سجادہ

تہ الیاف۔ ورق کثر۔ تہ نزہۃ الخفا و منہج بنی کتب و خواجہ عبد اللہ کلاں
تہ الیاف۔ ورق ص ۱۴۱۔ تہ مبلغ الرجال۔ ورق ص ۱۴۱۔

وصل اول: فلاسفہ کا کہنا ہے۔

واجب الوجود موجب علم است، عالم از ذات او صادر شدہ چنانچہ
شعاع از قوس، و در جو معلول از علت پس تا قوس آفتاب
جو شد شعاع آفتاب، و ذکر الحکم فی وحدۃ و العلول، دی گویند
کہ اول چیز سے از باری تعالی صادر شد جوہری فرد، نامکمل
جوہر عقل است اول، و اپنی بر اصل اپنی حکمت است کہ
انہ لا وجود لمن الواحد الا الواحد، پس از باری
تعالی کہ احد حقیقی است، و احد حقیقی صادر شد و کان عقل اولی
است۔

فلاسفہ کا یہ خیال ہے کہ اسی عقل سے روح و نور، جوہری بریکائی
عزرائیل اور اسرافیل پیدا ہوئے، اور اسی سے لوح و قلم، بیت اللہ،
بیت القیوم، و بیت الاولیٰ اور سیدہ اعلیٰ وجود میں آئے۔ پھر اسی
عقل سے آدم، ملک مغرب اور عرش عظیم نمود میں آئے، اور جو کہ
بھی معرض وجود میں آیا ہے، یہ جملہ اسمیٰ ابن عقل اللہ۔

اس کے علاوہ فلاسفہ یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا کے علاوہ جو کچھ بھی ہے
وہ یا تو جوہر ہے یا عرض فلاسفہ کے ان اقوال کی تائید میں کہ پائے ہر
غزل، و الرذائق، شباب الدین نور شہتی، مولانا مدنی، محمد عزرائیل جہانگیر علی
عبد القدی باغی، ابن الاثیر، ابن زری، اور عین القضاۃ مہدائی کے اقوال عقل

کے ہیں۔

وصل دوم: خواجہ کلان نظر ازہیں کہ علماء متکلمین کہتے ہیں۔
"اول چیز سے کہ از دریا کے عدم بساغل و جوہر سے جوہر
اپنی جوہر سے طباقاً و دو شاخ شد، شاخے از ان ہر سدا عالم
اصاح است و شاخہ بعد از عالم اجسام، سدا عالم اشباح
و زبان شرع مانو خواہ شد۔" وجعلنا من الماء کل شیء
حی و متولد و منوٹ۔

متکلمین ہیں ایک گروہ ایسا بھی موجود ہے جس کا یہ خیال ہے کہ سب
کے پہلے خدا نے جوہر خاک پیدا کیا اور اس کے واسطے سے دوسری چیز
پیدا کی۔ مثلاً اس نظریہ کی تائید میں بھی خواجہ کلان کو عین القضاۃ مہدائی
نور احمد عزرائیل کے اقوال مل گئے ہیں۔

وصل سوم: اہل وحدت کا یہ خیال ہے کہ جوہر ایک سے زیادہ
مہیں ہو سکتا، اور اس درجہ سے ان کی مراد وجود باری تعالیٰ ہے۔
یہ ممکن نہیں کہ باری تعالیٰ کا وجود کوئی "جوہر" ہو کہ نہ کما حقہ۔ اہل وحدت
کہتے ہیں کہ اس کا ایک وجود ظاہری ہے اور دوسرا باطنی، اور یہ باطنی وجود
نور ہے اور یہی نور جان عالم ہے اور اسی نور سے یہ عالم مالا مال ہے۔
ان کا یہ کہنا کہ "ظہار دین وجود مظاہر صفات عین نورانہ۔ ہر اکے و صفے
و صفے کہ در عالم است جملہ اسمیٰ و ضائع ان پر نور وجود است۔"

مثلاً ایضاً، حق = است مثلاً ایضاً، دق = حق
مثلاً ایضاً، دق = حق ۱۳ است۔

مثلاً ایضاً، دق = مثلاً ایضاً، دق = است
مثلاً ایضاً، دق = حق

خوہد کوئی شیخ محی الدین اکبر ابن عربی کا نظریہ وحدت الوجود بیان کرنے کے بعد نظر آئے ہیں کہ اس نظریہ پر حضرت مجدد العت ثانی نے تصرف کیا ہے۔ حضرت کا یہ فرمان ہے کہ۔

عبودیت مقام عدم ذاتی و اعتیاج است کہ میں حقیقت اس کا تہ است۔ پس ہر کہ خدا پر مقام مذکور نگاہ و اوران معارف حضرت ابی نعیم بہر تہا بدر۔ و این مقام سلباتی عدم غیبت است۔ پس اہتمام ورا کثرت عبادت با وجود حصول کمال حقیقی سبب از دیدہ کمالات کمال وجودی شخصی آید پس التزام بدان لازم باشد۔ بالجہ احکام وجود شخصی را با کمال وجود جمیع دانش قدم ایجاد است۔

اسی وجہ سے حضرت یہ فرمایا کرتے تھے کہ منبتیوں کا قول و فعل غیبت سے اقرب ہوگا۔ ایک دوسرے کو شیخ پر حضرت مجدد العت ثانی فرماتے ہیں کہ جس قدر عارف کا پایہ عبودیت بڑھے گا، اسی قدر کلمہ عرفان رفیع تر ہوگا۔ آپ کا یہ بھی قول ہے کہ جن میں مقام عبودیت پر استقامت ہوگی انہیں کو عبودیت کی تعلیم سے بہرہ ملے گا۔ اور یاد رہے کہ یہ مقام انبیاء و علیہ السلام کا تھا اور حضور سرور کائنات مقام عبودیت میں ان سے آگے نہ گئے تھے۔

فصل چہارم:۔ خوہد کوئی نظر آئے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد توحید کے موضوع پر گفتگو ہونے لگی اور توحید

اہل وحدت و جماعت نے کہا ہے کہ حقیقت ازل کلمہ بحر و بحر بی حقیقت۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ کلمات وحدت کی حقیقت اسی ذات کی تجلیات ہیں۔ اہل وحدت کہتے ہیں کہ ہر صوبہ ہادی ملی حق اللہ کہ حق تعالیٰ خود را با این صوبہ تباہا ہرگز رائدہ است۔ اس نظریہ کی تائید میں خوہد کوئی نے صوفیہ سرمد میں سے میر سید رفیع، امام غزالی، شیخ شہاب الدین مقنونی، ملا حسین کاشفی، خواجہ عیاض الدین مہمند و کازرونی، حسین بن منصور حلاج، شیخ عبدالرزاق کاشفی، فرید الدین عطار، ابوالحسن لیسلی، احمد الدین کرمانی، شیخ ابراہیم کاندیری، اہل بن عبداللہ قسری، شیخ ابو محمد برکی اور سید الدین محمد غفری کے حوالے دئے ہیں۔ مزید برآں آپ نے حضرت ملی کرم اللہ وجہہ کا بھی ایک قول نقل کیا ہے۔

یہ سب کلمے کے بعد خواجہ صاحب نظر آئے ہیں کہ علماء و شریعہ و تہذیب و اہل کلمات ابن طائفہ یعنی صوفیہ موجودہ اعتراضات سے اس کے بعد آپ نے خود ہی صوفیہ موجودہ پر اعتراضات کئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا کلام غلاب نہایت غریب ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اس بکھرے میں نہ چڑتا لیکن حضور کی ایک حدیث یاد آگئی ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:-

السکک عن الحق شیطان اخفوس
لہذا میں ان کے اقوال کے جوابات دینے پر مجبور ہوں۔

ملکہ ایضاً
ملکہ ایضاً، ورق، مہ العت
ملکہ ایضاً۔

ملکہ ایضاً، مہ العت
ملکہ ایضاً۔

اور توحید صفاتی پر لوگوں کی زبانیں کھٹے لگیں۔ اسی طرح چپ قریں
اور لغو بعض کے مریضوں کی رکبت آئے تو حضرت اوس قرنی اور حضرت
حسن بصریؒ سے کہ سید العالمہ حنیدہ بغدادیؒ تک رائے زنی کرنے
لگے پھر کچھ اور زمانہ گذرا تو توحید صافی اور توحید حق پر مناظرے ہونے
لگے اور محبت و انس اور محبت و صلہ پر بھی گفتگو ہونے لگی۔ انہی ایام
میں ابن العربیؒ بھی میدان میں اُٹھ آئے اور وحدۃ الوجود کے موضوعات
پر مدخل کھینے لگے۔ اس کے بعد محمد تمکین صوفیہ کا تکیبہ۔ اس موقع پر
ہر بات ذہن نشین رہے کہ محمد تمکین کمال منزل درجات سے اور کچھ
اسے تصور استدلال و بشری تجلیات ذاتیہ کے نام سے بھی تعبیر کرتے
ہیں۔

خوہر کلافت مزا سے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ
”نہایات الصدیقین احوال الانبیاء اور اس کی تشریح وہ لیل
کیا کرتے تھے کہ اگر احوال الانبیاء کو ایک پانی سے بھری مورتی مشک سے
تشریح دی جائے تو نہایات الصدیقین کی مثال اس زاریت میں ہوگی
جو مشک کی سطح پر کھائی ہے۔ یعنی قطرہ آب بھی نہیں غالباً حضرت
بایزیدؒ کے اسی قول کو پیش نظر کر کے ابو العباس ابن عساکرؒ نے
یہ کہا تھا۔

ادنیٰ منازل المرسلین اعلیٰ مراتب الانبیاء

ادنیٰ مراتب الانبیاء اعلیٰ مراتب المرسلین

لے ایضاً، حق مے بے ایضاً، درق مے

ادنیٰ مراتب المرسلین اعلیٰ مراتب الشہداء

ادنیٰ مراتب الشہداء اعلیٰ مراتب المرسلین

ادنیٰ مراتب المرسلین اعلیٰ مراتب المرسلین

خوہر کلافت جناب ابوبکرؓ کا ہانڈی کی تسبیح شعور کے حوالے سے
بفضل مزا سے ہیں کہ اس پر اولیاء ارشاد اجماع ہے کہ خواہ کوئی کتنا بھی
بند پایہ اور تومی نای کیوں نہ چھوہ انبیاء کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ ایک
دوسرے موقع پر شیخ شہاب الدین سعید ربکؒ خوہر زاوۃ سلطان فیروز
تقی کے رسالہ تنزیہ العفائن کے حوالے سے یہ لکھتے ہیں کہ ہر

”نبوة صفة اسما مخصوص کہ یافتہ نشود مگر در انبیاء و ہمشل
نطق و لسان۔ و در مرتبہ صفت است کہ یافتہ می شود و انبیاء و ہمشل
مثل حیوة کہ شاملست و انسانی و حیوانی را۔“

خوہر صاحب اس جگہ مفتاح الاسرار کے حوالے سے لکھتے ہیں
”کشی سمار الدین ابراہیم کا پتھری کا بھی بچی قول ہے۔“
فضل در بیان مذهب صلاحدار۔

لاحذ وہ رنگ ہیں جو عالم را مہر و یا اعتبار میدا اند و ترتیب انہا
و عقاب برعل و کردار اعتقاد کنند۔ اس گروہ خدیہ میں مفسر یہ کہ کبیرہ
موسطایہ اور موجدہ شامل ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ کچھ زمین میں
جوڑ گے وہ الگ آسے گا۔ اور اس کے آگے میں قدرت کو کوئی دخل نہیں

لے ایضاً، حق مے بے ایضاً، درق مے

لے ایضاً، حق مے بے ایضاً، درق مے

بلکہ یہ عمل تاخیر کو اکب و عناصر کے تحت ہو گا۔ یہ لوگ مبداء و معاد کے مسائل کو دل نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص مرے گا وہ گمراہی کی طرح ضائع ہو جاتا ہے۔

یہ لوگ قرآن پاک کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف سمجھتے ہیں اور ان کا یہ کہنا ہے کہ احکام شریعت اہل راے نے لکھے گئے ہیں۔ ملاحدہ نماز کا مذاق اڑاتے ہیں اور جب کسی کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ خدا کو کساں پر ماننا اور سرزمین پر رکھنا بھی بھلا کوئی دانائی کا کام ہے۔ جب یہ لوگ حجاج کو مصفا و مدینہ کے درمیان سہی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ہاں ہوں نے کیا گم کر دیا ہے جس کی تلاش میں یہ ادھر ادھر کر رہے ہیں۔ قریبا فی کے جانفروں کو دیکھ کر یہ سلاخوں سے کہتے ہیں کہ ان بے گناہوں کو کیوں مارتے ہو۔ ماہ رمضان کا نام آج ہوں نے ماہ گر سنگی لٹکی رکھا ہوا ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ جو قطرہ آب انسان کی خلقت کا سبب ہے۔ اس کے باہر نکلنے سے غسل کیونکر واجب ہو سکتا؟ حالانکہ اسی ماہ سے پیشاب و بول کیوں زیادہ گندہ ہے، نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح بر لوگ ماں بہن کی حرمت کے تعلق نہیں ہیں، یہ گندہ نقیات کا شکر اور عقبات کا دامن ہے اور پر اسلامی شعار کا مذاق اڑانا اس کا بہترین شغل ہے۔

ملاحدہ کا طریقہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک ندیم ابراہیم

زندقہ سے شروع ہوا۔ اس ملائکہ کی اجلاوی ہوئی کہ ابراہیم زندقہ کے بل پر برس منوار ہوئی قربانی اسرائیل نے اسے جلاوطن کر دیا اور وہ ایران چلا آیا۔ جہاں گشتا سب بن ہوا سب نے اسے اپنے مال بچاؤ کی شے ایران میں قیام نے دوران اس نے عوام کو تلمیذ زندقہ و باجعت سے روشناس کرایا۔ اکابر ایران کی سرپرستی میں اس طریقہ کی ایران میں خوب ترسک ہوئی۔ جب یہودیوں کی ایمانی میں آمد و رفت شروع ہوئی تو وہ مجاہدین ابا جعت سے روشناس ہوئے۔ یہودیوں نے بھی اس سرزمین سے یہ فیض پایا اور ملکائے اشراق اور ملکائے مشائخ بھی ایران میں رہتے ہوئے آئین زندقہ و باجعت سے اثر پذیر ہو گئے۔

جب نو شریعت تلمیذین ہوا تو اس نے اپنے والد کی وصیت کے مطابق زندقہ اور باجعت کا تبلیغ شروع کیا۔ اسی کے بعد سدرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور حضرت عروضی اللہ عنہ کے جہد میں ایران پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ امیر المومنین حضرت علی کو اللہ وجہ کے زمانہ خلافت میں۔

عبداللہ بن سبا و در لباس تبلیغ محمد کان مذہب نامہ انگشت دگر و باگہ مردم از اہل کوہ و دہرہ و مصر و بین بنا و استغنی گشتار و از پذیرفتہ و بظاہر خوشنیت را شہید آل محمد کو باغ و بہار و فرساد و برقی متین اسلام کو شہیدند و نقتہ ہذا تا ابد

تہ ایضاً۔

تہ ایضاً۔ و تہ ایضاً، و تہ،

از نفوس طیبہ و با و عز الی فتد و نسا و نا جو و ہر ہندہ

مفسرہ مد علی نے ان میں سے بہتوں کو حرم رسد کیا۔

ابوالباس السلف اور ابو جعفر صفور کے عہد میں مزوک نامی

ایک شخص نے دوبارہ بھی فتنہ کھڑا کیا اور بھدی و پارسی کے زمانے میں کثرت کے ساتھ لوگ گمراہ ہوئے۔ ان پر نثار واکرنا اور نثار جاپ کرنا گمراہی گزرنے لگا۔ اسی طرح مہر مگر ما میں روزے رکھنا دیکھ ہوا۔ اور ایسی نکتہ بھی ان کو شکل نظر آنے لگی۔ اس دور میں ان علامہ کے زہرا اثر اتباع خواہش و زنا اور شراب کو فروغ ہوا۔

عہد بھدی میں سر قذیب عید اللہ ابن الصنع نے دعویٰ الوہیت

کیا اور مسلمانوں کے خلاف فوج اکر اٹھا۔ وراٹھا قہ سے اس کے خلاف

ایک لشکر جو اچھا لگا جس نے اس کے متبعین کی اکثریت کو مجرم واصل کیا۔

بھدی و سبادی کو خدائے تعزین عطا فرمائی اور اُمّوں نے علی الوہ

نقد و الحاد کو دیا یا۔ ہمدون الرشید کے آخری ایام حکومت میں فتنہ

نے دوبارہ سر اٹھایا اور اس بار دوسرے عرب اور لوگ عجم بھی گردہ

علامہ میں شامل ہو گئے۔ عباسیوں کے اکثر زہر اسی گردہ سے نفوذ

رکھتے تھے۔ اس زمانے میں زہر و الحاد کی ہوا کچھ ایسی مچی کہ اکثر شاہی

بھی گمراہ ہو گئے۔ اسی میں سے یعقوب بن اعیلیٰ بن عبد الرحمن بن عباس

بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس نے

اپنی بیٹی کو بھلی کر دیا اور اسی وجہ سے وہ عوام میں زہر فتنی کے لقب سے مشہور ہوا۔

انھوں نے عہد خلافت میں مالک نامی ایک رومی نے مذہب الحاد

کا پرچار شروع کیا۔ غیبت نے اس کے مقابلے پر پہلے درجہ لکھ روڑ کے

تہ نہیں اس کا زور دیا۔ ضعیفہ المتکلم کے عہد میں قرامطے سر اٹھایا۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر لوگ جلا و طواق اور مذہب قایلین ہو گئے۔

انھوں نے حماد کے قاتلوں کو روٹنا اپنا شعار بنایا اور ان کی حرابت

بہاں ملک بڑھی کہ وہ بیت اللہ سے حجر اسود بھی اگھا کر کے لے گئے۔

اس زمانے میں باطنی فرقے کا عہد مہر، یہ لوگ خود کو شیخ اعیلیٰ بن جعفر

صادق بگلاتے تھے۔ انھوں نے کچھ باطنی تو مجرم سے انھیں اور باقی

اعوام علامہ سے مستعار لئے۔ انھوں نے باطنی تعلیم کے بہانے احکام

شریعت ساقط کر دیے۔ ان کے طریقے کا کسی نے ان اتفاق میں کیا

خوب تجزیہ کیا ہے۔ ظاہر مذہب شیعہ باطن مذہب الحاد و کفر ہے۔

لہذا میں خدا نے شیخ حماد انصافی کو توفیق دی اور اس نے قرامطہ

کا خاتمہ کیا۔ اسی طرح سلطان محمود غزنوی نے بھی تائبانہ دینی سے

ان پر مزید کاری لگائی۔ ایران میں دیا لہنے بھی بس شیعہ میں سر

اٹھایا اور اپنے نذر میں الحاد کو فروغ دیا۔ وہ بھی سلطان محمود کے

ہاتھوں ذیل و ظہر ہوئے۔

کے ایضاً، دوق ۷۸، الف
کے ایضاً، دوق ۷۷، الف

کے ایضاً، دوق ۷۶، الف

کے ایضاً، دوق ۷۵، الف

اُسے بھروسہ کیا تو وہ ایک تودانہ لگا جو تھیں۔ اس نے ہاتھ بٹھا کر اس کا جگر کو پکڑ لیا اور وہیں بیٹھے بیٹھے اُسے کھا گیا۔ اس کے بعد وہ ہر روز وقت مقررہ پر دمنوں کے لئے مذی پر پہنچتا اور ایک بقی ہوئی گا جو اس کی طرف آتی اور وہ اُسے پکڑ کر کھا لینا۔ وہ اس پر غصہ تھا کہ خدا نے اس کے سنی کا اس طرح انتظام کر دیا ہے۔

محمود بنواری کو گا جو اس نے کھاتے ہوئے دروازہ گزر گئے تو اس کے دل میں یہ بھی ایک خیال آیا کہ دیکھنا تو چاہیے کہ یہ گا جو اس کہاں سے آتی ہیں۔ اگلے دن وہ وقت مقررہ سے پہلے مذی پر پہنچا اور پانی کے بہاؤ کے خلاف چل پڑا۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ اس نے دیکھا کہ ایک ہمہ نہ خدمت مذی کے کنارے بیٹھی۔

نزد کے را در محل مخصوص خود میفرستد وی برآورد و ملاحظه
نیک بدای علی قیام کند، چوں از کار پر واداشت و آتش زدند
او در نشست آبی زد و کار را در آب از دست فرو برد

محمود نے دوسرے راہر آکر دیکھا تو خدا کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ اے خدا تو اپنے مخلص بندوں کو ایسی چیزیں کھاتے کو دیتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد وہ اس قدر دل برداشتہ ہوا کہ وہ اسلام سے ہجر کر گیا اور اس نے اتحاد کا یہ ہمارا شروع کیا۔ اس نے اپنے عقائد پر تیرہ رسالے لکھے جن میں سے پہلا جو کہ "سب سے گیا گندہ" ہے، مغلائی کہ دی و در آجنا خود گوش از شنیدن آن قیام کند، اس ملعون کے مذہب کے

تھے ایضا۔ در حق صلی

اتقائے مذہب میں اسامیہ نے جو اس دیار میں عیسائیہ کے نام سے معروف ہیں، تہرا ز حالت گناہی برداشتہ۔ وہ کچھ تو خیر مسلمین صلاح الدین الہوی کے ہاتھوں پر باد مہیے اندلیقہ کو سلطان بخت نے تہ تیغ کیا۔ اس کے بعد محمود بنواری نے مذمت دالہ کا پرچا شروع کیا۔ اس کی موت کے بعد اعلیٰ سوسال تک اتحاد کا نام ملنے میں نہ آیا۔ اعلیٰ صفی کے تحت تین چوتھے ہی مذمت دالہ میں از سر قلم بن چکے ہیں۔

ہندستان میں مذمت دالہ کا آغاز اس طرح ہوا۔

دور بادشاہی سلطان مظفر الشاہی جلال الدین محمد اکبر بادشاہ
ماد ظلال اللہ عنہ شیخ ابو الفضل ناگوری بھارت میں خسارت قریب
را در ملک سندھستان گز و در گزشت محمود بنواری و شیخ
ابو الفضل ناگوری چون براتنی گوش آشنائے مردم نیست
و نیز در تاریخ کما بنی تھا شہ نصہ ابن کترین درین محل
ثبت می نماید۔

محمود بنواری خود ہندستان کے ایک موضع پیرخان کا رہنے والا تھا۔ وہ جوانی میں طلب حق میں گھر سے نکلا۔ اس کا یہ معمول تھا کہ وہ آگیا باہر عبادت و مراقبہ میں مشغول رہتا اور دنیوی کے سچے اور کھاسی کھا کر گز بسر کرتا۔ ایک دن وہ ایک مذی کے کنارے بیٹھا دھون کر رہا تھا کہ اُسے پانی میں کوئی چیز مبتی نظر آئی۔ جب دھون اس کے قریب آئی تو اس نے

تھے ایضا۔ در حق صلی

۱۰۰۰ ہر صحران مشرب و مذہب شعائر وقت عجمی ساختہ کہ لوگ وادراہ
عصر دہان مذہب رغبت بہداشتہ و شایہ اسلمی شخص کے لئے کسی
لے کہا ہے ۔

چلزم اور حکر مہا جو دھری

شیخ مہلک کو سلطان ابراہیم لوی کے عہد میں کٹر سنی سمجھا جاتا تھا
مہروردی کے عہد حکومت میں لوگ اسے ہمدیوں کے زمرہ میں شمار کرتے
تھے ، مہادیوں کے شمار حکومت میں وہ خود کو تشنہ بنی صوفی ظاہر کرتا تھا ۔
اکبر کے عہد میں وہ مشرب اباحت پر کار بند اور صلہ کل مینے کا دعویٰ کرتا تھا
شیخ مہلک کی طرح اس کے نزدیک ذوالفضل میں بھی استقلال نام کو تھا ۔
خواجہ کلانی کو نظر انداز میں دل بالکل دیکھ دین وقت قرار دیتی گرفت ۔ اس
نے عجمی و اندرائی و ہمدیوں سے مذہب کے متعلق معلومات حاصل کیں اور
انھیں سے کہہ کر کہ وہ بار میں حاضر ہوا ۔ وہ اکبر کی صحبت کو اپنے لئے ناپید
نہیں سمجھتا تھا ۔

ذوالفضل نے شامی فراہم بیچ کر دنیا بھر سے دوسرے مذہب کی
کا میں حاصل کیں اور ہی شوق میں تنہا و شانس ، لیکن نا تھ اور سونا تھ

۱۰۰۰ ایضاً ، دقت ۳۳ الف و خواجہ ہادی افسانہ کے افعال کے وقت خواجہ کلانی
بھی اپنے ہی تھے ، اس لئے ان کی حریت خواجہ ہمدی کے فیض خواجہ حسام الدین
لے کی خواجہ حسام الدین کی اہلیہ شیخ مہلک کی بیٹی اور بیٹی ذوالفضل کی بیٹی
تھیں ، اس سے خواجہ کلانی کی اس خاتون کے متعلق روایات بڑی وزنی
(۱۰۰۰)

۱۰۰۰ میں سے شریف آملی اکبر کے عہد میں ہندوستان آیا اور ذوالفضل
کا دوسرا مسند بنا ۔

شریف آملی کا شمار ملاحہ میں ہوتا ہے ۔ وہ کسی زمانے میں پنج
میں مولانا محمد زہد پور کو بخود ہی طرح حسین خوارزمی کی خانقاہ میں قیام کے
ارادہ سے آیا لیکن سبب انھیں اس کے عقائد معلوم ہوئے تو انھوں
نے اسے اپنی خانقاہ سے نکال دیا ۔ پنج سے نکل کر وہ دکن چلا آیا اور وہاں
اپنے عقائد کا پرچار کرنے لگا ۔ دکن میں لوگ اس کے قتل کے دہچکے
ہوئے تو وہ شمالی ہندوستان چلا آیا ۔ کسی نہ کسی طرح وہ اکبر کے حضور میں
، بار بار ہوا اور پہلی ہی ملاقات میں اس نے " حر نہائے نامہوار " کہے
جو بادشاہ نے پسند کیے ۔ اکبر نے اسے ہزاروں منصب دے کر اپنے مقربین
کے زمرہ میں داخل کر لیا ۔ وہ عجمی و ایرانی کے فتنہ قدم پر چلتے ہوئے جنگل
میں گونگ کو مراد بجا رکھ کر ، ذوالفضل کے اجتہاد کا نتیجہ تھے ،
تفتین کیا کرتا تھا ۔ اس نے بھی بجز و کو کوئی کی طرز پر معاملات پر مشتمل
ایک کتاب بھی لکھی تھی ۔

شیخ مبارک ناگوری کا مشر و دانشمند ملوں " میں ہوتا تھا اور
اور وہ سید رشید الدین شیرازی کا شاگرد تھا ۔ شیخ مبارک کی شادی لاڈلو
سے ہوئی جس کے بعد سے یعنی ، ذوالفضل ، ابو الخیر ، ابو الکلام اور
ابو البرکات پیدا ہوئے شیخ کے مذہب کے متعلق خواجہ کلانی کو نظر انداز

۱۰۰۰ ایضاً ، دقت ۳۴ الف

۱۰۰۰ ایضاً ، دقت ۳۵

یہ بھی فرمایا کہ مجھے بہت افسوس ہے کہ ہمارا فی طریقہ وحدۃ الوجود
ماہر است و وسیع درواہ توحید نسبت با آن شاہراہ کو چہ تنگی بیش نیست
اس خیال سے کہ طریقت کے بعض مقامات اور ان کے احوال و عام کے
فہم سے باہر تری، آپ نے حضرت محمد العتباتیؑ کی تعریف فرمائی تھی۔
انگریزوں کی رائے بطور علماء کا یہ رائے بطور صوفیہ و اگر اچھا نا بدلو ہو
گفتہ شدہ، افغانی گراہیکہ جز خفا غلبت بقیۃ مشائخ و دیگر سے
نقد و از آنجا چہ نری فراگیر و کہ موجب ذلت و ہنوت وی ہند
و اگر حضرت محمد العتباتیؑ اس نصیحت پر عمل پیرا ہوئے اور اپنے مکتوب
باز و ہم کی اشاعت نہ فرماتے تو انھیں گواہ یا میں مذمت پرستی کی پردہ
نکرتا ہوتی ہا۔

خواجہ کوئی رائے نہیں کہ ان حقائق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام
میں جو خرابیاں پیدا ہوئیں وہ دہریوں، طبعیوں، اسماعیلیوں اور بابائیوں
کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔ اب حضرت بادشاہ دہلی چاہا، امام السلطنت
والسلطین، و قطب المواقین نہار زمان و زمین، و بادشاہ عالم علیین
کرسس قواعد العقول والداد، واقع احکام الملک، و جامع بلیان الحاد
زبدۃ الدہر و مجتہد العصر الاسلام، عند قری و ملحق برمان علی، انجم شرافت
الرزق و الشاہین، و رئیس بازخ لاہلی معرفت و البقیین، و محل الخلق
الراشدین، و منبہ ابرسید المرسلین، و علی اللہ العلیل، امیر المؤمنین و حاجت
نہائی، شہاب الدین محمد شاہ بہمان بادشاہ الحال اللہ عمرہ کو حکما سے نکل

بھی کتابیں لکھوائیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے اس کی حیرت میں خلل
ہوا اور وہ نہ صرف یہ کہ دہریہ سماج کے اس سے بھی آگے بڑھ کر اس نے
اباحیت میں قدم رکھا۔ اخلاق کے معاملے میں وہ کتب مکملہ کو ختم
رکھنا تھا۔ ابراہیم نے ایک کام اور کیا وہ یہ کہ درنگ اپنی مقنع
خوبیت مذکور کلیہ و دہنہ را بطرہ خاص تحریر نمود و در مقام تحقیق و
استنباط حکایت و اسرار نزد خود افزود۔ سو کھریفتہ کی یہ تمام منافی
اس نے خورے کہیں اور اس کے بعد خلیفہ آئی سے ملا اور خوب کلمہ چلا
اور بالآخر بادشاہ زادہ عالمیان ولی محمد نور الدین محمد جہاں گیر
قتل ہوا۔

خواجہ کوئی ایک موقع پر کہتے ہیں کہ عوام کی گراہی کی ایک وجہ یہ بھی
ہے کہ جو ستاک اور بادشاہ لوگوں کا ایک گروہ لغوی کی مخالفتوں
میں آتش و زناں پشاکر رہا ہے جس کے کلمے سے فساد کی قوت
نہم و اور تک میں لغت پیدا ہوتا ہے اور وہ ادوی الحاد میں جانتے ہیں۔
بسا اوقات لوگ صوفیوں کی تحریروں کو پڑھ کر یا ان کے وعظ و
جاوہر نصیحت سے دھندل جاتے ہیں۔ خواجہ کوئی فرماتے ہیں کہ میرے
والہر زنگہ کو اور خواجہ آقا محمد الہائیؑ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی بعض باتیں
میں وحدت الوجود کے مسائل پیش کئے ہیں۔ اب میں سوچتا ہوں کہ۔
انہی تصنیف خوب واقع نشہ است ایسی ضمن میں آپ نے

لکھ ایضاً، و حق سبحانہ و تعالیٰ ایضاً، و حق سبحانہ

و تعالیٰ ایضاً۔

لکھ ایضاً۔ سبحانہ ایضاً۔ و حق سبحانہ و تعالیٰ ایضاً۔

احسن الاقوال کی تاریخی اوسماجی اہمیت

مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں حضرت برہان الدین غریب کے ملفوظات پر مشتمل احسن الاقوال کے عنوان سے ایک ۴۰۰ صفحوں پر مشتمل اس ملفوظ کے ۷۹ ورق ہیں اسے ۳۸ روپے ۱۳۲۷ء میں حضرت برہان الدین غریب کے ایک مرید جلیل عماد کاشانی نے مرتب کیا تھا۔ موجودہ دور کے تاریخ دانوں کو قدیم موشن سے یہ گوارہ ہے کہ ان کی کبھی ہوئی تاریخیں صرف سلاطین اور بادشاہوں کے گرد گھومتی ہیں اور ان میں سے بعض تدبیریں توشاہی دربار کا روزنامہ بن کر رہ گئی ہیں ان موشن نے عوام کی ذہنی اور سماجی حالت کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اس کی کو صوفیہ و کرام کی خفاہیوں میں مرتب ہونے والے ملفوظات نے کافی عیب پورا کیا ہے اسی سلسلہ میں قرآن و سنتی کے خفاہی نظام اور صوفیہ اور عوام کی سماجی اور تعلیمی زندگی پر جس انداز سے ظلم اٹھایا گیا ہے، اس کی نظیر اور کسی بزرگ کے ملفوظات میں نہیں ملتی۔

اور فلاسفہ تائبند ہیں اور اسی وجہ سے طریق بھی اس سے مختلف
و تر سال پہنچتے ہیں۔
آج میں خواجہ گلشنِ نقطہ لاد ہیں کہ ان دنوں آئینہ متقی کم رہ
گئے ہیں جو دین کی علم خواری کریں اس نے بادشاہ سے کہو کہ وہ
یہ کام کرے۔

22-23-24-25-26-27-28-29-30-31-32-33-34-35-36-37-38-39-40-41-42-43-44-45-46-47-48-49-50-51-52-53-54-55-56-57-58-59-60-61-62-63-64-65-66-67-68-69-70-71-72-73-74-75-76-77-78-79-80-81-82-83-84-85-86-87-88-89-90-91-92-93-94-95-96-97-98-99-100-101-102-103-104-105-106-107-108-109-110-111-112-113-114-115-116-117-118-119-120-121-122-123-124-125-126-127-128-129-130-131-132-133-134-135-136-137-138-139-140-141-142-143-144-145-146-147-148-149-150-151-152-153-154-155-156-157-158-159-160-161-162-163-164-165-166-167-168-169-170-171-172-173-174-175-176-177-178-179-180-181-182-183-184-185-186-187-188-189-190-191-192-193-194-195-196-197-198-199-200-201-202-203-204-205-206-207-208-209-210-211-212-213-214-215-216-217-218-219-220-221-222-223-224-225-226-227-228-229-230-231-232-233-234-235-236-237-238-239-240-241-242-243-244-245-246-247-248-249-250-251-252-253-254-255-256-257-258-259-260-261-262-263-264-265-266-267-268-269-270-271-272-273-274-275-276-277-278-279-280-281-282-283-284-285-286-287-288-289-290-291-292-293-294-295-296-297-298-299-300-301-302-303-304-305-306-307-308-309-310-311-312-313-314-315-316-317-318-319-320-321-322-323-324-325-326-327-328-329-330-331-332-333-334-335-336-337-338-339-340-341-342-343-344-345-346-347-348-349-350-351-352-353-354-355-356-357-358-359-360-361-362-363-364-365-366-367-368-369-370-371-372-373-374-375-376-377-378-379-380-381-382-383-384-385-386-387-388-389-390-391-392-393-394-395-396-397-398-399-400-401-402-403-404-405-406-407-408-409-410-411-412-413-414-415-416-417-418-419-420-421-422-423-424-425-426-427-428-429-430-431-432-433-434-435-436-437-438-439-440-441-442-443-444-445-446-447-448-449-450-451-452-453-454-455-456-457-458-459-460-461-462-463-464-465-466-467-468-469-470-471-472-473-474-475-476-477-478-479-480-481-482-483-484-485-486-487-488-489-490-491-492-493-494-495-496-497-498-499-500-501-502-503-504-505-506-507-508-509-510-511-512-513-514-515-516-517-518-519-520-521-522-523-524-525-526-527-528-529-530-531-532-533-534-535-536-537-538-539-540-541-542-543-544-545-546-547-548-549-550-551-552-553-554-555-556-557-558-559-560-561-562-563-564-565-566-567-568-569-570-571-572-573-574-575-576-577-578-579-580-581-582-583-584-585-586-587-588-589-590-591-592-593-594-595-596-597-598-599-600-601-602-603-604-605-606-607-608-609-610-611-612-613-614-615-616-617-618-619-620-621-622-623-624-625-626-627-628-629-630-631-632-633-634-635-636-637-638-639-640-641-642-643-644-645-646-647-648-649-650-651-652-653-654-655-656-657-658-659-660-661-662-663-664-665-666-667-668-669-670-671-672-673-674-675-676-677-678-679-680-681-682-683-684-685-686-687-688-689-690-691-692-693-694-695-696-697-698-699-700-701-702-703-704-705-706-707-708-709-710-711-712-713-714-715-716-717-718-719-720-721-722-723-724-725-726-727-728-729-730-731-732-733-734-735-736-737-738-739-740-741-742-743-744-745-746-747-748-749-750-751-752-753-754-755-756-757-758-759-760-761-762-763-764-765-766-767-768-769-770-771-772-773-774-775-776-777-778-779-780-781-782-783-784-785-786-787-788-789-790-791-792-793-794-795-796-797-798-799-800-801-802-803-804-805-806-807-808-809-810-811-812-813-814-815-816-817-818-819-820-821-822-823-824-825-826-827-828-829-830-831-832-833-834-835-836-837-838-839-840-841-842-843-844-845-846-847-848-849-850-851-852-853-854-855-856-857-858-859-860-861-862-863-864-865-866-867-868-869-870-871-872-873-874-875-876-877-878-879-880-881-882-883-884-885-886-887-888-889-890-891-892-893-894-895-896-897-898-899-900-901-902-903-904-905-906-907-908-909-910-911-912-913-914-915-916-917-918-919-920-921-922-923-924-925-926-927-928-929-930-931-932-933-934-935-936-937-938-939-940-941-942-943-944-945-946-947-948-949-950-951-952-953-954-955-956-957-958-959-960-961-962-963-964-965-966-967-968-969-970-971-972-973-974-975-976-977-978-979-980-981-982-983-984-985-986-987-988-989-990-991-992-993-994-995-996-997-998-999-1000-1001-1002-1003-1004-1005-1006-1007-1008-1009-1010-1011-1012-1013-1014-1015-1016-1017-1018-1019-1020-1021-1022-1023-1024-1025-1026-1027-1028-1029-1030-1031-1032-1033-1034-1035-1036-1037-1038-1039-1040-1041-1042-1043-1044-1045-1046-1047-1048-1049-1050-1051-

في الشتاء، متى هم الت

الله: ايها، صق م٣١، ٣٤ الف

برہان ہو کر اپنے گھر چلے گئے۔ جب ان کے احباب کو اس واقعہ کا پتہ چلا تو وہ ان کے پاس انہما انوس کے لئے جانے لگے۔ کئی روز بعد امیر خسرو اپنے گھر میں دستار ڈال کر سلطان المثنیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں معافی دلوائی۔

حضرت برہان الدین غریب سات صد درویشوں کے ہمراہ دکن کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ درویش انہیں پاکی میں بٹھا کر دکن لے گئے۔ دکن کی تاریخ میں پاکی کی آمد بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ حضرت برہان الدین کے ہم نامی کی مناسبت سے برہان پور کی بنیاد رکھی گئی اور یہ شہر عدول ملک خانہ پیش کے فاروقی سلاطین کا پایہ تخت رہا۔ حضرت برہان الدین اور ان کے ساتھیوں نے دکن کی سرزمین میں اسلام کی تبلیغ میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ ان کا انتقال ۷۳۸ھ میں ہوا۔ ۱۲۳۷ء میں براہیہ قندہ عشق برہہ اور ادلیہ خاص سے ان کی مائتہ وفت نکلتی ہے۔ حضرت کا مزار اورنگ آباد سے سترہ اٹھارہ میل کے فاصلہ پر غدر آباد میں واقع ہے۔ شہر کے بائیں جانب ایک چار دیواری کے اندر حضرت برہان الدین محرابِ ادبی ہیں۔ اسی احاطہ قبر میں ریاست حیدر آباد کا بانی نظام الملک آصف جاہ اول اور ناصر جنگ شہید مرزا ہیں۔ حضرت برہان الدین کی درگاہ کے بالمقابل ایک ایسی ہی چار دیواری

۱۔ عبدالحق محدث ۱ ص ۹۴

۲۔ شیخ محمد کریم۔ آب کوثر، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء ص ۴۱۲

۳۔ ایضاً ص ۴۱۲

صاحب ملفوظات

حضرت برہان الدین غریب، سلطان المثنیٰ نظام الدین لولہا کے مرید اور غلیظ تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے انہیں صاحب شوق و خرقہ لکھا ہے۔ اس حمد کے اہل علم اور مثنیٰ کے ساتھ ان کے ممتاز ملازم تھے۔ امیر خسرو اور امیر حسن علی بھڑکی جیسے بالکمال حضرات ان کے دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت بغیر الدین چراغ دہلی کے ساتھ ان کے ہزارہ ملاقات تھے۔

حضرت برہان الدین کو حضرت سلطان المثنیٰ کے ساتھ مقدر عقیدت تھی کہ انہوں نے مدت العمر بھی غیاث پورہ لہتی حضرت نظام الدین کی طرف پشت نہیں کی تھی۔

ایک بار موصوف حضرت نظام الدین لولہا کے جماعت خانہ میں بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے کبل نہ کر سکے اس پر ناگیں بھلا کر بیٹھ گئے۔ سلطان علاؤ الدین غلی کے اعزاء میں سے ملک حضرت اور علی زبیبی نے حضرت سلطان المثنیٰ سے اس کا ذکر کیا تو حضرت نے حد ناراض ہوئے انہوں نے فرما اپنے تمام خاص اقبال سے کہا کہ برہان الدین سے کہو کہ وہ فرمایاں سے چلا جائے۔ حضرت برہان الدین

۱۔ عبدالحق محدث، اخبار لاخیر، مطبوعہ دہلی ۱۳۲۷ھ ص ۹۳

۲۔ ایضاً ص ۹۳۔ "فہرست زمانہ مثل امیر خسرو و امیر حسن و خوش بھجان دیگر

امیر محبت اور نورندہ۔ ۳۔ ایضاً ص ۹۴

مرتب کیا ہے، اس کی مثال محفوظات فریبی کی تدریج میں ڈھونڈنے سے نہیں جتی، اس حمد میں مرتب ہونے والے محفوظات میں قصے کا ذکر کیا ہے جو کہ مرتب لیکن حماد کاشانی نے اس پرانی ڈگر سے ہٹ کر رقم اٹھایا ہے اور اسے خالق ہی نظام کا دستور العمل بنا دیا ہے۔

حضرت برہان الدین فریب کی عمر کا بیشتر حضرت سلطان المشائخ کی صحبت میں گزرا تھا۔ اس نے احسن الاقوال میں سلطان المشائخ کے بارے میں اہم معلومات دی ہیں۔ افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ سلطان المشائخ کے سوانح نگاروں میں سے کسی نے بھی اس تعینف سے استفادہ نہیں کیا حالانکہ حضرت برہان الدین فریب بہت سے واقعات کے یقینی شاہد ہیں اس طرح انہوں نے سلطان المشائخ سے بایا فرید الدین گنج شکر کے بارے میں کئی باتیں سنیں تھیں انہیں بھی مستند درجہ حاصل ہے اس لئے بایا صاحب کا کوئی سوانح نگار احسن الاقوال سے پھلو تھی نہیں کر سکتا۔

اگر کسی شخص نے اس عمل کی حقیقت فائدہ میں رہنے والے درویش کے شب و روز کے آداب و دل کا مطالعہ کرنا ہو تو اسے احسن الاقوال سے بہتر کتاب نہیں مل سکتی۔

حماد کاشانی نے احسن الاقوال میں حضرت برہان الدین فریب کے ۲۹ اقوال مختلف عنوانات کے تحت نقل کئے ہیں۔ جہاں کہیں حضرت کا ذکر آتا ہے غافل مرتب ان کے نام کے بعد طیب اللہ قبرہ با حسن الطیب کے دعا کی گات ضرور لکھتا ہے۔

قول اول۔ حماد کاشانی نے قول اول پر روشنائی اصحاب

کے اثر شیخ زین الدین کا مزار ہے اور وہیں اورنگ زیب عالمگیر شہزادہ اعظم اور امیر حسن علا بھری کی قبریں ہیں۔

جامع ملفوظات

جامع ملفوظات نے متن میں دو جگہ اپنا نام حماد کاشانی تحریر کیا ہے ایک جگہ اس نے اپنے بھائی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے برادر جمع الادب قدوة الاکتاب خواجہ برکن الدین کاشانیؒ ایک موقع پر اس نے اپنے دوسرے بھائی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

برادر صدر الافاضل خواجہ برہان الدین کاشانیؒ اس کا ایک تیسرا بھائی بھی تھا جس کا نام خواجہ محمد الدین کاشانی تھا۔ جامع ملفوظات نے اس کے نام سے پہلے قدوة البلغاء لکھا ہے۔ موصوفہ الذکر دونوں بھائی حضرت برہان الدین فریب سے بہت تھے۔

احسن الاقوال کی اہمیت

حماد کاشانی نے جس گفت اور کاوش کے ساتھ احسن الاقوال کو

۱۔ احسن الاقوال، ورق ۱۰، الف

۲۔ ایضاً، ورق ۷، الف

۳۔ ایضاً، ورق ۷، ب

۴۔ ایضاً

طریقت و سنی ارباب طریقت کا عنوان لگایا ہے۔ اس کے تحت موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت برہان الدین فرمایا کرتے تھے کہ جب مرید پیر کے پاس موجود ہو تو اس کے لئے پیر کے مشاہدہ سے بڑھ کر اور کوئی مشغولیت نہیں ہونی چاہیئے۔ اُسے، اسے ہی سب سے بڑا شغل کہنا چاہیئے۔ اگر مرید کہیں دور رہتا ہو اور اسے ہر کی محبت میسر نہ ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ تصوف کی کسی کتاب کے چند صفحات روز بڑھ لیا کرے۔

حضرت برہان الدین فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص دن میں ۱۵ بار سورہ الم نشرح پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے رحمت کے دروازے کھول دے گا۔

قرون وسطیٰ میں مسافر عزمِ سراؤں یا خانقاہوں میں قیام کیا کرتے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مسافر کا حق ننگر خانے میں جین دن تک ہے۔ اس کے بعد اسے کوئی کام کرنا چاہیئے۔ وہ یا تو بہر تن عبادت میں مشغول ہو جائے یا ننگر میں اتھ بیٹے یا وہاں سے رخصت ہو جائے۔

حضرت اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص کسی درویش کی لافانگت کو جاملے تو بیسوادہ درویش کرے دیا ہی طافاتی بھی کرے۔ اگر درویش قبول کرے ہر تر طافاتی بھی وہاں جا

کریٹ جائے۔ اگر وہ عبادت میں مشغول ہو تو یہ بھی وہاں جاملے ہی عبادت میں مشغول ہو جائے۔ اسی طرح اگر درویش عبادت تعمیر کر رہا ہو تو زائر بھی اس کام میں اس کا ہاتھ نہ جائے۔ اگر کوئی درویش کسی کو گھڑا، گوزہ یا ٹونا دینا چاہے تو اسے چاہیئے کہ وہ غالی نہ دے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی درویش کے لئے شلت یا چھال لے جائے تو اس میں کوئی چیز مزدور ڈالے اگر کوئی چیز میسر نہ ہو تو زمانہ پھل، خربزہ یا کھیرہ ہی رکھ لے۔ مگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر اس میں ایک سکہ ہی رکھ کر لے جائے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ درویش کو کسی سے دستانہ اور سونے یا چاندی کی انگوٹھی قبول نہیں کرنی چاہیئے۔ جب حاد کا شانی کے دو بھائی حضرت سے بیعت ہوئے تو انہوں نے اپنی طافاتی انگوٹھیاں حضرت کی خدمت میں پیش کیں۔ حضرت نے فرمایا کہ انہیں بیچ کر جو رقم ملے اسے حضرت سلطان المشائخ کے ایصالِ ثواب کے لئے خرچ کر دو۔

درویش کو چاہیئے کہ وہ کسی کی امانت نہ رکھے اور نہ کسی کا ضمانت ہی بنے۔ اسی طرح وہ کسی وسوسہ باز بد بھی اپنی گواہی نہ دے۔ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ نیکی کرے تو اسیان مذہب میں

۱۔ احسن الاقوال، مدق ۶

۲۔ ایضاً، مدق ۱۱

۳۔ ایضاً، مدق ۷

۱۔ احسن الاقوال، مدق ۷

۲۔ ایضاً

جزاک اللہ مزدور کہے۔ ایک روز خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا بھادر حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ لوگ اسے چیزیں دیتے ہیں وہ ان کے حق میں کیا کیا کرے؟ سلطان جی نے فرمایا کہ اگر وہ جزاک اللہ کہہ دیا کرے تو حق ادا ہو جائے گا۔

حضرت برہان الدین غریب فرماتے ہیں کہ ایک روز سلطان جی استراحت فرما رہے تھے کہ ایک مسافر آیا اور خدام سے کہنے لگا کہ اس نے گھڑا خریدا ہے اور وہ اس خوشی میں کچھ رقم سلطان جی کی تذکر کرنا چاہتا ہے۔ خدام نے کہا کہ وہ تو اس وقت آرام فرما رہے ہیں لہذا وہ رقم انہیں دے دے اس نے وہ رقم حاضرین میں بانٹ دی۔ اتفاق سے چند روز بعد اس کا گھڑا کھو گیا۔ وہ ریشمان حال سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام قصہ انہیں سنا حضرت نے فرمایا جن لوگوں نے اس سے روپے لئے تھے ان سے کہے گھڑا لا کر دیں۔ حاضرین نے کہا انہیں کیا خبر کہ گھڑا کہاں ہے؟ اس پر حضرت نے فرمایا کہ درویش کسی کی چیز ضائع نہیں کرتے اگر انہیں کوئی ایک جیتل دے تو وہ اس کا دس جیتل کا کام کرتے ہیں تب کہیں اس جیتل پران کا حق بنتا ہے۔

ایک روز ایک شخص نے سلطان جی کی خدمت میں ایک نکر

پیش کیا۔ اتفاق سے چند ہی روز بعد وہ شخص بیمار ہو گیا حضرت کو جوئی اس کی علامت کی اطلاع ملی تو انہوں نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس کا دبا ہوا نکر اب تک ان کے دل میں اٹکا ہوا ہے لہذا اس کے لئے دعا کرتی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے صحت عطا فرمائے۔

حضرت برہان الدین غریب فرماتے ہیں کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ پیر اپنے مرید کے اور استاد اپنے شاگرد کے سامنے کھڑا نہ ہو۔ دہلی میں علاء الدین تیرگر نام کا ایک شخص رہتا تھا اور اسے حضرت بہاء الدین زکریا کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ ایک ملازم ایک شخص دہلی سے ملان جاتا تھا۔ علاء الدین نے اس کے ہاتھ حضرت زکریا کے لئے نقدی رولز کی جب وہ شخص اجودھن پہنچا تو بابا فرید الدین سے بھی ملا۔ اس نے بابا صاحب سے کہا کہ علاء الدین نے جو نقدی اسے دی ہے وہ بابا صاحب لے لیں۔ وہ حضرت زکریا کی خدمت میں کوئی اور چیز پیش کر دے گا۔ اس پر بابا صاحب نے فرمایا کہ وہ لے لیتے ہیں رہزن بن کر نہیں بیٹھے۔ جب وہ کسی دوسرے کو نقدی دینے کی نیت کر کے چلا ہے تو وہ اسے کیوں کر قبول کریں گے۔

حضرت برہان الدین کے زمانے میں درویش کے لئے مہربے معتبر قسم تھی کہ وہ اپنے شیخ کے معصے پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائے۔

۱۔ حسن الاقوال، صفحہ ۶ الف

۲۔ ایضاً صفحہ ۸ ب

۳۔ ایضاً صفحہ ۹ الف

۱۔ حسن الاقوال، صفحہ ۸ ب

۲۔ ایضاً، صفحہ ۶ الف

حضرت فرماتے ہیں کہ ایک مرد جب سفر سے واپس آئے تو اپنے اپنے شیخ سے ملے جانے پھر اپنے گھر جاتے۔ اسی طرح جب سفر پر روانہ ہو تو اپنے اہل خانہ سے وداع ہو کر شیخ کی خدمت میں حاضر می دے اور وہیں سے سفر پر روانہ ہو جاتے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت نظام الدین نے شیخ نصیر الدین محمود اودھی کو اودھ جانے کے لئے وداع کیا تو انہوں نے کسی سے کہا کہ ان کی قیام گاہ پر جو گھوڑا بندھا ہوا ہے اسے نکال کر بیچا دے کیونکہ شیخ سے وداع ہونے کے بعد اپنی قیام گاہ پر جانا ادب کے منافی ہے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ اگر دو آدمی مل کر ایک ہی برتن میں کھانا تناول کر رہے ہوں اور ان میں سے کوئی کسی کام کے لئے اٹھ جائے تو دوسرے کو چاہیے کہ وہ بھی اتنی دیر کے لئے کھانے سے ہاتھ کھینچ لے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ شیخ کو مرید کی تربیت صرف اللہ کی توفیق کی خاطر کرنی چاہیے۔ شیخ میں لالچ اور بخل نہیں ہونا چاہیے۔ اگر خدا اسے انکار کرے کہ تلوں نعمت نکال کر یہ کو دے دے تو اس میں بخل سے کام نہ لے۔

۱۔ حسن الاقوال، ورق ۹۰ - ایضاً

۲۔ ایضاً ورق ۱۰۱

۳۔ ایضاً

اگر شیخ کی خانقاہ میں مسافر اگر عشرے تو خادم کو چاہیے کہ اسے پانی کی جگہ اور قدمچا (ہیت الخلد) دکھا دے۔ ادب کا یہ تقاضا ہے کہ مسافر خانقاہ سے بازار جانے تو واپسی پر خالی ہاتھ نہ آئے اگر اور کچھ میسر ہو تو ایک کیرا لکڑی ہی لیتا آئے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ حکم تبرج جب بھی سلطان جی کی خدمت میں آتا تو ایک کدو خانقاہ کے لئے منجود لانا اور سلطان جی کے لئے بھی کچھ نہ کچھ منجود لانا۔ حضرت برہان الدین فرماتے ہیں کہ یہ روش لازم نہیں ہے لیکن مستحب ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ایک بار سلطان جی شہر سے غیاب پور کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں ایک شخص سے ٹکرائے ہوئی۔ وہ ایک خالی خزانچہ سر پر رکھے سلطان جی کی خانقاہ کی طرف جا رہا تھا۔ حضرت نے اس سے فرمایا کہ درویشوں کے پاس خالی ہاتھ نہ جاتے اگر اور کچھ نہیں تو وہ دو جیتل کے نالی خرید کر خزانچہ میں رکھ لے، اسی طرح خالی چیلے میں شربت یا مہری ڈال لینی چاہیے۔ اگر کوئی شخص پانڈواں شیخ کی خدمت میں پیش کرنا چاہے تو اس میں پان رکھ دے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ درویشوں کے لئے پھری یا سترائیں لے جانا چاہیے۔ اگر کوئی شخص یہ دونوں چیزیں درویش کے لئے

۱۔ کیرا لکڑی ان دفعہ بڑے گرہاں ہیں۔ اس زمانے میں یہ کوڑیوں کے بھاؤ میں ہو کر آتے تھے۔

۲۔ حسن الاقوال، ورق ۱۱ - ایضاً ۳۔ ایضاً ورق ۱۱

چاہیں۔ درویش کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ کبھی غلوں پر ہوتا ہے اور کبھی جلوتی۔ اس لئے میں نیلا لباس زیب تن کرنا یا کسی مجلس میں بلند آواز میں قرآن پڑھنا لوگوں سے سوال کرنے کے مترادف تھا۔ اس لئے ان دونوں کاموں سے احتراز کرنا چاہیے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے ہاں مسافر آئے تو صاحب نماز اسے دو گرم چیزیں فوراً فراہم کرے۔

۱۔ ہاتھ منہ دھونے کے لئے گرم پانی

۲۔ گرم شربا

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ درویشوں کے پاس عین اوقات میں نہیں آنا چاہیے۔

۱۔ نماز اشراق سے قبل

۲۔ دوپہر کو قیلوہ کے وقت

۳۔ نماز عصر کے بعد

جانب عفوفاست تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز شیخ واوہن شیرازی حضرت برہان الدین عزیب سے کہنے لگے کہ ان کے پاس رگ آتے ہیں تو ان کے ارادہ و وظائف فوت ہو جاتے ہیں ان کی بات سن کر حضرت نے فرمایا،

اذا جلع الاسخوان سقطت النوافل

لائے تو اسے چاہیے کہ ایک سوئی بھی ساتھ لائے۔ اس لئے کہ چھری اور اسٹرکائٹ کے اوزار ہیں اور سوئی جوڑنے کے کام آتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی درویش کی خدمت میں صرف چھری پیش کرنا چاہے تو وہ محنت کا ایک ٹکڑا بھی ساتھ لائے۔ اسی طرح سوئی کے ساتھ دھانکا بھی ہونا چاہیے۔

حضرت برہان الدین فرماتے ہیں کہ ایک مسافر شیخ جمال الدین ہانڈی سے ملے آیا۔ شیخ اس وقت مسجد میں تھے وہ انہیں تلاش کرتے کرتے وہاں پہنچا۔ شیخ نے نماز سے فارغ ہوتے ہی غفلت کی نیت بازو دی۔ مسافر نے اپنا مہل لپیٹا اور چلنے لگا۔ شیخ نے جلدی سے سلام پھرا اور معذرت چاہی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مسافر کو زیادہ دیر تک انتظار میں نہیں رکھنا چاہیے۔ معتم پر واجب ہے کہ مسافر کو انتظار کی زحمت نہ دے۔

اگر کوئی شیخ کسی شخص کو کسی کے ہاں بھیجے اور صاحب نماز اس کے ہاتھ شیخ کے لئے کپڑے، نقدی یا شیرینی وغیرہ بھیجے تو شیخ انہیں قبول نہ کرے۔ اسے چاہیے کہ ان پر ناختہ پڑھ کر واپس لوٹا دے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ درویش کو باریک کپڑے نہیں پہننے

۱۔ احسن الاقوال، ورق ۱۲ الف

۲۔ ایضاً ورق ۱۱ الف

۳۔ ایضاً

۱۔ احسن الاقوال، ورق ۱۳ الف

۲۔ ایضاً ورق ۱۲ الف

حضرت فرماتے ہیں کہ قبرستان سے سیدھا کسی مریض کی عیادت کو نہ جائے راستے میں اگر کوئی مسیخ نظر آئے تو تھوڑی دیر کے لئے وہاں رک جاتے یا تھوڑی دیر کے لئے کسی جگہ بیٹھ جاتے، پانی پیتے اور پھر جاتے۔

قول اول، جس میں آداب مجلس منتقل ہیں بڑا طویل ہے اور یہ دس درقوں پر پھیلا ہوا ہے اسے اس حد تک ہمیں زندگی کا مرتع کہنا چاہیے۔

قول دوم،

”در رعایت آداب مجلس مشایخ بر جادہ و اولیای صاحب سجادہ“
اس عنوان کے تحت حضرت برہان الدین فریب فرماتے ہیں کہ جب کسی شیخ کی مجلس میں دسترخوان پچھایا جائے تو خادم کو چاہیے کہ وہ پہلے حاضرین کے ہاتھ دھوئے اور پھر اپنے ہاتھ دھوئے دسترخوان پر شیخ کے سامنے ننگدان رکھنا چاہیے اور دسترخوان کے کوفوں پر زیادہ روٹیاں رکھنی چاہئیں۔ جب خادم ”بسم اللہ“ کہے تب حاضرین کھانا شروع کریں۔ سب سے پہلے ایک چھلک ننگ کی اپنے منہ میں رکھیں، پھر شوربہ استعمال کریں۔ اگر کوئی شخص چمچ سے کھانا تناول کرے تو آداب مجلس کا تقاضا ہے کہ وہ اپنا چمچ مشترک پہلے ہی نہ ڈالے تاکہ ٹوک کراہت محسوس نہ کریں۔ لقمہ ہمیشہ دائیں جبرے سے چبانا چاہیے اور بائیں جبرے سے لقمہ چبانے سے احتراز کرنا

شیرازی نے دوبارہ وہی جملہ دہرایا تو حضرت نے جواب دیا کہ اگر کوئی شخص مٹے آئے تو اس کے سامنے کوئی کھانا چاہیے اور اگر کوئی کھنے سے اگر اوراد و فقہ سمجھ جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی کام کے لئے آئے تو اسے کام میں لگا دے اور اوراد و وظائف فوت نہ کرے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسافر نماز عصر کے بعد شریع داخل ہو تو وہ سیدھا منگھر میں نہ جاتے وہ رات کو کسی دوسری جگہ قیام کرے اور اگلی صبح اشراق کے بعد منگھر میں داخل ہوئے۔
حضرت فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص نئے کپڑے پہنے تو اسے مبارکباد دینی چاہیے۔ درویش کا سامان مگر بیمار ہو جائے تو جب تک وہ صحت یاب نہ ہو جائے اسے اپنے ہاں سے جانے نہ دے۔ ایک بار خواجہ مبارک معروف جنہیں حضرت شیخ کا دل کما کرتے تھے، حضرت کے ہاں اگر ٹھہرے۔ چند دن بعد ان کی آنکھ میں تکلیف ہو گئی۔ انہوں نے حضرت سے اپنے گھر جانے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک صحت یاب نہ ہو جائے اس وقت تک اجازت نہیں ملے گی۔ تکلیف چونکہ ان کے گھر میں شروع ہوئی ہے اس لئے صحت بھی یہیں رہنی چاہیے۔

۱۔ احسن الاقبال درق ۱۲ الف

۲۔ ایضاً درق ۱۳ ب

۳۔ ایضاً درق ۱۵ الف

شخص کو ضرورت پڑے تو وہ شہر بارہی پانی نہ پیتے۔ کھانے کے دوران میں سلام کا جواب نہ دے، کیونکہ درویشوں کے ہاں کھانا بھی عبادت سمجھا جاتا ہے اور عبادت میں غفلت ہونا مناسب نہیں ہے۔

ایک بار ایک شخص حضرت برہان الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت موصوف کھانا تناول فرما رہے تھے۔ اس نے سلام کیا۔ حاضرین خاموش رہے۔ وہ شخص بھی کھانے میں شریک ہو گیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد حضرت نے اس کی تعلیم کی اور فرمایا کہ درویشوں کا یہی طریقہ ہے جو اس شخص نے اختیار کیا تھا۔ درویش کے لئے لازم ہے کہ وہ دسترخوان پر ہی روٹی کھائے اور جب تک ایک روٹی ختم نہ ہو جائے دوسری روٹی نہ اٹھائے۔ دسترخوان پر روٹیوں کے ٹکڑے کرنے مناسب نہیں ہیں اور نہ کوئی ٹکڑا باقی چھوڑنا مناسب ہے۔ دسترخوان سے ٹکڑے اٹھا کر کھانے میں بڑی فضیلت ہے۔

ایک بار خواجہ شمس الملک حضرت برہان الدین غریب کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ اتنے میں ایک بلی کے بولنے کی آواز آئی۔ شمس الملک نے بلی کی آواز سن کر روٹی کا ایک ٹکڑا

چاہیئے۔

حضرت برہان الدین فرماتے ہیں کہ درویش کی مجلس میں کوئی شخص باتیں طرف کے دانتوں سے لقمہ چارہا تھا۔ درویش نے اس سے پوچھا کہ وہ کس بزرگ کا مرید ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس کے بائیں طرف کے دانتوں میں تکلیف ہے اس لئے وہ مجبوراً بائیں جڑے سے لقمہ چارہا ہے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ کسی شخص سے یہ نہیں پوچھنا چاہیئے کہ وہ کس کا مرید ہے، کیونکہ اس سے اس کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہے۔ ایک بار امیر خسروؒ سے کسی نے پوچھا کہ وہ کن کے مرید ہیں؟ اس نے کہا کہ ان سے کون سی بے ادبی ہوتی ہے جو وہ ایسا سوال کر رہا ہے۔ حضرت برہان الدین فرماتے ہیں کہ ہر لقمہ منہ میں رکھتے وقت بسم اللہ کہنی چاہیئے۔ جب کھانا ختم ہو جائے تو الحمد للہ کہے۔

کھانے کے دوران میں پانی نہ پیا جائے کیونکہ دہانا ہاتھ آلودہ ہوتا ہے اور اس سے شفا سے بھی خراب ہو جاتے گا اور اس میں کھانے کے دینے بھی گرجا تیں گے۔ بائیں ہاتھ سے پانی پینا منع ہے۔ درویشوں کے ہاں یہ رواج ہے کہ وہ دسترخوان پر شہر بارہی کرتے ہیں تاکہ حق خشک نہ ہو اور پانی پینے کی نوبت نہ آئے۔ اگر کسی

کھانے کے بعد ہاتھ دھلانے کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے خادم اپنے ہاتھ دھوئے اور پھر دوسروں کے ہاتھ دھلائے۔ حضرت برہان الدین ہاتھ دھرتے وقت دو بار سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک بار حضرت نصیر الدین عمود کے استفسار پر انہوں نے فرمایا کہ موصوف ایک بار فاتحہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور دوسری بار سلطان جی کی روح کو ایصال ثواب کے لئے پڑھتے ہیں یہ

ہاتھ دھونے کے بعد پان پیش کیا جاتا تھا۔ پان کھانے کے کولب یہ تھے کہ خالی پان منہ میں رکھے اور پان منہ میں ڈالتے وقت منہ زیادہ نہ کھولے تاکہ دوسروں کی نظر نہ پڑے۔ پان منہ میں رکھنے کے بعد چھالیہ منہ میں ڈالتے اور اس بات کا خیال رکھے کہ ساری چھالیہ منہ میں ایک دم نہ ڈالے بلکہ ایک ایک ٹکڑا کر کے ڈالتے تھے

حضرت برہان الدین فرماتے ہیں کہ اگر کسی مجلس میں حقوق اور مجبہ دو طرح کے لوگ جمع ہوں تو مجبہ کو حقوق پر فضیلت دی جائے تھے جامع مغفلات کہتے ہیں کہ حضرت برہان الدین کے ہاں نمکدان کو "ابراہیم" اور دسترخوان کو "لباط الرحمت" کہا کرتے تھے۔ اسی طرح روٹی کو بقیہ لباط الرحمت اور کسرۃ یا فائدہ کا نام دیا گیا تھا بھی

اس کے آگے ڈال دیا۔ شیخ نے کہا کہ تمہیں اس کی اجازت ہے لیکن یہ کام خادم کو کرنا چاہیے تھا۔ اس کے علاوہ کسی کے لئے یہ رعا نہیں ہے کہ سیربان کی اجازت کے بغیر کسی کو نقد دے۔
اس زمانے کا یہ دستور تھا کہ خادم اور شیخ کو پھل اور کھانے کا دو گنا حصہ دیا جاتا تھا۔ تاکہ اگر کوئی شخص بعد میں آئے تو اسے بھی دے سکے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ درویش بے دمنہ کھانا نہ کھائیں کیونکہ ان کے نزدیک اس سے زیادہ برکی اور کوئی بات نہیں ہے اگر کسی کے حصے میں کھانے میں کوئی کڑوی چیز آجائے تو اسے چاہیے کہ اسے جلا کر بہت کھائے، کیونکہ وہ اس کے حصے میں آئی ہے اور کھانا برفست چند ہی مجلس میں کھڑا کھیرا اس طرح مزے سے کھایا کرتے تھے جیسے عود کھا رہے ہوں تھے

درویشوں کی مجلس میں کوئی شخص کلی کرتے وقت آواز نہ نکالے ورنہ پانی دسترخوان پر گرے گا اور اس سے کراہیت پیدا ہوگی کھانے کے بعد حاضرین کو فضاں مہیا کئے جاتیں، جامع مغفلات کہتے ہیں کہ حضرت برہان الدین کے ہاں فضاں دینے کی خدمت لطیف الدین کے ذمے تھی تھے

۱۔ الحسن الاقوال ورق ۲۰ الف

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً ورق ۱۸ الف

۴۔ ایضاً ورق ۱۹ الف

۱۔ ایضاً، ورق ۱۸ ب

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً، ورق ۱۹ ب

ایک روز مولانا فرید الدین، حضرت کے دسترخوان پر موجود تھے انہوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور کھانے سے فراغت کے بعد کہنے لگے، آپ کا کھانا "معی دل" ہے اور جنت کا کھانا "معی نفس" ہوگا۔ اس لئے یہ اس سے افضل ہے یہ

جامع غفرات حماد بن حماد کاشانی کے بھائی رکن الدین کو سلطان نے دہلی سے دولت آباد جانے کا حکم دیا۔ وہ ڈاک کے گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ حامد کھٹے ہیں کہ دوران سفر وہ ہر صبح نماز پڑھ کر کعبہ دہلی کی طرف رخ کر کے اپنا چہرہ زمین پر طاعت کرتے تھے۔ حامد کاشانی اس پر شہد ہے کہ جب کبھی خلیفہ قطب الدین ویر سلطان جی کے مزار کی زیارت کے لئے جاتا تو گنبد پر نظر پڑتے ہی اپنا چہرہ زمین پر دتا اس نے کبھی حیثت پر اور (بسی حضرت نظام الدین) کی طرف منہ کر کے نہیں تھوکا تھا۔

قول چہارم :

در آداب آمدن مرید در خدمت پیر و رعایت آداب و روق
تقریر۔

ایک بار حضرت برہان الدین غریب سلطان جی کی زیارت کے لئے دہلی سے غیاث پور کی طرف روانہ ہوئے راستے میں ان کا ایک واقعہ کھڑا نہیں زبردستی اپنے گھر لے گیا اور ناشر کرایا۔ حضرت ناشر

حامد کاشانی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حضرت کے سامنے سلطان جی کی مریدی کا دعویٰ کرتا تو حضرت فرماتے اس پر گواہ لاؤ۔ معنی سلطان جی کے اعتقاد میں سے کوئی چیز پیش کرو۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اگر ان لوگوں کو حلال دیا جائے تو انہیں حلال کرنے کی بھی تفسیر نہیں ہے اور دعویٰ کرتے ہیں سلطان جی کی مریدی کا لقب (اس سے یہ اندازہ لگانا پسند ان شکل میں کہ شیخ اپنے مریدوں کی کس انداز سے تربیت کیا کرتے تھے)۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ مرید کو چاہیے کہ جب وہ پیر کی خدمت میں آئے تو بائیں طرف سے آئے۔ سامنے سے آئے اور سلام عرض کرنے۔ وہ جتنی دیر وہاں رہے اپنی نظریں نیچی رکھے اور زیادہ بآہی ذکر سے شیخ جو بات پڑچے صرف اسی کا جواب دے اور وہابی پر شیخ کی طرف پشت نہ کرے یہ

قول سوم :

در حسن عقیدۃ اصحاب اعتقاد

حضرت فرماتے ہیں کہ ایک روز سلطان جی نے آئینہ دیکھا تو ریش میں ایک سفید بال نظر آیا۔ اسے دیکھ کر سلطان جی نے فرمایا ۱۰ محمدؐ میں نے ایک سیاہ بال بابا صاحب کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔

۱۔ احسن الاقوال ورق ۱۹ پ

۲۔ ایضاً ورق ۲۰ پ

۳۔ ایضاً ورق ۲۲ الف

۱۔ احسن الاقوال ورق ۲۲ پ

۲۔ ایضاً ورق ۲۳ پ

یا حضرت پاک جل و علا جہتم نگاہی
وزبان نگاہی و بد کے راگوئی
و بد کسی را نہ اندیشی و کسی را سفری
نرمائی و گردو مناسی مگر دی و بر
جادو شرع باشی، ہمبرون جود
عبد کردی و ہمبرون شرط باشی

ترجمہ: کیا تو اس شکتی، اس شکتی کے مرشد اور اس شکتی
کے مرشد کے شیخ، خواجگان چشت، تابعین، تبع تابعین
رسول رب العالمین، عادلان عرش اور اللہ جل شانہ سے یہ
عبد کرتا ہے کہ اپنی نگاہ اور زبان پر قائل ہو سکے گا۔ کسی
کی بدگوئی نہیں کرے گا، کسی کا برا نہیں سوچے گا، کسی کو
تقصان نہیں پہنچائے گا، برے کاموں سے اجتناب کرے گا
اور جادو شرع پر قائم رہے گا۔ تو ان سب باتوں کا
عبد کرتا ہے اور ان شرائط پر قائم رہے گا۔

مرید کہے کہ وہ ان سب باتوں پر عمل کرنے کا عبد کرتا ہے۔
اس کے بعد شیخ قینبی نے کہ اس کے سر کے دائیں جانب سے
اور پھر بائیں جانب سے تھوڑے سے بال کاٹے اور سر پر ٹوپی
پہنا دے۔ ٹوپی پہناتے وقت شیخ کہے:

بسم الله الرحمن الرحيم، هذا لباس

سے فارغ ہو کر غیاث پور کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ بھول
گئے۔ ان دنوں دلی در غیاث پور کے درمیان دہزن مسافروں کو لوٹ
لیا کرتے تھے۔ حضرت کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ ان کے کپڑے ہی نہ
اتر جائیں۔ حضرت اس طرف سے کئی بار گزرے تھے۔ اس کے باوجود راہ
گم کر بیٹھے اور باوجود گردش کے انہیں راستہ نہ ملتا تھا۔ مٹان کے محل
میں یہ خیال آیا کہ وہ اپنے گھر سے سلطان جی سے ملنے کی نیت کر کے
نکلے تھے لیکن راستہ میں کسی واقف کار کے ہاں پچھے گئے یہ اس کی بد
نیتی کا ثمر ہے۔ انہوں نے فرما تو یہ کہ تو انہیں راستہ مل گیا نہ

حضرت فرماتے ہیں کہ جب کبھی خواجہ شمس الدین، سلطان جی کی
نابت کو جانتے تو دونوں ہاتھ آگے باز کر چلتے۔

قولی پنجم: در آداب بیعت

حضرت بران الدین فرماتے ہیں کہ بیعت کے دن عقیدت
مندودہ رکھے، صدقہ دے اور نماز ادا کرے شیخ عقیدت مند کا
ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہے:

عبد کردی باین شکتہ و خواجہ

لین شکتہ و خواجہ خواجہ این

شکتہ و خواجگان چشت و

تابعین و تبع تابعین و بارسل

رسل العالمین و باعادلان عرش

التقویٰ و لباس العافیت

مرید اپنا سر شیخ کے قدموں پر رکھ دے اور اس کے بعد دو گانہ ادا کرے۔ دو گانہ ادا کرنے کے بعد مرید حاضرین مجلس کے ساتھ مصافحہ کرے۔ بعد ازاں شیخ اسے اس کی قابلیت کے مطابق تعین کرے گا۔

حضرت برحالہ الدین فرماتے ہیں کہ بیعت کے لئے تین چیزیں

شرط ہیں ۱

۱۔ حلق یا قصر

۲۔ کلاہ

۳۔ اقرار بیعت

اگر ان میں ایک بھی رہ جائے تو بیعت نہ ہوگی۔

حضرت فرماتے ہیں کہ جس روز سلطان جی نے انہیں بیعت کیا تھا اس روز انہیں حفظ ایمان اور ادا بین کی تلقین کی۔ حضرت نے بیعت ہوتے وقت سلطان جی سے پوچھا کہ وہ حلق کریں یا قصر؟ سلطان جی نے فرمایا کہ ہر مال کی جڑ میں شیطان کا محل ہے اس لئے وہ حلق کروائیں۔ بابا فرید الدین محدثؒ نے سلطان جی کو بھی حلق کا حکم دیا تھا اور اس وقت یہ حدیث پڑھی تھی:

إِنَّ الشَّيْطَانَ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ

۱۔ احسن الاقوال ورق ۲۶ ب

۲۔ ایضاً ورق ۲۶ الف

۳۔ ایضاً ورق ۲۶ الف

حضرت برہان الدین فرماتے ہیں کہ جس شخص کے سر پر مقراض پہل جائے اس کے لئے ہل رکھنے حرام ہیں۔ ایک مجلس میں خواجہ غزنائے حضرت سے پوچھا کہ کتنے عرصے بعد حلق کرانا چاہیے؟ اس پر حضرت نے فرمایا کہ پہننے میں دو بار بیٹھ

۴۰۰ جن کاوشانی تھوہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد حضرت برہان الدین سے بیعت ہونا چاہتے تھے لیکن وہ شرف بیت حاصل کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔ ایک روز ۴۰۰ نے حضرت سے اس کا ذکر کیا۔ قرائل نے فرمایا کہ اس کی نیت ہو کر نیک تھی اس لئے وہ مرید کو اپنی فرزندگی میں قبول کرتے رہے۔

قول ششم: در بیان لباس

قول ششم کے تحت جامع عرفات لکھتے ہیں کہ ایک بار کھنواٹ سے کسی حقیقت مند نے سلطان جی کے لئے لباس تیار کروا کے بھیجا تو انہوں نے اسے دیکھتے ہی فرمایا کہ انہوں نے بابا صاحب کو کبھی ایسے لباس میں نہیں دیکھا اس لئے وہ کیوں کر اسے پہن سکتے ہیں۔ اتفاق سے اس مجلس میں بابا صاحب کا ایک مرید بھی موجود تھا اس نے کہا کہ اس نے بابا صاحب کو اس لباس میں دیکھا ہے۔ سلطان جی نے فرمایا پھر

۱۔ احسن الاقوال ورق ۲۶ ب۔ مقدمہ جہانیاں الدوا المنظوم میں فرماتے ہیں کہ کوئی شاعر اپنی بیوی کی رضا مندی کے بغیر حلق نہ کروائے۔ (الدوا المنظوم مطبوعہ

حقانی ۱۳۳۵ھ ص ۲۲۱

۲۔ احسن الاقوال ورق ۲۸ الف

رہے ہیں؟ حضرت فرمایا کہ وہ اپنے مردہ دل کو دوسرے میں بیٹھ
حضرت برہان الدین نے ایک مجلس میں فرمایا کہ مولانا وجہ الدین
یوسف فرمایا کہ تھے کہ وہ جب بھی نفس کے کسی عیب کو ختم کرتے
تھے تو دوسرے عیب سر اٹھاتے ہیں۔

قولِ غم: در بیانِ حسنِ معاد

حضرت برہان الدین کے زمانے میں ایک چادر دس گیارہ سیتل
میں آجاتی تھی اور بیچنے والا ایک جیتل نفع کھاتا تھا۔ حضرت فرماتے ہیں
کہ اس زمانے میں لوگ اس سے زیادہ نفع کھانا جائز نہیں سمجھتے تھے۔
قولِ وہم: در بیانِ فضیلتِ محاسن

حضرت برہان الدین فرماتے ہیں کہ ایک بچے نے بایزید کو بلایا۔
موصوف اس کی طرف بڑھے اتفاق سے دروازے پر ایک بوڑھا بیٹھا
تھا۔ اسم نے انہیں واپس کر دیا۔ بچے نے کئی بار انہیں بلایا اور موصوف
بر بار اس کے بلانے پر اس کی طرف متوجہ ہوتے لیکن دروازے
کھل جاکر واپس لوٹ جاتے۔ ایک شخص نے، جو یہ منظر دیکھ رہا تھا
اسی سے پوچھا کہ انہوں نے یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے؟ حضرت بایزید
نے فرمایا کہ وہ بچے کے بلانے پر اسے خوش کرنے کے لئے اس کی طرف
بڑھتے ہیں اور عمر بزرگ کے فرماں کا خیال کر کے واپس لوٹ جاتے
ہیں۔

میں یہ لباس پس لیتا ہوں۔ اب تم ذمہ دار ہو لے

قولِ ہفتم: در بیانِ محافظتِ غفلت و تفانی پس

حضرت برہان الدین فرماتے ہیں کہ جب وہ دہلی سے دکن کی طرف
م روانہ ہوئے تو ان کے ساتھیوں نے چارپائی کو ڈولی میں تبدیل کر کے
انہیں اس میں بٹھالیا۔ ان کے پاس سلطان جمی کا ایک حصا تھا۔ انہوں
نے اس کو ڈولی کے ایک طرف باغھ لیا اور اسے ہی بندھ گئے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ موصوف دورانِ سفر اسی کی پناہ میں رہے۔
حضرت فرماتے ہیں کہ اگر مرید کے پاس اپنے پیر کے جوتے ہوں
تو دورانِ سفر انہیں اپنے سر پر و محلے اور سات کو سوتے دیکھنا
بے پروا رکھ لے۔ حضرت نظام الدین نے خواجہ قطب الدین دیر کو اپنی
شبِ خوابی کا لباس عطا فرمایا تھا، خواجہ نے اسے صغیب میں رکھا لیا
اور سات کو اسی کے نیچے سونے لگا دیا۔

قولِ ہشتم: در بیانِ معادِ نفسِ امارہ و نفسِ ناہموارہ

حضرت فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت بایزید بطحانی قبرستان سے
گزرے وہاں ایک عورت ایک قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی، موصوف
بھی اس کے پاس بیٹھ کر رونے لگے۔ کسی راہ گزرنے والے نے کہا کہ وہ
عورت تو اپنے کسی عزیز کو یاد کر کے رو رہی ہے حضرت کسی کو رو

۱۔ احسن الاقوال صدق ۲۹ ب۔ اس کپڑے کا نام جہنمی کھاجہ۔

۱۔ احسن الاقوال، صدق ۳۳ الف

۲۔ ایضاً صدق ۳۵ الف

۲۔ ایضاً صدق ۳۴ الف

۳۔ الف صدق ۳۶ الف

۳۔ الف

”خواجهگان فرزندانی خود را در مصیبت افتادہ نگزارند۔ اگر در مصیبت باشند از جہان روزگار طالب نشوند۔“

جاسع غفلت و قمر طراز ہیں کہ ایک بار کسی شخص نے سلطان جی کی عقل میں بایزید بطلانی کی بزرگی کا ذکر کیا۔ اس پر سلطان جی نے فرمایا: ”جاسع ہاں بھی بایزید ہے“۔ حاضرین نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ سلطان جی نے فرمایا: ”اس وقت وہ جماعت خانہ میں ہے“۔ ان کا خادم خاص اقبال فوراً جماعت خانہ پہنچا۔ اتفاق سے اس وقت وہاں کوئی شخص موجود نہ تھا اتنے میں حضرت برہان الدین وہاں پہنچ گئے۔ اقبال نے ان سے کہا کہ سلطان جی نے بھی ابھی ان کے ہاں میں اس لئے کالعدم کیا ہے۔“

قول دوازدہم : در فضیلت صائم دھوم
 ملاکاشنی کی روایت ہے کہ حضرت برہان الدین غریب دہلوی روزہ رکھا کرتے تھے ایک روز حضرت نے فرمایا کہ روزے سے چار چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ روزے سے خاموشی حاصل ہوتی ہے اور خاموشی سے فکر پید ہوتا ہے اسی فکر سے معرفت حاصل ہوتی ہے اور معرفت کے ذریعے ہی یار تک پہنچتے ہیں۔
 حضرت فرمایا کرتے تھے کہ روزہ دار سحری حذر رکھتے خواہ وہ

۱۔ احسن الاقوال ورق ۳۶ پ

۲۔ ایضاً ورق ۳۷ پ

۳۔ ایضاً

حضرت فرماتے ہیں کہ ایک روز سلطان جی نماز ادا کر رہے تھے کہ کوشیطان نے ان کا کان کھنچا۔ حضرت نے انہیں مخاطب کر کے کہا: ”بوالہر دیں کہ“۔ حضرت برہان الدین فرماتے ہیں کہ یہ سلطان جی کا اخلاق تھا کہ موصوف شیطانی کو بھی جو انفراد ذکر غیبی کیا کہتے تھے یہ

قول یازدہم : در بیان اہلدار عقیدت اصفا و اخبار کرامت اولیا
 حضرت فرماتے ہیں کہ ایک بار سلطان جی نے امیر خسرو کو کیلکٹری کے کو قوال کے نام ایک سفارشی خط دیا۔ امیر وہ خط لے کر کو قوال کے پاس گئے۔ اتفاق سے اس وقت وہ دریائے گناہ سے بٹھا تھا اس نے وہ خط پڑھ کر دریا میں پھینک دیا۔ امیر خسرو نے داپس آکر سدا وند سلطان جی کے گوش گزار کیا۔ انہوں نے فرمایا: ”او خود را در آب روانی کرو“۔ اگلے روز شیطانی نے کو قوال کو قلعے کی دیوار سے اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔“

حضرت برہان الدین فرماتے ہیں کہ سلطان علا الدین کا روزہ سخت خالص سلطان جی کا مرید ہو گیا۔ ایک روز اس کے ساتھیوں نے مجلس طرب آراستہ کی اور شراب کا ایک جام اس کی طرف بڑھایا۔ خضر خاں اس جام کو بھریں سے لگایا ہی چاہتا تھا کہ اس نے دیکھا کہ سلطان جی انگشت بندگان وہاں کھڑے ہیں۔ خضر خاں نے جام مٹھی پر مے مارا اور مجلس سے اٹھ کر چلا گیا۔ یہ واقعہ بیان کر کے حضرت فرماتے تھے،

۱۔ احسن الاقوال ورق ۳۶ پ

۲۔ ایضاً ورق ۳۷ پ

پانی کا ایک گھوٹ ہی کیوں نہ ہو۔

سے تھیر کھا کر ہی اٹھا دے

قول پانزدہم : در بیان احوال باطنی اصحاب محبت

حضرت برہان الدین فرماتے ہیں کہ ایک بار سلطان جی نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ کبیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک فوجوان انہیں ملا اس نے کہا کہ اس کے حق میں فدا سے دعا کریں کہ وہ اپنی محبت کا ایک قطرہ اس کے حق میں ٹپکا دے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ وہ اس کی تمب نہ لائے گا۔ فوجوان کے بار بار اصرار پر حضرت عیسیٰ نے اس کے حق میں دعا کی اور اپنی رولہ جب حضرت کا اس طرف سے گزر ہوا تو انہوں نے اس فوجوان کو دیکھا کہ وہ حیرت کے عالم میں کھڑے انداز میں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ حضرت عیسیٰ اس کی یہ حالت دیکھ کر بڑے حیران ہوئے، اتنے میں جبریل آئے اور کہنے لگے "اے روح القدس! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ہماری محبت کے دریا میں فرق ہے لہذا اسے معذور گنا چاہیے" یہ واقعہ سن کر برہان الدین نے عرض کی کہ حضرت آپ بھی عیسیٰ دوران ہیں، میرے لئے بھی ایسی دعا کیجئے۔ سلطان جی نے فرمایا:

نیکو چیز خواستی ویکو دقت خواستی

قول ہر دہم : در بیان آداب توکل و مبر و تحمل و فاقہ و فقر حضرت فرماتے ہیں کہ سلطان جی کی خانقاہ میں ایک مسافر آیا اور

قول ستر دہم : در بیان صدق و صفا

حضرت برہان الدین فرماتے ہیں کہ جو شخص جھوٹ سے احتراز کرے گا، وہ جو بات زبان پر لائے گا ویسا ہی ہوگا۔ اس منہ میں انہوں نے بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور دامن عثمان کی خط و کتابت کا بھی ذکر کیا ہے۔

قول چہار دہم : در بیان تاثیر اصحاب محبت

جاس عطفات : حضرت برہان الدین کے حوالے سے کھتے ہیں کہ ایک مسلم حضرت صدر الدین عتافیؒ کو بڑھانے پر مامور ہوا۔ ایک ولی استاد و شاگرد کے درمیان کسی مسئلہ پر بحث ہو گئی۔ دوران بحث حضرت صدر الدین نے فرمایا "اے سکنہ از بابا" حضرت بہا الدینؒ نے فرمایا "اے استاد نے کہا اے اس میں کلام ہے۔ صدر الدین نے فرمایا "بابا از شیخ الشیوخ (شہاب الدین عمر سہروردی) شنیدہ است" استاد نے پھر کہا "اے کلام فید" صدر الدین نے اپنے والد بزرگوار سے استاد کی شکایت کی۔ حضرت نے فرمایا کہ استاد نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ اس سے دو گزر کرتے ہیں لیکن شیخ الشیوخ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اسے صاف نہیں کر سکتے۔ حضرت نے فرمایا "ایک غلام کو بلا کر کہا کہ استاد کا ہاتھ پکڑ کر اسے جماعت خانہ میں لے جلتے اور حاضرین کو بتا دے کہ وہ تہجد کھانے کے لائق ہے حضرت نے فرمایا کہ کہنے کا یہ اثر ہوا کہ اس واقعہ کے بعد وہ مسلم جس مجلس میں جلتا وہاں

اس قول کے تحت حضرت برہان الدین نے حفظ ایمان کے لئے دو گانہ پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ نماز مغرب کی سنتوں کے بعد یہ دو گانہ پڑھنا چاہیئے۔ اس کی ترکیب یوں ہے کہ پہلی رکعت میں سات بار سورہ فاتحہ اور ایک بار قل آغوش رب الناس پڑھے۔ سلام پھیرنے کے بعد تھیں یا سات بار یا حتی یا تیمم یعنی علی الایمان کہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ سلطان جی کما کرتے تھے کہ اس پر عمل کرنے والے کا ایمان سلامت رہے گا۔

اس قول کے تحت حضرت برہان الدین نے نماز کو ثمرہ نماز، رشتائی قبر، نماز برائے بدخشی چشم، صلوۃ العبادت، صلوۃ برائے کفایت مہمت، صلوۃ برائے افزادون عقل، صلوۃ الخضر، صلوۃ اشراق، صلوۃ چاشت، صلوۃ زوال، صلوۃ برائے حصول سعادت و ابراہین صلوۃ برائے ادائیگی حقوق والدین، صلوۃ برائے حصول ثواب شب قدر اور قبر میں پہلی رات کو مومن بننے کی نماز پڑھنے کی ترکیبیں بتائی ہیں۔ اس طرح انہوں نے مختلف قرآنی مہینوں میں پڑھنے کے لئے درود وظائف بتائے ہیں۔

قل بیت و ششم : درآداب محل سماع

حضرت برہان الدین سماع پڑھے، ذوق و شوق کے ساتھ سنا کرتے تھے۔ اس قول کے تحت انہوں نے سماع سننے کے آداب بتائے ہیں۔

چند روز وہاں رہ کر شہر چلا گیا۔ شہر میں اس کے کئی رشتے دار رہتے تھے لیکن وہ ان میں سے کسی کے ہاں نہ ٹھہرا اور مسجد میں جا کر توکل کی نیت کر کے بیٹھ گیا۔ کئی روز گزر گئے لیکن کسی نے اس کی طرف توجہ نہ دی آخر کار وہ بھوک سے نہ حال ہو کر سلطان جی کی خدمت میں آیا اور ان سے سوال کرنے لگا کہ اگر متوکل کو پہلے دی کچھ نہ ملے تو وہ کیا کرتے سلطان جی نے فرمایا : صبرہ جس نے پوچھا اگر دوسرے روز بھی کچھ نہ ملے تو پھر کیا کرے؟ انہوں نے ارشاد فرمایا : صبرہ صاف نہ کہہا کہ اگر تیسرے روز بھی کچھ نہ ملے تو؟ سلطان جی نے فرمایا اس کا توکل نہیں تھا کیونکہ جو شخص خدا پر تکیہ کر کے بیٹھ جاتا ہے خدا نے فراموش نہیں کرتا۔

قل بیت و یکم : در بیان فضیلت اتفاق و احسان
حضرت فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے سلطان جی سے سوال کیا کہ فقیر صابر اچھا ہے یا غنی شاکر؟ انہوں نے جواب دیا کہ دونوں ہی اچھے ہیں۔

حضرت برہان الدین نے اس ضمن میں بایزید بسطامی کی کئی ایک مثالیں دی ہیں اس کے علاوہ درود وظائف پڑھنے اور نقلی مذاہب اور کرنے کے کئی طریقے بیان کئے ہیں۔

قل بیت و پنجم : در بیان وضو و نماز و نوافل و اوراد

حضرت برہان الدین فرماتے ہیں کہ سماع میں شیخ پسے کھڑا نہ ہو اسے چاہیے کہ جب تک حاضرین میں سے کسی کو وجہ نہ آئے وہ خود پر وجہ طاری نہ کرے۔ ایک روز محفل سماع میں حضرت برہان الدین کی حالت غیر ہو گئی اس کے باوجود انہوں نے آداب محفل کا خیال رکھا اور اپنے ایک ساتھی خواجہ مبارک معروف سے کہا کہ وہ پہلے آئے جب وہ اٹھا تو حضرت بھی اٹھ کر وجہ دیکھنے لگے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ جب بابا فرید الدین گنج شکر کو حال آتا تو موصوف اپنے ایک مرید محمود سے کہتے ہیں "کیا تو ذمہ ہے؟ محمود کھڑا ہو جاتا تو پھر بابا صاحب بھی کھڑے ہو جاتے یہ صحت فرماتے ہیں کہ دوران وجہ شیخ کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ اس کی دستار نہ کھٹے پلٹے۔ اگر ایسا ہو جائے تو وہ فوراً اسے درست کرے ورنہ شہر پر آفت آجائیگی۔ ایک بار دوران وجہ سلطان جی کی دستار کھل گئی تو انہوں نے فوراً اسے درست کر لیا۔ ان کے کسی مخالف نے کہا کہ اگر ان پر حالت طاری تھی تو پھر انہیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ ان کی دستار کھل گئی ہے اور اگر انہیں معلوم ہو گیا تھا تو پھر حالت یہی تھی؟ سلطان جی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ انہیں شکر پریشانی پسند نہ تھی، اس لئے انہوں نے حال چھوڑ کر اپنی دستار سنبھال لی تھی

موصوف فرماتے ہیں کہ سماع میں منکر اور گریہ ہونا چاہیے اور یہ فتنہ ہے۔ سماع کے دوران میں سماع یا منصور ہے۔ وہ محفل سماع میں گوش و ہوش کے ساتھ بیٹھے اور پانی پینے یا پان کھانے سے احتراز کرے یہ

حضرت فرماتے ہیں کہ بے نیت ہاتھ اٹھانے والا درویش سماع نہ سنے۔

حضرت نے ایک دن اپنی مجلس میں فرمایا کہ ایک بار سلطان جی کے ہاں سماع جاری تھی اور ان کے مریدوں پر وجہ طاری ہر ہا تھا۔ اسی حالت میں حضرت مطہر میں تشریف لے گئے۔ انہیں اس وقت بڑی سخت پیاس لگی ہوئی تھی، مطہر میں موجود کسی شخص نے شربت کا گلاس پیش کیا تو حضرت نے فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مرید تو محفل سماع میں اپنا خون پیتیں اور وہ شربت فروش کریں؟

حماد کاشانی اس پر شاہد ہے کہ ایک بار سخت گرمی کے موسم میں حضرت برہان الدین کے ہاں محفل سماع جاری تھی اور لوگوں کو وجہ آ رہا تھا۔ حضرت نے دیکھا کہ محمود ترک ایک حوض کے کنارے کھڑا ہوا کھا رہا ہے۔ حضرت نے اسے مخاطب کر کے فرمایا "اسے ہے ذوق درویشان در خونا بہ اندر تو باو میزنی؟"

۱۔ حسن القول

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً ورق ۴۵ الف

۱۔ حسن القول، ورق ۴۵ ب

۲۔ ایضاً ورق ۴۵ الف

۳۔ ایضاً

حضرت فرماتے ہیں کہ سماع کے دوران میں علیک علیک نہ کی جائے اور شر و شنب سے بھی اجتناب کیا جائے اس لئے سماع کے لئے کوئی دن مقرر کرنا چاہیے، اور وہ جگہ تباہ ہو جائے گی یہ

حضرت برہان الدین کے محفوظات میں کل ۲۹ اقوال ہیں۔ میں نے ان سب کا ذکر نہیں کیا اور بعض اقوال کو غراہم کچھ کر چھوڑ دیا ہے۔ جو اقوال میں نے چھوڑے ہیں ان میں فضیلت تجرید از خلاقی ضیلت اصحاب قاعد مذمت طبع، علم ہمت، لغت حرام، مذلت حرم و شہوت، ضیلت صدقہ، وضو و نماز، قبول فتوحات از سردمان اور کرامت مخلوق شامل ہیں۔

اردو کی ابتدا

حضرت برہان الدین کے محفوظات میں کھٹ، ڈولہ، کچڑی اور چمبر جیسے ہندوئی الفاظ ملتے ہیں جو روزمرہ کی گفتگو میں شامل تھے ایک جگہ انہوں نے ایک شعر بھی نقل فرمایا ہے۔

ایک علمی انکشاف

حضرت برہان الدین کے محفوظات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوا کہ جامع محفوظات کے بھائی خواجہ عبدالدین کاشانی نے حضرت برہان الدین کے حالات میں، غرائب الکرامات و عجائبات الکاشفات کے عنوان سے ایک کتب لکھی تھی یہ

۱۔ احسن الاقوال مدق ۴۲ ب

۲۔ ایضاً مدق ۴۶ الف

پنجاب اور دہلی میں امن وامان کی غیر

قسطی بخش صورتحال

حضرت کے محفوظات میں جائز یا سامان گم ہونے کے کئی واقعات ملتے ہیں جس سے یہ سرسچ ہوتا ہے کہ پنجاب میں امن وامان کی صورت تسلی نہیں تھی۔ پنجاب تو خیر ایک دور افتادہ علاقہ تھا، خود دار حکومت دہلی کی یہ حالت تھی کہ شرار فیث پور کے درمیان سفر فرما رہے تھے۔ حضرت گیسو د راز کے محفوظات اس کے بعد قلمبند ہوئے ہیں۔ ان میں یہ مرقوم ہے کہ میوانی لوٹ مار کرتے ہوئے دہلی کی فضاں تک جاتے تھے اور ان کے خوف سے لوگ نماز عصر کے فوراً بعد شہر میں آ جاتے تھے یہ سلطان فیث الدین بلبن نے میوانیوں کی لوٹ تھام کے لئے جو اقدامات کئے تھے، اسس کے جانشین انہیں برقرار نہ رکھ سکے۔

۱۔ محمد اکبر حسینی، جوامع الکلم، مطبوعہ کانپور ۱۳۵۶ھ ص ۲۴۹، دہلی ایام

میوانی ہی آئندہ سیزند میروند، نماز و دیگر بلائی حوض سلطان کسی کی باشد

ہر درویش شہری آئندہ

جیسی زندگی بہت کم تھی کہیں وہاں علم موسیقی پر بھی تھوڑا ذوق نہ ہو بلکہ معروف
الاطلاق اور غنیۃ المنیۃ جیسی قابل قدر کتابیں درجہ تحریر میں آئیں۔ جو پندر
کی شرقی حکومت کے تاجدار سلطان ابراہیم کا اکثر بیشتر وقت اسی شوق کی غور
جنا تھا۔ اس نے فن موسیقی پر مسکرت زبان میں شرقی سنگیت کے
نام سے ایک کتاب بھی مرتب کی تھی جس میں اس فن لطیف کے رموز و امرار
پر بحث کی گئی ہے۔ اس کے بچے سلطان حسین کو اس فن میں بڑھکا و درجہ
مال تھا اور اس نے خیالی، جو پوری، حسین کا بہار اور حسینی ٹوڈی جیسے رنگ
ایکادے کے اکثر موزیوں نے اپنی کن لوں میں سلطان حسین شرقی کا ذکر

شاہان مغلیہ کا ذوق موسیقی

برصغیر پاک و ہند کے اکثر حکمران فن موسیقی میں بڑی دلچسپی لیتے رہے
ہیں۔ حضرت امیرین کی تبارہ سلطان جلالت الدین غزنوی اور تغلب الدین سیارکت کا
اکثر وقت اسی شغل کی غور جتنا تھا۔ سلطان محمد بن تغلق کی ایسی مقدار پر موجود
ہیں جن میں وہ تخت پر بیٹھا کینڑوں کے گھانے سے محفوظ طور پر رہا ہے۔ سلطان
نیروز شاہ تغلق کے عہد میں اس فن لطیف کی بڑی ترقی ہوئی اور چہل
علم ہر فوٹا ذوق نیروز شاہی، فارسی تار خانہ یاہ اور فقہ فیروز شاہی

ملہ غلیق جو لفظی معنی ہیں دلی کے ملے رہا تھا۔ مہر علی گڑھ ۱۸۵۷ء، ص ۱۸۸۔

ملہ ضیا الدین برقی تاریخ فیروز شاہی، مہر علی گڑھ ۱۸۵۷ء، ص ۲۷۔

ملہ ایف جلد ۲، ص ۲۱۶۔ مہر علی گڑھ ۱۸۵۷ء۔ مہر علی گڑھ ۱۸۵۷ء۔

ملہ آغا محمد حسن، دکن اینڈ کن گھری غلیق، مہر علی گڑھ ۱۸۵۷ء، ص ۱۳۔

۱۷ مئی ۱۸۵۷ء، تاریخ فیروز شاہی، مہر علی گڑھ ۱۸۵۷ء، ص ۱۶۔ سلطان فیروز

تغلق کے عہد کو ذکر کرتے ہیں کہ غلیق گھانا ہے۔ کا مہر علی گڑھ ۱۸۵۷ء، ص ۱۶۔

فیروز شاہ خرو سل برابہر و کردہ از سر بہر علی گڑھ ۱۸۵۷ء، ص ۱۶۔

THE MUSICIAN KING OF JAUNPUR کے عنوان
کے تحت کیا ہے۔ یہ کثیر کا سلطان زین العابدین جی موسیقی کا چارہریت
تھا۔ مورخ کثیر علی محمد دین فوق تاریخ بدشاہی میں درجہ ان میں کہ سلطان
زین العابدین کو ساز و دوسے بڑی رغبت تھی اور وہ اس فن کو خوب
جانتا اور راگ کی ماہیت کو خوب سمجھتا تھا۔ اس نے دعو اور غلیق جیسے
مغنیوں کو جو صاحب تصانیف اور کن راگ راگینوں کے سوجھتے اور
کثیر علی اور ان کی خوب آواز جگت کی تھی۔ اس کے ایک درباری پندت

۱۷ مئی ۱۸۵۷ء، تاریخ فیروز شاہی، مہر علی گڑھ ۱۸۵۷ء، ص ۱۶۔

۱۷ مئی ۱۸۵۷ء، تاریخ فیروز شاہی، مہر علی گڑھ ۱۸۵۷ء، ص ۱۶۔

۱۷ مئی ۱۸۵۷ء، تاریخ فیروز شاہی، مہر علی گڑھ ۱۸۵۷ء، ص ۱۶۔

۱۷ مئی ۱۸۵۷ء، تاریخ فیروز شاہی، مہر علی گڑھ ۱۸۵۷ء، ص ۱۶۔

۱۷ مئی ۱۸۵۷ء، تاریخ فیروز شاہی، مہر علی گڑھ ۱۸۵۷ء، ص ۱۶۔

بابر نے بھی اپنی ترک میں مصلحتاً بنائی کے ماہر موسیقی ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ بابر کے عہد میں ہرات میں غلام شاہی، مضافہ حاجی، عبداللہ خان محمود، قلی محمد وری، اسحق خانی اور علی شیرکج جیسے باکمالی اور مستعار موجود تھے۔ بابر نے ابن سب کے کمالی فن کا اعتراف اپنی ترک میں کیا ہے۔
مادر الزہراء بابر کے حریف عبداللہ خان ازبک کو فن موسیقی میں بڑا کمال حاصل تھا اور اس کی مرتب کردہ و حسن بن غلام میں بے حد مقبول تھیں۔ حیدر و غلام کا کہنا ہے کہ وسط ایشیاء کے خبروں اور مقبول میں غلام اس کی ترتیب دے ہوئے تھے اس پر پھر تھے اس کا حال میں رہتے ہوئے باہر کو بھی موسیقی سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اور ترک بجزی کے بعض انداز اجاگر سے یہ الفاظ جو تھے کہ وہ موسیقی کے زیر و بے کا حقدار واقع تھا۔

تاریخ کی روش گواہی سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانوں مردوں کی خصوصیتوں سے
 کافی ہواؤں کا انکار اس کے دلی میں علمی فرق ہر وقت مجرب رہتا تھا۔
 نے جنت میں دو دن ہر سبقت سے لطف اندوز ہونے کے لئے وقف کر دیے
 تھے۔ غلامیہ میریٹ کے مختلف دول میں ہمارے کی معروضیات کا ذکر کرتے
 ہوئے درخشاں ہمارے شہر کے فہر میں لکھتا ہے۔

۱۱۳۳

ملك الجبل، من ١٩١٠، ١٩٢٠، ١٩٣٠

تہذیب و ادب کے نام پر رشتہ داری، غلط فہمیوں کی بنیاد پر کشیدہ جھگڑا، اور حق و باطل کا

”ہی سنان و ماخراہ اہل عرب از تصنیف سعادہ مست -“

دیکھو چند روز پہلے امانی لڑکی کی صحبت
 وائٹنڈ پائمنز کی شہادت والی سڈ
 واکلرز دیو پارسیمپ ورنیمسٹ
 محمد علی

یہ دونوں بادشاہ قریب کیہ جو افسانہ کی
 صحبت میں بسر کرتا اور ملک کے
 ملازمین سے دغلی کی بارونق
 دود مال کرتا تھا۔

شاہی دربار کے علاوہ کبھی کبھی شاہی حرم میں منگھٹاں کی موجودگی میں مجلس طلبہ منعقد ہوا کرتی تھی جس میں — ساز لہا و گونہ ہوا — اپنے فن کا کمال دکھا کر سوتے تھے۔

مراتب سکندری کی روائت ہے کہ فرج نادر کے بعد بہاولیوں میں احد جنگی قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا تھا، اتفاق سے ان میں سلطان بہادر شاہ گجراتی کا درباری گویا بھی موجود تھا۔ اتفاق سے ایک ہندو راجہ کا دوسرے گزہر ہوا اور اس نے جنہو کو بھال لیا۔ راجہ نے بہاول سے اس کی جلد بھٹی کی سفارش کی، بہاول کا ایک درباری خوشحال جنگ توہر جی جو ایک بادشاہی بہادر شاہ کے دربار میں بہاولی کا امین بن کر گیا تھا، وہ جنہو کے مقام سے واقف تھا۔ اس نے بھی موقع ملے تو جنگ کے بہاول سے کہا کہ جنہو کا رشتہ بادشاہ لولیان سے ہے۔ بادشاہ نے جنہو کو کچھ سنا ہے۔ مگر حکم دیا کہ جنہو نے بادشاہ کا اشارہ پاسے ہی بے غل بھجوری ۱۱

مفت خاندان میر، قاضی مجاہدینی، محبوبہ کلکتہ سنہ ۱۹۴۱ء ص ۳۸

ملک علی بن بکر، ہاپوں نامہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء، ص ۱۸۶

۲۵۰ مسکن بن محمد، مرآة سکندری، مطبوعہ مبعی سنۃ ۱۲۹۰ھ

کے نام کے اور تبار تین کا گزشتہ
مگر کہ زندہ کی خلق را در باز گشت

منہج کا نام ہے جس سے تبار ہی ہوں کا خفہ منہج اور گیا اور اس
نے مرغ بے بس ہوا کہ ریزہ بیا سوس زیب تن کیا۔ بعد ازاں منہج کی سفارش
قبول کر دیتے ہوئے ہما یوں نے تمام قبیلوں کی رہائی کا حکم دیا۔
ہما یوں نے منہج کو اپنا مقرب بنا کر انعام و اکرام سے نوازا تا مخرج
کیا لیکن اس کے باوجود وہ موقع پا کر بھاگ نکلا اور ہار شاہ کے پاس
جا پہنچا۔ ہما یوں کو اس کے فرار کی خبر ملی تو اس نے بے ساختہ کہا۔

کہ بھئی اور ہما یوں انصاف و اقاما یہ اس کی بد بختی تھی جو اس نے
ابن قدر لواز میں فرمود کہ ایسا کیا و نہ ہم اسے اتنا انعام و
ہرگز سلطان ہما دریا و غنی کریم دیتے کہ وہ سلطان ہما در شاہ
آورد۔

سکندر بن محمد کی رداست ہے کہ جب منہج ہما یوں کے دربار سے
بھاگ کر سلطان ہما در شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے ضرورت
کے ساتھ کہا۔

دیگر مرا آند و غی غافلہ آنچه از اب میری اور کوئی خرمش نہیں رہی

شکستہ منہج از خون مرآت آفتاب نہ مخطوطہ جناب ابو نصر سی و فیروز خان

نادر سی ۶۲، دوق کتابت

۶۵ مرآت سکندری، ص ۲۵۰

خدا علیہ السلام میں رسالہ

موسیقی کی سر پرستی میں صوفیائے کریم بھی بادشاہوں سے کسی طرح
بچے رہتے۔ شاہی درباروں کے باہر صوفیائے کریم کی خانقاہیں موسیقی
کا سب سے بڑا گونہ بھی جاتی تھیں۔ ہما یوں کے عہد میں حضرت شیخ
عبدالقدوس گنگوہی حضرت سلسلہ کے سربراہ تھے اور آپ کثرت کے ساتھ
سماعت سنتے تھے۔ لطف اللہ قدوس کے اندراجات سے یہ معلوم ہوتا ہے
کہ آپ پر ہر وقت جذب و سحر کا عالم طاری رہتا تھا۔ آپ کے صاحبزادے

تھا بیضا، خروف، و۔ سکندر بن محمد نے اس گونے کا نام منہج لکھا ہے۔

دروازہ سکندری، ص ۲۵۰

ب۔ ہما یوں کے مورخ علامہ برہی نے بھی اس کا نام منہج ہی لکھا ہے۔

دہلیوں بادشاہ، مسعودی، ص ۱۳۶

ج۔ شاہ سوز خاندان نے اس کا نام منہج لکھا ہے۔

مرآت آفتاب، دوق کتابت

د۔ عیدیکہ یعنی نے بھی اس کا نام منہج لکھا ہے۔ ان کے خیال میں اس نے ایک قوی ہما

ابا کی کسی جوشن ہما در شاہ کے نام کی رداست سے ہما در شیخ شہر

دوسری بزرگ آفت آند و غی غافلہ، ص ۶۵

ک۔ امیر علی شہزاد نے اس گونے کا نام منہج لکھا ہے۔

رنے شامت ہمزئی آن سلم بدل این ذلک مخطوطہ دارا، ص ۶۲

و۔ منی محمد کریم امین خان کے خیال میں اس کا بھی نام منہج ہے کیونکہ راجہ مان سنگھ خوسے

نکھڑی ہیں ایسے ہی لکھا ہے (دوسری موسیقی، مسعودی، ص ۶۶)

رقعہ از جن کہ ہم سے والد ماجد کی شادی کی تحریب میں جو نبی و انبیوں نے یہ وہ بڑا گناہ کیا۔

کہو کہ یہ کھول دینا منہ دیکھا نور کا
اس کو گفت کی کارل مشہر ہا تھوڑی

حضرت قطبی را حال دہد فاب آمد حضرت قطب صاحب میں سوز و غم
و سوز عشق پیدا شدہ از محبت پہنچا اور کپ و جد میں آگے اور کسی
عروسی افتادہ و در قرآن حدیث عالم میں سند عروسی سے نیچے گویے کہ
فرمودند و جاہ عروسی بہانہ ستا نے فی القدر اپنے عروسی جوڑی ایک کر لیا
پارہ پارہ کہہ دیا

شیخ عبدالقدوس گلوچی کے ماسٹر زونل نے ان کی شہادت
کے لئے جماعت خاندان کے محکم میں ایک چھپر ڈال دیا تھا اور کسی کے نیچے
اکثر مجلس سماج منعقد ہوا کرتی تھی اور آپ سماج سنتے سنتے وہ میں اگر
رقص کرنے لگتے بیٹھ رکن الدین نے لطائف نمودی میں ایک مجلس سماج
کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

نمودت ال از گجرات آمدہ نور جان نمودت ال از گجرات سے مد گورہ آیا اور
ساعت حاضر شدہ و بود گفت اسی نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔
حضرت قطبی را صاحب بسیار و در جد نمودت ال از گجرات کی جسے سن کر
یک کمالی پیدا شدہ آن چھر را از محض حضرت قطب صاحب کی حالت
جماعت خاندان کے کہہ بدلی

قلہ شیخ نیک الدین و لطائف قدسی، محبوبہ دہل ۱۳۱۷ھ، ص ۱۶

اور اخگر دوسرے رقص و توجہ عالم میں آپ نے ہر جماعت خاندان کے
شہر سے اکھاڑ کر باہر صیغہ عالم میں رقص کرنے لگے۔

چنچن اس کا اعتراف بڑے فخر کے ساتھ کرتے ہیں کہ سماج کو عام
کرنے میں شیخ عبدالقدوس گلوچی کا بڑا ہاتھ ہے۔ اس طرح سہروردی چنچن
کا یہ کہنا ہے کہ ہر صیغہ پاک و دینا میں موسیقی کی ترویج میں حضرت شیخ
بہا و الدین زرکی کا کوششوں کو بڑا دخل حاصل ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے
کہ شیخ موصوف زرکی کے زیر و سط کا حق و رائق ہونے کے علاوہ
اس فن کے بڑے سرپرست تھے۔ شاہنواز خان حضرت کے کمال فن کا
اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

ایشان رقص و تانی ماسی را در جماعت حضرت بہا الدین زرکی نے فرمائی اور انکی
راغم فزودہ ملاتی جماعتی نامیدہ اندہ بعد جماعتی کو کراہی کی جماعتی ملاتی
دلی مرغوب طبع حضرت خواجہ ابو فرات قطب الدین اختیار کا کی گوشت
قطب الدین قدس سرہ بودیہ مرغوب ملاتی ہے

ملاتی دہنامری کے علاوہ حضرت بہا الدین زرکی نے نئے نئے میلان ملیر
کو ملا کر گورنگ بنایا، بیراگ گجرات میں بہت مقبول ہے۔ اس طرح آپ

قلہ فیض، ص ۳۲۔

قلہ سیف ملاتی راگ درجن مخطوطہ لکھنؤ ضمیمہ شش لکھنؤ، ص ۱۴۲ الف
میں شاہنواز خان، مرثیہ کتب خانہ مخطوطہ نجیب الدین لکھنؤ، ص ۱۴۲ الف
کتبہ مائت ملی، تاریخ مصلحہ ذکر فضائل مہنستان، محبوبہ دہل ۱۳۱۷ھ، ص ۳۰

یروان سیدنا حسینؑ اور حضرت سید شاہ جمالؒ کے نام پیش کئے جاسکتے ہیں
ہمدردی و روائے ہے کہ موسیقی جب تک دہشتی کے کھٹے ٹھک نہیں سکتی
تھی اُس وقت تک اسے ایک پاکیزہ فن سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی
کہ بڑے بڑے خداسید و درویشوں نے اسے پروان چڑھانے میں
اپنی عمری صرف کر دی اور اسے اپنے لئے بالکل غارت کیا۔

عہد ہالوں میں حضرت محمد علی گزالیاریؒ کی خافتادہ موسیقاروں
کا جادو وادی تھی۔ تان سین کے والد بکر ندائے کو حسرت کے ساتھ
بڑی عقیدت تھی، اسی ناہمسائے تان سین کو بھی یہی میں حضرت کے
پاس چھوڑ دیا تھا۔ حضرت نے کمالی شفقت سے اس کی پادش کی اور
ناہر اساتذہ کی نگرانی میں اُسے موسیقی کی تعلیم دلوائی اور یہ حضرت
بی کا فیضان نظر تھا کہ تان سین ہندوستان کا موسیقار اعظم کہلایا اور
اور افضل ہو گئے۔ پھر ہوا کہ گزشتہ ہزار سالوں میں اس کی نظیر ہندوستان
میں نہیں ملتی۔ تان سین کے علاوہ عجوبہ دوسرے کی کریمت میں بھی حضرت
محمد علی گزالیاریؒ کا جادو ہے۔

راجہ جی سنگھ اور رائے گوالیار کے درباری گرسے ناکب بخش کا اڑتانی
برچکا تھا البتہ اس کی بیٹی جہدیر بائول میں بیدہ حیات تھی۔ وہ فنِ موسیقی

شعبہ ایچ، ص ۷۷

قتبہ برادرشہر سہا محمد نے تان سین کا شمار حضرت محمد علی گزالیاریؒ میں کیا ہے
۱۰۰۰ عہد جہان کی تاریخ، شاہ محبت گزالیاریؒ کی مکتوبہ برادرشہر ص ۱۰۰۰
شعبہ اہل فن، آئین کبریٰ جلد اول، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۷۲ء

نام کی سپاس اور گندھاکہ ذکر گو جری راگ بنایا۔ محمد اشفاق علی خان نے
ملتان کی راگ کی ایجاد بھی آپ ہی کی طرف منسوب کی ہے۔ ان راگوں کے
ملاحظہ آپ نے پیدا اور دہنا سری کو ملا کر پیدا دہنا سری راگ ایجاد
کیا۔ بہرین موسیقی کے ان بیانات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی
ہے کہ حضرت ہمداد الدینؒ نے کیا اُس فنِ لطیف میں جہد کا درجہ رکھتے تھے۔
ہمارے خیال میں موسیقی ایک لطیف فن تھا اور صوفیائے کرام کی
خافتادہ میں موسیقی کو فلاسفی روح سمجھ کر سنا جاتا تھا۔ ایک ماہر موسیقار
جناب شمس کنول اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،
موسیقی موزون لطیفہ میں ہے ایک بڑا لطیف فن ہے جس سے قلب انسانی
پر مختلف کیفیتیں طاری ہوتی ہیں کبھی دلِ حرمت و اطمینان میں ڈوب جاتا ہے
اور کبھی اس میں برش و سرور پیدا ہوتا ہے اور اس طرح انسان کے
مختلف جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں، صوفیائے کرام اور صوفیاءِ کمالوں
کا عہدہ موسیقی کو تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ بڑے
بڑے صوفیائے کرام نے موسیقی کی نوک پاک سناؤنے اور اسے
ہامہ روح کہہ کر بنیائے میں اپنا حزانِ لبیدہ ایک کر دیا ہے۔ اس ضمن
میں گوٹوالہ ذکر دو کونل نندوں کے علاوہ امیر خسروؒ، صوفی ہمداد الدینؒ، بلوکی
صوفی شہر علیہ، محمد عزت گزالیاریؒ، شیخ پیر محمد علیؒ، نظام الدین مدہ ناکب،

۱۰۰۰ عہد اشفاق علی خان، مکتوبہ برادرشہر نظامی پریس لکھنؤ، ص ۷۷

۱۰۰۰ عہد ایضاً، شاہ شہناز خان، محرومت آداب نامہ، ورق ۲۵۹، اہل

۱۰۰۰ عہد شمس کنول، ہمداد الدینؒ، ماہنامہ آفاق، دہلی، موسیقی پر گزشتہ ۱۹۷۲ء، ص ۱۰

گواہی میں راجہ بانی سنگھ خوار کی روایت کو ذمہ رکھا اور گویوں کی تربیت میں بطور حشر کر دیتے تھے۔ اس کے باوجود سب سے پہلے کا اور کیا جوہر ہو سکتا ہے کہ وہاں بڑے اور بڑے تان سین جیسے موسیقاروں نے اس کے سامنے ناف نہ تھکے تھے۔

اگر کا اور بابر کو موسیقی کا گہوارہ معلوم ہوتا تھا۔ ابو الفضل نے نقل کیا ہے کہ قند عالم حسن نے یہ خاص تصور دیا ہے اور ہر موسیقی دان کے سر پرست و مقرر ہیں۔ بشتا، ہندی، ایرانی، تورانی اور کشمیری لفظ ہر زبان پر لگا ہوا ہے جس میں میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں۔ چنانچہ انہوں نے وہ باری گویوں کو صحت گرد مولیٰ میں تقسیم فرمایا ہے اور ہم گروہ جیسے میں ایک روز ماہرینہ کہ اپنے کام کو کرتا دکھاتا۔ اور سماعین کے گلوں کو کافوں کے ذریعے سے باد و معرفت کا موزاں بنا کر کسی کو صحت اور کسی کو ہوشیار کرتا اور ابو الفضل کے بیان کے مطابق چھتیس گونے اور ساڈھ سے شاہی دربار میں ملازم تھے ان میں سے گانے والوں میں میاں تان سین اور اس کا بیٹا تان سنگھ خان و سبھاں خان اور اس کا بیٹا بھیر خان، ملا علی اور اس کا بیٹا علی رحمت، بلہرام داس اور اس کا بیٹا سورداس، سرد خان، داؤد و مرگیاں خان، میاں چاند، محمد خان، میاں لال، چاند خان، نانک جی اور رگ سبھن جیسے طوطے شہسود تھے، اسی طرح بطور ہجائے میں استاد و محمد حسین، استاد و یوسف،

محمد علی، شاہجہان کا ذوق موسیقی، مطہر و مدد نامہ موز، اور راج سنگھ، ۱۹۳۱ء، ص ۲۵۷۔
اپنے وقت میں ہندی موسیقی میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا اور اس کا زیادہ تر وقت شہسود اور گونوں کی صحبت میں ہی گزرتا تھا۔

محمد علی، شاہجہان کا ذوق موسیقی، مطہر و مدد نامہ موز، ۱۹۳۱ء، ص ۲۶۳۔

میں اپنے باپ کی طرح جانشین بھتی جاتی تھی۔ اس کے ماہرین ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ہندوستانی کا سرعقاہ و مہتمم تان سین اس کا شاگرد تھا۔

ہمالیوں کے عہد حکومت میں ہندوستان میں دو بارے جتنا کے کتا سے ایک خداریہ ہندو باہری داس رہتا تھا جسے موسیقی پر مکمل دسترس حاصل تھی اور جسے بڑے سرعقاہ اسے استاد بن سیم کرتے تھے۔ اس کے باوجود سب سے پہلے کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ علاوہ میں تان سین کا نام بھی لگتا ہے۔

موسیقی کی تاریخ میں ہمالیوں کا دور حکومت اس لئے بھی اہم ہے کہ اس کے عہد میں ایران سے کئی نامور موسیقار ہندوستان آئے اور وہ اپنا طرز اسلوب بھی ساتھ لائے۔ مثلاً ہندوستان کے موسیقاروں نے ان کے ساتھ ہی کہ ہندوستانی موسیقی کو ایرانی سرچنے میں فعال کردہ ہے ہندوستانی موسیقی کی بنیاد رکھی۔ اور اسی بنیاد کو بعض ہندو موسیقاروں نے ایک تاریخی اتفاق کا نام دیا ہے۔

ہمالیوں کی ہندوستان سے مدد دہنی کے دوران اسلام شاہ موزی کے جانشین محمد عادل شاہ نے موسیقی کی شمع کو کچھ سے بجایا۔ وہ موسیقی کا سرپرست ہونے کے علاوہ خود بھی بڑا اچھا گریا تھا اس نے اپنے پائنت

محمد علی، شاہجہان کا ذوق موسیقی، مطہر و مدد نامہ موز، اور راج سنگھ، ۱۹۳۱ء، ص ۲۵۷۔
محمد علی، شاہجہان کا ذوق موسیقی، مطہر و مدد نامہ موز، ۱۹۳۱ء، ص ۲۵۷۔
محمد علی، شاہجہان کا ذوق موسیقی، مطہر و مدد نامہ موز، ۱۹۳۱ء، ص ۲۵۷۔

شاہی تقریبات اور جشنوں کے موقع پر ناگ و رنگ کو بڑی بہت
دی جاتی تھی۔ ابو الفضل رنطراز ہے کہ ان موقعوں پر میر کے آغاز پر
نقارے بجائے جاتے تھے اور ارباب نشاط اپنی لہو مرانی اور ساز
نوازی سے ہنگامہ مین برپا کر دیتے تھے۔ ہمدان کا مستبدہ اذان
مؤذن ملا نظام الدین احمد حبیب رنطراز کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہمدان
معدن شعب میں دو ہزار سچس میں شرکت کرتا اور اس کے ساتھ اپنی
اور ہندوستانی گونجے ہوئے تھے۔ طبقات اکبری کے ہمدان حیات سے
معلوم ہوتا ہے کہ میر حبیب کے موقع پر ہمدان رنطراز پیش ہونے لگے تھے جن
خصوصاً کراکرا کر فریادیں سن کر موسیقی فرنگ سن کر محفوظ ہونا بھی ثابت
ہے۔

ہندوستانی، ایرانی اور غیری موسیقی کے علاوہ فرنگیوں کی آمد رفت
کے بعد اکبر نے موسیقی فرنگ سننے کا ذوق بھی پیدا کر لیا تھا۔ ابو الفضل
بدایونی رنطراز ہے کہ حاجی حبیب الدین فرنگستان سے انھوں نے نامی ایک
باجہ لایا جو عجیب غریب مقامات میں شور مچاتا ہے۔ بادشاہ نے یہ باجا اہل دیار
کو دکھایا اور اسے سن کر بے حد محفوظ ہوا۔ یہ باجا ایک قدر آدم سنائی

۱۱۱۱ھ، ہمدان، جہت اہل، ص ۴۱۔

۱۱۱۱ھ، نظام الدین احمد طبقات اکبری، جلد ۲، ص ۲۰۰

۱۱۱۱ھ، حسین آزاد، دیوار اکبری، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۹ء، ص ۱۵۲

۱۱۱۱ھ، نظام الدین احمد حبیب رنطراز کے خیال میں ساز کو بدایونی رنطراز لکھتا ہے

۱۱۱۱ھ، تہذیب و تمدن اسلامی، مطبوعہ کتب خانہ، ص ۵۵

سلطان ہاشم اور استاد محمد امین و تالان بھانے میں میر عبد اللہ سادگی
بھانے میں میر سید علی احمد ہزام تلی، مرشد بھانے میں میر سید غلام
بھری بھانے میں استاد سہب، بھانے میں بڑا دھ، حافظ خواجہ علی
اور سلطان بیگ، جن بھانے میں صاحب خان اور پرہیز خان، سرنا بھانے
میں استاد شاہ محمد، تہذیب و تمدن اسلامی، بھانے میں شیخ ذوال
اپنا تالیفی نہیں رکھتے تھے۔ تاسم نامی ایک مرثیہ ساز نے رنطراز باب کے
درمیان ایک ساز ایجاد کیا تھا جسے وہ شاہی دربار میں بجا جاتا تھا۔
۱۱۱۱ھ، اکبر کے تحت ابو الفضل رنطراز ہے کہ اس آباد
مملکت کے ذی عزت و خدمت افراد کے گھر میں بھالیں پیش
منعقد کی جاتی ہیں۔ تاہم یہ ہے کہ اندرونی کنیزوں کو ساز و منہ کی تعلیم
دی جاتی ہے اور چار خوش رنگ عربیہ تاجیں ہیں اور عجیب اصول ظاہر
ہوتے ہیں۔ دوسری چار عربیہ تاجیں مرانی کرتی ہیں، ان میں سے دو
پکھا راج بھاتی ہیں اور باقی دو ایک، اسی طرح ایک عورت رباب
دوسری ڈھولک، تیسری بین اور چوتھی چتر بھاتی ہے۔ اسی طرح دو عورتیں
ہاتھوں میں چوڑوں کے تھال لیکر ان کے ارد گرد گھومتی رہتی ہیں۔
اسی ضمن میں ابو الفضل رنطراز ہے کہ قید عالم کو شلیت اور اس کے
علاوہ دیگر امور میں بشمار و تقویت حاصل ہے اور جو امور تمام عالم
کے لئے کمال غفلت کا موجب ہو سکتے ہیں وہ گیتی خداوند کے
لئے پیدا کی کا عفت ہیں۔

۱۱۱۱ھ، جلد ۲، ص ۲۰۰، ۱۱۱۱ھ، الفیاء۔

محفوظ ہیں اور امت مسلمہ روزِ نقال نے اپنی تصانیف میں اسی سے پوری طرح
 لگاؤ اٹھایا۔

تان میں کے متعلق سید عابد علی عابد تحریر فرماتے ہیں کہ اس نے کلا کی سنگیت کو ایک نیا ماس، نئی علامت اور دنیا پاگین بننا۔ اس نے راگن میں نہایت نقش و تحررات کئے اور یہ راگ ان تحررات کے ساتھ اس کے نام سے منسوب ہیں، مثلاً سیال کی ٹوٹھی، میال کی لہار، لیکن جس راگ کی بدولت تان میں کا نام کلا کی سنگیت میں ہمیشہ زلفہ سے لگا، وہ دو ماری ہے، جسے سن کر مجھے لے اکبر کہا کہ تھاکا کر دل کی سوئی جوئی قنایں جاگ اٹھتی تھیں اور بڑے بڑے کام کرنے کے بعد لے بعد مروتے تھے۔

درباری کے متعلق پروفیسر خادم علی الدین لکھتے ہیں کہ یہ اول خب
گند جانے اور آدمی ملک شروع ہونے سے کچھ عرصہ پیشتر گایا جاتا ہے
جو بنی اس کے ویسے ابتدائی مرکز۔ فی سارے سادھا، فی پاگائے۔
شروع کے چابلیں، بس کہ طبیعت میں سکون پیدا ہوتا ہے۔ اس رگ
کے سروں کے پیشتر جیسے کا زرد پتے کے پتہ تک پہنچتا ہے۔ رہنشاہ
اکر کا یہ مرغوب راگ تھا، اس کیفیت کے خوشنواں اور جیسٹیل میں دن
بھر مصروف رہنے کے بعد شاہ کا امن اور سکون طلب تھا، اسی لئے اس کی
راگ پیش کرتے تھے۔

شیخ فیصل رحمۃ اللہ علیہ اسی سٹوڈنٹ آف انٹرنیٹ میڈیکل اینڈ ایس ایس ایم وٹھس پہلی بار افسانہ لکھیں

۱۹۹۷ء میں صدر پاکستان جنرل ضیا الحق نے ایک قرارداد منظور کی جس کے تحت پاکستان میں تمام مذہبی اقلیتوں کے حقوق کو یقینی بنایا گیا۔

۱۰۔ خدام علی المین، بحوالہ ایضاً، ص ۱۰۔

مقام میں پروردگار کے ہونے کے لئے۔ ایک فرشتہ اس کے اندر بیٹھ کر اس کے ہاتھ دلاتا اور دوسرا فرشتہ باہر بیٹھ کر موروں کے پھولوں کی جڑوں پر اپنی زبان دھرتے تھے۔ اللہ اللہ! اس میں سے کیسی کیسی روح پیدا دے اور یہی حقیقی

موسیقی سن کر اگر بیک گزرتی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۹۹ء میں اگر دارالادبیت سے شکار کے ارادہ سے نکلا۔ تو پھر مسیکنی کے قریب مذاکر نام کے ایک گاؤں میں قوالی جوہری قمر اور نوال خواجہ عریب نواز کی منقبت گارے تھے۔ قوالوں کی زبان سے خواجہ کی منقبت سن کر اگر پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہیں سے اجبر کی طرف ہٹ گئی۔

اگر کے ذوقِ مریضی کے صنف میں اس باعث کا ذکر بجا نہ ہو گا کہ
 ان میں کی صحبت میں رہ کر اگر نے کلاسیکی مریضی کا بڑا اعلیٰ ذوق پیدا
 کر لیا تھا۔ اگر کے ذوق کے پیش نظر ان میں نے دہلوی کا نہروہ، دہلوی
 کلپان، دہلوی، اسدوری اور نیشنل جیسے راگِ مرثب کے بڑے
 عبدالحلیم کی تحقیق کے مطابق میاں کی ہمار، میاں کی ٹوٹی ہوئی میاں کی
 سانگ، کچی خان میں کے ہی مرثب کردہ راگِ خوش قسمتی
 سے خان میں کے مرثب کردہ راگول کے مسودات رضا فابریکی رام پور میں

۱۳۲۲ء میں بدایونی، منتخب التماسخ، مطبوعہ زکشتور، ۱۳۲۲ء، ص ۲۳۲

۱۷۸۰ء میں محمد اشفاق علی خان، شہنشاہِ ہند و بھارت نے نظامی پریس کھنڈ،

مفتی ذکری محمد علیہم دایمینز ان بھڑی آن لڈر پگک سیفک، ممبر صڈ حاکمہ سلسلہ، اس

خود دے سکے سو کے عالم تھے مگر حبیب الہی شگفتہ و شاداب لائے تھے
جوانا پرانسی کی جان تھی، باوجود علم و فضل اور شیخت فخر کے گاتے
بجاتے تھے، میں پہنچا ہاتھ در ہاتے تھے۔ جلالی فی خود اپنے متعلق
منقبت التواضع میں خط لکھ چکے۔

وقت رفتہ ولایت و سبندی میں ہندوستانی اور غیر کی افغانوں سے
و جری از شطرنج صغیر و کبر و داد بخونی واقف ہوں، اس کے علاوہ
دشمن میں ہندو کی روایت شطرنج کی کچھ بڑی بازی بھی لکھ لیا
میں ہوں، میں کجا کا بھی جانتا ہوں۔

اس زمانے میں فی موسیقی کو بڑا پاکیزہ فن تصور کرتے تھے یہی وجہ
تھی کہ گانے بجانے کا شوق جلالی فی کی اصالت کے راستے میں حاصل نہ تھا۔
جاللی فی تخیل پر بھی پیش امام تھے، اکبر کے عہد و الصدور شیخ گزالی کے
متعلق مشہور ہے کہ ان کی طبیعت مزبور تھی، ہندی گیت اور گیتوں
کی سنے آپ رکھتے تھے۔ کھان سے گراتے تھے اور آپ بھی گاتے تھے
اور اس کے ذوق و شوق میں لٹے تھے اور دیوانے تھے۔

شیخ گزالی کے والد شیخ جلالی سلطان سکندر لودھی کے استاد اور
برائے نغز گوش تھے۔ شاعری کے ساتھ ساتھ انہیں موسیقی سے بھی
بڑا لگاؤ تھا۔ شیخ مومن کی ایک غزل جس کے ابتدا فی شاعر درج ذیل

ہندوستانی موسیقی کو پر دلان چڑھانے میں تان میں نے جو خدمت
انجام دی ہیں ان کی وجہ سے اس کا نام قیامت تک زندہ رہے گا۔
ابوالفضل نے، جو خود بھی موسیقی کا بڑا ماہر تھا، یہ بھی نہیں لکھ دیا تھا کہ
گذشتہ ہزار سال میں اس جیسا گزالی اس سرزمین میں پیدا نہیں ہوا جیسا گزالی
نے اپنی ترک میں تان میں کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

تان میں کلا دنت کہ درندہ صفت تان میں کلا دنت جو بیسے والہ کا طرز
پورم بے نظیر زمان خود بودہ بکھ تان میں نے زلف نہیں اپنا کافی نہ رکھتا تھا۔
درایچ عہد و قرن معنی مثل کو دلنے زلف کی قیمت ہی کیا کہ فی تان میں
نگذشتہ ہے بھی اس جیسا گزالی پیدا نہیں ہوا۔

تان میں چکر سلطان تھا اور اس نے ہندوستانی موسیقی میں کچھ نیا
بھی کر کے اور اس پر طرہ کہ اس نے موسیقی کو ذریعہ سادش بنایا تھا،
اس نے ہندو اس سے خوش نہیں ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ تان میں
ہندوؤں کی موسیقی کے زوال کا سبب بنائے۔

انتاس علی دین جلو کھجہ کے مصداق اکبر کے مصاحب اور
سواری بھی موسیقی میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ عہد اکبر کے مشہور مؤرخ ملا
عبدالقاہر بدایونی اکبر کے پیش امام تھے۔ ان کے باوجود موسیقی کے
برائے دلدادہ تھے۔ مگر میں آزاد بدایونی کے متعلق لکھتا ہے: ملا صاحب

سنت محمد حسین آزاد، صدار اکبری، مطبوعہ لاہور، ۱۳۶۶ء، ص ۲۶۶
علاء منقبت التواضع، مطبوعہ کھٹہ، ۱۳۶۶ء، ص ۳۰۶
سنت محمد حسین آزاد، صدار اکبری، ۱۳۶۶ء، ص ۷۷

سنت ترک جہانگیری، سرمدیاد لکھن، مطبوعہ علی گڑھ سلاسلہ، ۲۰۲
لکھ ناکس نے بیروانی میں ترک ہندوستانی مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۸۴۔

سنت منقبت التواضع، مطبوعہ کھٹہ، ۱۳۶۶ء، ص ۲۶۷

ہوئے اور کہا: "تقدیم تو یہ چیز ہے میتوانی گفت و اس پر میانان میں
نے اپنے کمالی فن کا مظاہرہ کیا مجھے سن کر آپ نے کہا: "ہاں کچھ عاقل
کی طرح بولیاں بولی جیسے جو: "اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ
مبارک کا ذوق موسیقی اتنا بلند تھا کہ وہ بڑے سے بڑے گوئیے کو
خاطر میں نہ لاتے تھے، وہی تان سین میں جس کے متعلق ابوالفضل لکھتا ہے
کہ گزشتہ ہزار برس میں اس سرزمین میں اس جیسا کوئی گویا یا گویا
ہوا، اس کے متعلق ابوالفضل کے والد کہتے تھے کہ وہ جائزوں کی طرح
کچھ بھی نہیں سمجھیں کر لیتا ہے۔

شیخ مبارک کے ذوق موسیقی سے اس کے بیٹوں کو بھی وافر حصہ
ملتا تھا، چنانچہ بیٹوں کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ موسیقی کا ماہر و استاد شیخ
ابوالفضل نے آئین اکبری میں جس طرح موسیقی کے زیدیم پر بحث کی
ہے وہ خود اس کے ماہر بن جسنے کی دیں ہے۔

اکبر کے تالیق بزم خان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ موسیقی کا بڑا
دلدار اور موسیقاروں کا سرپرست تھا۔ اس کا ایک واقعہ بھی بیان
کئے وہ بار اکبری میں نقل کیا ہے۔ "آواز دھکتا ہے کہ رام واس گھنوی،
میں شاہی زمانہ کا گیتا تھا کہ موسیقی میں دوسرا تان سین کہلاتا تھا۔ وہ
اس کے دوبار میں آیا اور گایا۔ خواہ میں اس وقت کچھ نہ تھا، اس پر لاکھ

ہیں، عہد اکبری میں بڑے ذوق و شوق سے لگائی جاتی تھیں ان کہتے ہیں کہ
انہوں نے خود ہندوستانی لگ میں اس کی لے رکھی تھی۔

طال مشرقی الی نقاشہ ایچ الغالبین من نظری
تدو و شب و نغم خیال شہدا فاسطولوا عن خیالہم خبری
شیخ مبارک ناگوری علوم شریعت کے ساتھ ساتھ فن موسیقی میں
بھی کامل دسترس رکھتا تھا، ہدایتی شیخ موصوف کی طبیعت کا اثرات
ابن الفاضل میں کرتا ہے۔ ملائی باہن جامعیت نظر زیادہ شیخ کا ذوق
موسیقی اس حد کو پہنچا ہوا تھا کہ:-

یکدم فی استماع صوتی و نغمی و نغمی وہ آواز گانے، راگ اور ساز کے
وسازی آرام اپنی گرفت لگتا۔

پروفیسر علم الدین سالک شیخ مبارک کے بارے میں قلمروں میں کہ
اُسے موسیقی میں بھی بدولتی حاصل تھا، ایک دفعہ ایک جگہ اس موصوف
پر گفتگو ہوئی، بابت دے کہ اس فن لطیف کے سلسلے میں ہم سے
جو سامان ہم پہنچا ہے وہ کسی اور جگہ نہیں ہے، کسی دن ہم دکھائیں
گے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد شیخ پنچوا سال تان سین اور دیگر کلا دخول کر
لگے بھیجا اور انہیں کہا کہ وہ شیخ کے گھر جا کر اپنے کمالی فن کا مظاہرہ
کریں۔ شیخ نے سب سے سنا، آخر میں میاں تان سین سے غائب

تھے ایضاً، ص ۷۷

تھے بدولتی، منتخب التاریخ، جلد ۲، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، ص ۷۲

تھے ایضاً، ص ۷۳

تھے پروفیسر علم الدین سالک، مشرق و ہند، جلد ۲، ص ۷۷، ۷۸-۷۹۔ بدولتی

تھے بدولتی، منتخب التاریخ، جلد ۲، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، ص ۷۲

تھے بدولتی، منتخب التاریخ، جلد ۲، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، ص ۷۲

کا کچھ میں بہا مراد ہیں۔ علیہ الیکم یعنی میرا بانی کی بحیثیت موسیقار بڑی تحریف کی ہے۔

اگر کہے کہ حدیث گوالیار اور گلجام موسیقی کے مرکز مانے جاتے تھے۔ اگر کہے کہ وہاں کے ائمہ و گویوں میں سے گیدر گوالیار کے رہنے والے تھے۔ یہ سب پہلے جانچ لیں کہ ہاں کچھ توار نے گوالیار میں ایک میوزک اکیڈمی قائم کی تھی، جہاں سے بڑے بڑے گوتے تربیت پا کر نکلے۔ ہاں شمس کے بعد محمد عادل شاہ اور پھر حضرت محمد خورشید گوالیار نے اس کی روایات کو برقرار رکھا۔ وہ دن اور آج کا دن گوالیار دنیا موسیقی کی راجدھانی سمجھا جاتا ہے۔ گلجام کے متعلق ابوالفضل رنطراز ہے کہ وہاں کے باشندے اپنی فہم و فراست میں مشہور اور موسیقی کے دلدادہ ہیں۔

جہاں گیت بھی اپنے باپ کی طرح موسیقی کی سرپرستی کرتا رہا۔ اس کے دربار میں استاد محمد نائی، شوقی فقیر، قزاق، باتیا، جہاگیر داد، چرخان، حافظ عبداللہ، حافظ داغلی، نصیر، حافظ چیلہ، حافظ کبیر، خواجہ رحیم داد خان، پرویز داد، خرم داد، ماکسود حمزہ جیسے نادر روزگار ماہرین موسیقی موجود تھے۔ ان میں سے اکثر کے کمال فن کا اعتراف اس نے اپنی زندگی میں کیا ہے۔ جہاں گیت استاد محمد نائی کا بڑا قدردان تھا۔ ایک مرتبہ

نٹھ دی میوزک آف انڈیا، معروف لندن، ص ۲۳

ملنے کی، بیگ، انسا، چوٹی، آیت، اسلام، عبید اللہ، آتشیں، ۱۰ سال میں

ملنے میں، اکبری، جلالی، مسجد، مکتبہ، ۱۰ سال میں

دہر دیا۔ اس کا گانا بہت پسند تھا۔ چنانچہ خلوت و خلوت میں محرم اور مہم تھا۔ جب وہ گانا تھا غامخان کی آکھوں میں آکھو بھرتے تھے۔ ایک مجلس میں عقد جس جواسبابہ موجود تھا سب نے دیا اور آپ آکھ آکھ گئی۔ یہ ہم خان کے فرزند عبدالرحیم غامخان کی اس بن لطف کے ساتھ جو مناسبت تھی اس کے ذکر کے لئے ایک آکھ دفتر در کتبہ ہے۔ جس کی اس عنوان میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ہمدان کے موسیقاروں میں سرور داس اور دلی داس کا بھی بہت اونچا مقام ہے۔ ان کا چونکہ دربار سے کوئی تعلق نہ تھا اس لئے خارجی تذکروں اور تاریخوں میں ان کا ذکر نہیں آیا۔ یہ دونوں تانک اندیشا سادہ و سست تھے اس لئے ہندوؤں کی روایات میں ان کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ مگر ہندوؤں کے سامنے تان سین کو بھی طے کتب ہی سمجھتے ہیں ماسی میں چوڑی کتبہ ہادی میرا بانی کا ذکر بیان ہوگا۔ میرا بانی رانا ساٹھا کے ولی ہمدان کے درمختی تھی، لیکن عین فوجانی کے خانہ میں جوہ جوگی۔ میرا بانی نے دنیاوی لذت سے منور نہ رہ کر شہر کے ساتھ لڑائی اور فخر نہ بھیجیں میں راجستان کے قریب قریب لکھنؤ گئی۔ وہ بڑی بھی شاعر تھی اور اس پر پھر یہ کہ موسیقی کا ذوق بھی کھنڈ پاتا تھا۔ اس پر خاندان کی موت کا صدمہ متاثر تھا۔ ان سب احوال نے مل کر اسے بڑی اچھی لگو کاہ بنا دیا۔ میرا بانی کے بھی آج تک گانے جاتے ہیں اور وہ ہندی لڑچکر کا بہترین سرمایہ بننے کے علاوہ فیض موسیقی

نٹھ محمد حسن آزاد و دہلی اکبری، معروف دہلی، ص ۱۴

وہ اس کا ذکر اس الفاظ میں کرتا ہے۔

استاد محمد نائی ما کہ در فتح خود از
سجہ تعمیران نمود، فرمودم بموجب
عقب فرستادہ بود، چند عین مان
از ششندہ شدہ دیشی کہ در منزل
بنام من نسبت بود گذرانیدہ و در
دولت دہم ماہ مذکور فرمودم کہ او
ماہ ہجری و زلیٰ منوچہ کشش ہزار
و سجدہ دہیہ و دیشی حوالہ دیشی نیز
با رعایت منوچہ مقرر فرمودم
کہ ہمانی نیل سار شدہ و زریلیر
اطراف و جانب خود چیدہ و پائین
بمنزل خود بردارند

اکبر نے بھی بڑی دیادلی کے ساتھ مسبقاً اس کی سرپرستی کی تھی، لہٰذا جس افغان سے چاہا کرتے ایک نے نواز کو نوازنا تھا اس کی مثال عبید اکبر بھی دیکھنے میں نہیں آتی۔ چہاگر شرقی عبیدوز نواز کے کمال فن کا بھی بڑا معزز تھا، اس نے اپنی نواک میں اسے ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

سرتی غنیمتہ نواز را کہ از نادور طے شوقی غنیمتہ نواز کو، جز ما نے بھر میں

مذکارِ اہمیت و فضائل ہندی لپائی
 و ماہرِ کوشی سینا زاد کہ رنگ از دلہا
 زواید، خطبہ آئندہ خانی و دلوش
 در سرورِ ساختہ، آئندہ زبانِ ہندی خوش
 و احسانِ راجی گوید گشت
 اپنے نہیں لپکا ہونے کے علاوہ ہندوستان
 اور اپنی تہذیب اس اٹانے کا ہے
 کہ میں نے کر دیا کہ رنگ از جاتانہ
 میں نے گندھان کا خطبہ کے خوش
 اور سرور کیا، ہندی زبان میں آئندہ خوش
 اور احسان کو کہتے ہیں۔

مستغنی نے اقبال کی ہر جاگہ گہری میں دریا جیو گی کے تیرے سو سو مقادیر کا ذکر کیا ہے تو اپنے نہیں کہنے کے لئے لکھتا ہے: "جہاں گھر کے درباری مریقہ داروں میں رکھ دو اوشان کا برا اور پنجہ مقام متھا وہ غلامی کا رہنے والا اور اپنے من کا امام کا تھما کا تھا جیو گی کے حکم سے اس نے شہنشاہوں کو وسیع کے زیر و بم سے معاف کر دیا تھا۔"

اگر کے بعد میں یعقوب نام کا ایک ہمسائی تاجو حلیب سے سلسلہ تجارت
اگرہ آیا جو کہی رہا باغی کا ماہر تھا۔ پہنچنے والوں کے ساتھ فرسی مذاکرات کے
سلسلہ میں اگر کہہ کر فرسی اور پہنچنے والے جاننے والے مترجم کی ضرورت
تھی اچانک اگر نے یعقوب کو بلازم رکھ لیا، روایت ہے کہ یعقوب نے
دوبلہ اچھی تول کر دیا تھا۔ یعقوب کی وفات کے بعد اگر نے اس کے فر
میں خود تعین ہوا مگر نہ کی حریت اپنی نگراں میں کی اور اول الذکر کہ

ملك القضاء من ١٩٢٢

۳۰۸ سے ازال نامہ جاگیر، مضبوط کتبہ ۱۸۶۵ء، ص ۳۰۸

۱۰۸

سے تک جا گیری، سرسید پالیسی، بطور علی گڑھ سلسلہ، ص ۱۸۶

سولہویں سال جلوس میں جب جہانگیر طویل علالت کے بعد صحت یاب
ہوا تو درجہاں نے اس خوشی میں ایک جشن آراستہ کیا جس میں اہل نشاط
موجود تھے۔

جہانگیر زالی کا بھی ولادت تھا اور اس کی مجلس سماع میں صوفیان
بھٹا کو دجا بٹا تھا، عجب بار بار پی کے ذوال اس کے حضور میں توالی پیش
کر رہے تھے اور عجب اُٹھوں نے ایسے خرم کا یہ شعر پڑھا۔

ہر قوم را صحت ما ہے دینے و قتلہ کا ہے
من قبلہ صحت کر دم پر صحت کج کلا ہے

قرطبی احمد کہہ کر کو دجا آگیا۔ اُٹھوں نے بھی اپنی ٹوپی ذرا ترچھی کر لی اور
تڑپ کر زمین پر گرے، جہانگیر نے لپک کر ان کا سر اٹھا یا تو ان کی مدد
فصیح خضریٰ سے بدوا کر چکی تھی۔

باویں شکل میں یہ لفظ معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کسے کرنے کے ساتھ ہی
موسیقی کو زوال آگیا تھا اور شاہجہان کی ذرا پائشوں کی بدولت اسے
دوبارہ عروج پر آئیں یہ باہر دین میں رہی جیسا ہے کہ جن گورقوں نے
شاہجہان کے عہد میں نام بابا ان کی تربیت جہانگیر کے عہد میں ہوئی تھی
اس سے ہوا لگے کہ وہ کوئی موسیقی کے زوال کا دور نہیں کہا جاسکتا۔
میر ہار دھڑل کھل گیا کہ لڑا لڑا موسیقی کے زوال کا دور نہیں تھا تو
پھر اس عہد کے تذکرہ نویس میں موسیقاروں کا ذکر زیادہ کیوں نہیں ملتا۔

نئے ایسا ص ۳۳۵۔

نئے ایسا ص ۸۶۔

موسیقی کی تعلیم دلائی۔ ذوالقرنین کو موسیقی پر مکمل دسترس حاصل تھی اور وہ
جہانگیر کو بعد ازاں شاہجہان کے دربار میں اساتذہ فن کی موجودگی میں
اپنے فن کا مظاہرہ کیا کرتا تھا۔ شاہنواز خان نے بھی ذوالقرنین کو
بحیثیت موسیقار شاہجہان عہدیت پیش کیا ہے۔

عہد جہانگیر میں غنچہ کا گورنر عیسیٰ خان ترخان بھی موسیقی کا بڑا پکڑا
ذوق رکھتا تھا۔ شاہنواز خان اس کے متعلق لکھتا ہے۔

ولی دادہ راگ و رنگ بود، و در نوں وہ راگ رنگ کا ولادت تھا، راگ
خانی و ساز نوازی خالی از کمال لگنے اور ساز بجانے میں بھی بڑا کمال
پہنچا۔

عہد اکبر کی طرح عہد جہانگیر میں بھی شاہی تقریبات اور جشنوں کے
موقع پر گئے اور سازندے پیش پیش ہوتے تھے جہانگیر نے اپنی محنت
نفسی کے بعد جب پہلا نوروز منا یا تو نوروز کی تقریبات میں اہل ساز و نواز
نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا تھا۔ جہانگیر نے اپنی ترک میں گیارھویں
سال جلوس میں نوروز کے موقع پر حافظ نادر علی کو انعام دینے کا ذکر کیا ہے۔

نئے ذوالقرنین، السید کریم شریکات، ذوالپاک سیدک، بطور دھاکہ ۱۹۹۲ء، ص ۳۳۳
نئے نئے کتاب خانہ، جہانگیر، ایڈیٹر، لاہور، ۱۹۹۲ء۔

نئے شاہنواز خان، انشا اللہ، جلد ۳، بطور کلک ۱۹۹۲ء، ص ۴۹۲
نئے ترک جہانگیری، سرسید پریس، بطور عی گورنر ۱۹۹۲ء، ص ۲۲

نئے ایسا، ص ۱۵۵

مفلوں میں صرنائے باصفا انہیں جس کرگشتوں بعد کے عالم میں رہتے تھے
 پنجاب انوریکسی لائبریری میں - قوالہ سلطنت شاہجہان کا ایک
 کتبہ موجود ہے جو بہادر شاہ ظفر کے بیٹے مرزا فتح الملک بہادر کے کتب خانہ
 میں رکھی گئی ہے۔ اس کا مصنف کھتیبہ کے کتب خانہ کا حکم کوہستانی اکثریتی
 اور بہادر شاہی راگ راگینوں سے خاص لگاؤ تھا اور وہ لکھا اور قلم
 شیبہ ملک ان سے محفوظ ہو کرتے تھے جسے سر جید ناقد سر کاکی
 مطابق شاہ جہان رات کے ساڑھے آٹھ بجے حرم میں چلا جاتا اور وہاں
 دو تین گھنٹے تک موسیقی کے لطف اندوز ہوتا رہتا تھا۔ سر جید صاحب
 شاہجہان کا مشہور رسالہ تاریخ نگار ہارسی پر شاہ سکینہ کھتیبہ کے بہادر شاہ
 سلامت اور سلطنت سے تاریخ ہو کر تھکان دور کرنے کے لئے خوب
 آداب سے قبل موسیقی سے محفوظ ہو کرتے تھے اور معمول کے مطابق
 رات کو سوئے سے چوتھیں بجی سناٹ سنتے تھے۔ رات کو مغلوں میں عام
 طور پر گانے بجانے پکڑ پکڑی ماس تھیں اس کے علاوہ شاہی دربار میں
 بھی خاص جیشوں کے موقع ہر راگ رنگ کا پروگرام پیش کیا جاتا تھا،
 جس میں اساتذہ فن جیتے جیتے تھے

اسی میں شاہجہان کا ایک ہم عصر مورخ امین قرظی رقمطراز ہے کہ
 فتح اللہ علی شاہ نے شہزادہ شہریار سلطان علی اللہ علیہ السلام کے ہاتھوں
 فتح قوالہ سلطنت شاہجہان و غور پنجاب پر قبضہ کر کے، درق ملک
 فتح شہریار علی اللہ علیہ السلام ۱۳

فتح بناری پر شاہ سکینہ نے شہزادہ شہجہان آفت علی و جید و لکھنؤ ۱۳۹۵

اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ اگر کے ساتھ اس کے درباری گئے
 تو نہیں مر گئے تھے، اس سے من گرتوں کا ذکر کوہ کے جہد کی تاریخوں اور
 لکھنؤ میں آچکا تھا، اسے جہد جاگیری میں دہلا کر اسے نہیں بھا
 گیار اسی طرح جو گریے جہد جاگیری میں ابھی مبتدی تھی اور مغلوں نے
 بہادر شاہجہان میں شہرت پائی، ان کا ذکر بہادر شاہجہان میں لکھی جائے
 ملالی تاریخوں میں آتا ہے۔

شاہجہان اپنے آواز امداد کے تمام اوصاف حمید سے خف
 تھا اور اس کے دل میں علمی ذوق بہ وقت مرکز رہتا تھا، لیکن اس کا
 علمی ذوق علم و ادب یا توڑکے فلسفے کی بجائے جامع مسجد کی خدمت
 اور انصاف میں ظاہر ہوا۔ ایک ماہر فن کے بقول اس نے صحبت
 کاغذ مشغور شہری میں نہیں بلکہ تاج محل میں معلوم کیا۔ اس کے تمام ہم
 عصر مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ اس نے زندگی بھر مذہب کا جانت اور
 جھوٹا نہیں کی، لیکن اس علم فضل اور نیکی و تقویٰ کے باوجود وہ فن
 نوکیتی کی سرپرست نہیں اپنے باپ اور دادا سے بھی آگے بڑھا ہوا تھا۔
 سر جید ناقد مرزا علی تصنیف سے مرزا علی علیہ السلام میں منظر
 بہرہ خواہ شاہجہان کی ان دنوں بڑی سرگرمی اور خدا تعالیٰ نے اسے ہر کوئی
 عطا کیا تھا، جب وہ بات کرتا تو سننے والے بت ہی جاتے تھے، یہی
 جس میں مورخ شہزادہ شہریار پر شاہ کھتیبہ کے بہادر شاہ نے خود کوئی ہندی
 راگ ایجاد کئے تھے، جو اس عہد جوش کن اور دلکش تھے کہ سامع کی

کشم سر جید ناقد مرزا علی تصنیف سے مرزا علی علیہ السلام ۱۳۹۵

اس حقیقت کا اعتراف شاہجہاں کے درباری مؤرخ عبدالحمید لاہوری نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

امروزہ مارنیا گران ہندوستان آج کل ہندوستان بہشت نشان کے بہشت نشان برقعانیت بخشو نقشا گروہوں کا وارد مدار نہاک بختاور دوست ہے اس کی تصانیف ہے۔

بادشاہ ہند میں قزوقی نے بھی بخشو نقسا کو دل کھول کر خارج حقین پیش کیا ہے۔ روکتا ہے کہ اس دور میں بخشو نقسا و عا میں خیریت قائم رہا تھا جسے کہ اس میںسی — صورت و عدا و حسن و ادا — کے ساتھ کوئی خیریت نہ تھی۔ اس بات کا اعتراف عبدالحمید لاہوری نے بھی کیا ہے کہ جہد خلع عا میں بخشو جیسی شیب و دوسرے خلع سرا ادا نہیں کر سکتے۔

شاہجہاں کے فوق موسیقی کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ لال تلوع کے قرب خانہ میں گویے موجود رہتے تھے جوں کے ہرول کو راگول اور راگنیوں کے دیسے تیار کرتے تھے۔ شاہجہاں کے جہد حکومت میں شادی بیاہ کی تقریبات اور درباری جشن بے تزک و احتشام سے منعقد ہوتے تھے۔ بادشاہ کی تحت نشینی کا ساگرہ جشن نوروز، جشن و دن تری جشن و دن شمس کے موقعوں پر جو تقریبات منعقد ہو کر تھیں ان میں موسیقی کے ہر گرام خصوصیت کے ساتھ پیش کیا جاتا تھا۔

بادشاہ کو خرافات ساز و خلع سے بھی بہلا تھے اسے ہندی ثقافت کے ساتھ ایک خصوصی لگاؤ تھے اور اس میں سے واقفوں وہ جانتے ہیں کہ انہیں موسیقی سے زیادہ اور کسی چیز میں لذت محسوس نہیں ہوتی۔ ہندوستانی موسیقی پر بادشاہ کی بڑی گہری نظر ہے اور اس کے علاوہ ایلانی اور غزلی موسیقی سے وہ بڑی مدد یک واقف ہے۔ اس ضمن میں اس بات کا ذکر بجا نہ ہوگا کہ دوسرے ممالک کے لوگ خلعوں پر زیادہ زور دیتے ہیں لیکن ہندوستانی نزاکت اور معانی کے قدردان ہیں۔ بادشاہ عموماً ناز و غضب کے بعد موسیقی سنتا ہے۔ اور مجلس موسیقی برصاوت کر کے نواز عشاق باجماعت ادا کرتا ہے۔

ناتک بخشو کو فوت ہونے تک زمانہ گذر چکا تھا لیکن شاہجہاں کو اس کے کمال میں کافراحت تھا اس خیال سے کہ کہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ روزگار و سیوا کا فن بھی ختم نہ ہو جائے۔ شاہجہاں نے ہرگز کو مامور کیا کہ وہ بخشو کے گائے ہوئے دھڑلے راگ جمع کریں۔ انھوں نے شب و روز کی محنت خاتمہ کے بعد ہزاروں مصرعے ہاک بخشو کے تمام سے ایک کتاب تیار کی کہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کی۔ میں اتفاق سے یہ کتاب زمانہ کی دست برد سے نکال کر پڑھیں لاہوری آگست و مئی محفوظ ہے شاہجہاں کے جہد کے اکثر گروہوں کا مدار بخشو کی تصانیف پر تھا۔

فتح قزوقی بادشاہ ہمارے منظرہ بخش میزیم لندن، اول مارچ ۱۶۲۳، درق مایکہ
نصف روزہ بند آئے، بہرست مخطوطات فارسیہ ذکر و دیو، جلد اول، صفحہ
۱۸۳۶

عبدالحمید لاہوری، بادشاہ نامہ جلد دوم، مخطوطہ مکتبہ مستند، ص ۷۰
کے محقق قزوقی، بادشاہ نامہ، مخطوطہ بخش میزیم لندن، اول مارچ ۱۶۲۳، درق مایکہ
صفحہ بادشاہ نامہ، جلد ۲، ص ۷۰

کے سوانح حیات مرتب کرتے وقت اس بات کا خصوصییت کے ساتھ
 ذکر کیلئے۔

دھن مسیقی لہا رہا خوش
کے علاوہ اپنی خوش کامی اور مضر
جوانی کے لئے بھی مشہور تھے۔

یہی تذکرہ گلزارِ نبی خان کو کہہ کے فرزندِ مفتی خان کے متعلق لکھتا ہے۔
 شکوہ رسد سے بود و بنہ و مرد و
 شہنشاہی داشتہ سازندہ و لوزندہ
 بسیار فرام آردہ گشتہ
 بدو رسد ہاڑہ راہِ بوندی کا فرزندہ شہزادہ کو رسمِ کھنجر کا مصداق
 تھا اور نہ کاہل میں رہتا تھا۔ اس کے متعلق شاہِ لوز خان فرماتا ہے۔
 داشتہ ہفتہ صفت تمام داشتہ گشتہ
 وہ نصرتی کا مختلف اسم پکا ل و شریں
 کہتا تھا۔

فراجمان کے درباری اہل و عیال میں ذوالقرنین فرنگی بھی اپنے ذوقِ شوقی کی وجہ سے بڑا مشہور تھا، اس کا ذکر اس مضمون میں چھانگیر کے عہد میں موجود ہے۔

راجہ رفیع الرحمن کا بیٹا عید کے سنگھ بھی موسیقی کا بڑا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔

سیف خان و قلعہ ہے کہ شاہجہان کی تخت نشینی کے بعد یہ تلواریں موسیقی کی تخت گاہ گوالیار سے بہت سے فن کار شاہی دربار میں چلے گئے اور ان میں سے اکثر نکار موسیقی کی مدد و حصول اور گوالیار کی نئی بندشوں اور ترکیبوں سے بخوبی آگاہ تھے اس طرح حصول کے دہار میں ایرانی موسیقی کے ساتھ ہندوستانی موسیقی بھی جگہ حاصل کر لی ہے اس کا یہاں ہو گئی۔ اگر کہ زمانہ قدیم ہی میں ہندوستانی موسیقی کو کافی اور بڑا مقام مل گیا تھا۔ ہندی اور ایرانی موسیقی کے اختلاط سے ایک نیا فن پیدا ہوا تھا جس میں ایرانی ترکیبوں اور ہندوستانی بندشوں نے مل کر دلکش پیدا کر دی تھی۔ شاہجہان نے کثیری و حنین میں اس میں خالی گئے ایک نیا قلمب موسیقی قائم کیا۔

انسان علی دین ملو کھد کے مصداق شاعرِ چمن کی دیکھا دیکھی اس کے درباری امراء بھی موسیقی میں دلچسپی لینے لگے۔ صاحبِ کھڑا لڑائی شاہین خان صفوی کے متعلق لکھتا ہے:-

ہم دل دادہ راگ دفعہ ومانندہ و
 سازندہ کہ نزد او ہم آمو بود
 صاحب سرکار سے دراز وقت پہلے
 وہ راگ دفعہ کا دولہ تھا اور جتنے
 گرجے اور سازندے اس نے اپنے
 ہاں جتن کئے تھے اتنے اس نے نہیں
 کسی اور سے کئے ہیں تھے۔

اسی تذکرہ نویس نے شاہجہان کے ایک درباری امیر حرم امیرین علی

خطہ محمد اسلم شہر جہان کانڈق مکتوبی، السوز مندستہ ایڈیشن ۹۔ راجح خطہ ۱ ص ۷۷۔
خطہ شامہ زخانی، ماکثر الامراء، المبردم مطبوعہ کلکتہ ۹ خطہ ۱ ص ۷۷۔

سنة الفينا، بعد اقل، مجموع كل سنة ١٨٨٨ ع ٥٨٦

کتاب ایضاً، جلد سوم، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۹۲ء، ص ۴۹۲

۱۰۰۰ مرآت آفتاب نما، مخطوطه نجات لونیورسٹی لائبریری، ورق ۲۹۴

شہجہان نے اسے دولت افزوں کا خطاب عطا کیا تھا۔ اس وقت
موسیقی کا یہ کہنا ہے کہ وہ امیر خسرو اور سلطان حسین شرقی کے علم و
فن میں بڑی دسترس رکھتا اور خیال و ترانہ خوب کا تھا۔

شہجہان کے دربار میں امرامہ سیف خان بلاشبہ سب سے
بڑا موسیقی دان تھا اور اس نے اس فن پر رگ دین کے
نام سے ایک قابل تصنیف کتاب بھی تالیف کی ہے۔ یہ کتاب فرتی سے
ابھی تک لکھنؤ میں صحت سے کراہت نہیں ہوئی تاہم اس کے غلطے
پنجاب یونیورسٹی لاٹریری، مولانا آزاد لاٹریری علی گڑھ، پیر پور شاہ
لاٹریری، اسماعیل آباد اور انڈیا انسٹی ٹیوٹ لاٹریری لندن میں موجود ہیں اور ان
میں سے اقل اکثر کتب خانوں میں غلط الفبہ کے نسخے گند چکے ہیں۔
یہ دیکھی سیف خان ہے جس کے متعلق ناصر علی سرسندی نے کہا تھا۔

گنگوٹے طوطی از آئینہ می خیزد

گر نہ شریف خان مارافش در کار نیست

اس سیف خان کے متعلق شاہنواز خان لکھتا ہے۔

مولانا در حضور بادشاہی دولت بار وہ وقت بادشاہ کے حضور میں جانا
می افزودند و بعد از بادشاہی خود اور امی حضور و امی کے درجے تمام گرام
داد و رزق از دست می ساخت

قلہ محمد اکرم بادشاہی، سعدی و سبط، مطبوعہ کتب خانہ، ص ۲۸۔

سیف خان سے اس کا نام مدینہ لکھو ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں (دکن)

نے دکن میں سرسندی، مطبوعہ دکن می پریس، دہلی ۱۹۲۲ء، ص ۲۲۔

نے کا دارالامراہ جلد ۲ ص ۲۸۰

ایک دوسرے مرتبہ پر شاہ فیضان نے اس کے کمال فن کا انظر
فن الفاظ میں کیا ہے۔

دکن راگ و دھن سپار ماہر و شہ
وہ راگ و دھن کے فن میں بڑی مہارت
رکھتا تھا۔

اس کی تالیف - راگ و دھن - ذاتی طور پر سیف خان کے ماہر موسیقی
مہدے پر مبنی ہے۔

شاہی دربار کے علاوہ صوفیائے کرام کی خانقاہوں میں اس دور
میں موسیقی کا گوارہ بن گئی تھیں۔ مجدد شاہوں میں قادیانہ سلسلہ کی ترویج
کے ساتھ سراج کو بھی فروغ ہوا اور اس سلسلہ کے بزرگوں نے دل
کھلی کر گزلیوں کی سرپرستی کی۔ قادیانہ سلسلہ کے علاوہ شکار پور سلسلہ کے
درویشوں نے بھی موسیقی کی ترویج و ترقی میں ملاحظہ کر جیت لیا۔

اس جگہ ایک شکار پور سلسلہ کے بزرگ شیخ پیر کا ذکر بیان ہو گا جو مجدد شاہجہان میں
میر پور میں رہتے تھے۔ انہیں صفت سے فدوی موسیقی و ولایت کیا تھا۔
امداد کی خانقاہ میں ہر وقت سفر و آمد کی حق جو رہتی تھی۔ شاہی سب
سے ان کے ہم عصر انہیں - سبب مدنی ارباب غا - کہتے تھے۔ طحا
شاہجہان کا مزارع ان کے متعلق ترانہ ہے۔

بہر و صلاح و عافیت خاطر حکیم داشت
دشت شامہ ہندی ابست و در سہا
بزرگان خودی کہ وہاں عالی رہا
تربیت با کرتے تھے۔ وہ اپنے بزرگوں

کے لیا، ص ۲۸۲

نے محمد علی و طاعت شاہجہان، محمود بخش پور، لندن، اور علی، ۱۹۴۳ء، ص ۲۲

میں کاہر کہنا ہے کہ اپنے زمانے میں وہ قزاقی اور تارادھانے اپنی خیال آپ تھا۔
میاں ڈالو ڈالو کا شاگرد و مشیر شیخ کمال بھی بڑا اچھا گویا تھا۔
سیف خانی کے ساتھ اس کی اکثر صحبت رہتی تھی۔ سب سے پہلے میں ماگ درپن
کی تعریف کے وقت شیخ کمال اپنی عادت سے متاثر ہو کر بھی فخر و سرور سے کلمہ کش
ہو کر فرخ میں بھر کر بیٹھ جاتا تھا۔

کبیر خانی شیخ شہر محمد کا شاگرد تھا اور قزاقی کے فن میں اپنے استاد سے
بھی گہرے سبقت لے گیا تھا۔ اس نے قزاقی کی ایک نئی طرز و وضع کی تھی۔
شاہی دربار میں بھی اُسے بڑی عزت کا مقام حاصل تھا۔ ماگ درپن کی
تعریف کے وقت وہ زلفہ تھا اور سیف خانی کو اکثر ماگ اور قزاقی سے
مختلط کرتا رہتا تھا۔

باقیانی نالی بڑی اچھی طبیعت کا مالک تھا۔ اور اس نے ہندوستانی
دورانی غفلت کو ٹوکر ایک نئی طرز نکالی تھی۔ ماہرین فن کا یہ کہنا ہے کہ باقیانی
نالی کے ملک میں بڑی تاثیر تھی۔ ایک موقع پر اس نے شاہجہان کی مدح
میں مقصد پر حاسس کے سلسلہ میں اُسے اپنے وزن کے برابر پانچ ہزار
روپے سے سیف خانی نے دو قزاقوں کے من کی بھی تعریف کی ہے

۱۱۱۱ء سال دکن و غنجان ہندوستان، ص ۳۶

۱۱۱۱ء سال دکن، ص ۵۵

۱۱۱۱ء سال دکن و غنجان ہندوستان، ص ۳۶

۱۱۱۱ء سال دکن، ص ۵۵

۱۱۱۱ء سال دکن و غنجان ہندوستان، ص ۳۶

میاں ڈالو ڈالو کا شیخ شہر محمد کے ہم قوم اور اپنے فن میں یکساں
روزگار تھے وہ درویشانہ وضع رکھتے تھے اس نے اہل دولت سے
منا جلتا تھا انہیں ناپسند تھا۔ سیف خانی نے ان کا راگ سن کر یہ کہا تھا۔
وہ درویش بننا نہ چاہتا اور میری شنیدہ ان جیسا دہرہ اور کئی گز یا نہیں
نہیں دیکھا۔

سیف خانی جیسے نکار کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ۔

دی مگر بھی کئی خواست کرش کی ہوگی
نشدہ و درویش عصری شنیدہ
میاں ڈالو نے اکثر بار میں ذات العجب کے مرض سے دولت پائی۔

ان کی عمر کچھ زیادہ نہیں ہوئی۔

شیخ شہر محمد کا بھائی پور جا بھی تھا مگر باقاعدہ عبادت گزار اور ایکوں
نورس تھا وہاں وقت کے عہد کا اس اور ساتھ سال کے درمیان تھی
شیخ شہر محمد کا پوتا مسیح تھیں بھی اپنے آبائی فن میں کامل دسترس رکھتا تھا۔
شاہجہان خانی کا بیٹا ہے کہ وہ خیالی عظمت بھی اچھا تھا۔ مگر انیت فلن
راکھنے نے اُسے سر سالہ کر غنجان ہندوستان کے مقدس کے وقت
احشاء کے پانچویں سال جلوس میں دیکھا تھا، اس وقت کا وہ عہد تھا۔

۱۱۱۱ء سال دکن و غنجان ہندوستان، ص ۳۶

۱۱۱۱ء سال دکن، ص ۵۵

۱۱۱۱ء سال دکن و غنجان ہندوستان، ص ۳۶

۱۱۱۱ء سال دکن، ص ۵۵

۱۱۱۱ء سال دکن و غنجان ہندوستان، ص ۳۶

دیکھا کروں معافی غنیمت معافی میں عالی
 ہر روز نظر نہ دلو و ہند گان حضرت لو
 راہو اسطریق تعانیت کہ ہندیا
 آکر اور بہت گونیدر دارالسلطنت
 ۱۰ ہند گداسمتہ پرورد سعادست
 اندوز ملازمت گشتہ و ملازمت
 کہ بنام بیہوش آنحضرت بمعافیت
 تازہ در نعمات مختلف ساختہ فرود
 بخورد و مشورت فرامزد پسند خاطر
 مشکل پسند بادشاہ و افشار و رکتہ
 دان آقا و بر حسب اشارہ علیہ
 اور ہند و دل کہ وہ چار ہزار
 پانصد روپیہ کہ ہم سنگ او بر
 آمد باد و رحمت فرود آمد

ہندوستان کے تمام مروجوں نے جلیں ناخستہ کے کمال فن کا بیڑی
 فراہم دی کے ساتھ احترام کیا ہے ۔ یا دہے کہ یہ وہی "معتصب"
 شاہجہان ہے جس نے غلط فہمیاں میں ۱۰ ہندو سارکروائے تھے
 شاہجہان نے جہاں تاقی محمد اسم ہزی اور ملا ناہید لکھنیا لکھنوی شیعہ
 جید اور مستند علماء احمدیوں کے مروجوں کو اچھا دہاں اس نے جلیں ناخستہ جیسے

۱۰۰۰ جہاں تاقی ہزی مبارشاہام مغلہ ہندوستان میں ۱۰۱۶ء و ۱۰۱۷ء و ۱۰۱۸ء

وہ بھی شاہجہان کے حضور میں قوال پیش کیا کرتا تھا۔ شاہجہان کے بعد
 میں شیخ میر محمد کبیر و ملا میر صالح پڑھے لکھے پیر کے قوال تھے اور اس
 فن میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ان کا زیادہ حروف و درویشوں کی خالقوں
 میں ہی گذرتا تھا بلکہ جتنی تو یہ ہے کہ انہیں کے دم قدم سے کئی خالقوں کی
 مدد فی قسم تھی، چینی و دگرگوں میں سے جہاں گیارہ باری طغورہ نواز شریفی ہند
 زندہ تھا۔ وہ ہندی اور ایرانی راگ سے کما حقہ واقف تھا۔ جہاں گیارہ
 اپنی تزک میں اور سیف خانی نے راگ دہریں میں اس کے کمال فن کا مظہر
 کیا ہے۔

جلیں ناخستہ کا دست شاہجہان کلہو باری گیتا تھا اور وہ یہ گانے میں
 اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ سیف خانی کا کہنا ہے کہ تان سین کے بعد اس جیسا
 گویا میر میں ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا۔ جب تان سین نے جلیں ناخستہ
 کو گانے جوئے و کھیا تو جیسا کہ اس کے بعد اس فن پر کام کرنے
 لگا۔ قزوینی ساقی سہیل جوس کے واقعات کے منظر میں اس کے متعلق
 مکتوبات ہے۔

جلیں ناخستہ کا دست کہ بظاہر ہر راگ لائے
 "اور اس کے دور سابق تعریف ہندی
 تعریف مشہور سے بلند پایہ و معنی بیز

۱۰۰۰ راگ دہریں و دوق ۴۷ الف

۱۰۰۰ تزک تاجی و سرسید علی گڑھ ۱۸۶۹ء ص ۱۸۸۔

۱۰۰۰ راگ دہریں و دوق ۴۹

۱۰۰۰ بعضاً و دوق ۴۵ الف۔

نعل خان نے سنہ ۷۷۲ھ میں بھارت فرما کر انتقال کیا البتہ سیف خان رفا کے وقت اس کی عترت اس برس کے لگ بھگ تھی۔

نعل خان کے بیٹے خوشحال خان اول پیرم خان بھی تاجی و بہاویں ملازم تھے۔ ان میں سے اولیٰ الذکر راگ شاہجہان کو ہمت پسند تھا۔ نعل خان کے مرنے کے بعد اس کا منصب خوشحال خان کو ملا اور اسے بھی نان سین کے مقام پر پہنچے ہوئے مگر کراٹا پیش کرکے کاشف حاصل تھا۔

غایت خان راجہ اور شاہنواز خان نے خوشحال خان کے بھتیجے ایک بڑا ہی دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مرشد علی خان دوبار سے رخصت چاہتے تھے لیکن شاہجہان کسی طرح بھی اُسے رخصت نہیں پر آمادہ نہ تھا۔ مرشد علی خان نے دیلا لامرا کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ وہ کسی خاص موقع پر اس کی درخواست شدہ بہمنی کے حضور میں پیش کر دے گا۔ کئی روز تک یہ دونوں بادشاہ کا مودت ملنے رہے۔ لیکن شاہجہان کا سرور بھی درست ہوئے میں نہ آتا تھا۔ بالاخر ان دونوں نے خوشحال خان کو ایک بڑی رقم کا لالچ دے کر بادشاہ کے حضور میں ایک سحر فزین راگ پیش کرکے پڑا کر دیا۔ خوشحال خان نے تان سین کے مقام پر پہنچے ہوئے راگ چھوڑا اور حبیب شاہجہان سے ملنے میں بہر تن گوش بن گیا تھا۔ امیر الامراء نے مرشد علی خان کی عرض پر آمادہ کے حضور میں پیش کرکے اس پر بادشاہ کے دستخط کروائے۔ جب بادشاہ

غایت علی خان، سردار و گزشتہ سال، ملہوہ، سنہ ۱۱۱۱ھ میں ۳۵

ہندو سرسیتی دان کی بھی دہلیسی عزت افزائی کی ہمارے خیال میں جہاں تک علم دین کا تعلق ہے ہندو اور مسلمان دونوں اس کی نظر میں مساوی تھے۔ مسلمان و ہندو مت کے دربار شاہجہان میں نعل خان کا دوست کا بڑا اور بچا مرتب تھا۔ نعل خان بھی فطرتی تہہ سب وہ تان سین کی خدمت میں گفت و بات کی۔ کی غرض سے حاضر ہوا تان سین نے کمال قریب سے اس کی تربیت شروع کی۔ اسی پر نواز سرور بھی تھا کہ تان سین کو پیغام اہل آپسب۔ اسی کی وصیت کے مطابق اس کے فرزند پراس خان نے اُسے اپنی شاگردی میں لے لیا۔ جب وہ اس فن میں خوب طاق ہو گیا تو پراس خان نے اپنی بیٹی اس کے جلاوطن خان میں دے دی۔ سیف خان نے اُسے اپنے وقت کا سب سے بڑا و حریف راگی کہا ہے۔ ۳۳۰ شہداء احمدی کے بادشاہ نامہ سے بھی سیف خان کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

شاہجہان کے دربار میں اس کا بڑا عالی مرتبہ تھا اور وہ تان سین کی جگہ پر کھڑا ہو کر اپنا راگ پیش کیا کرتا تھا۔ شاہجہان کو چونکہ دھرم راگ ہے حرم و رعب تھا اس لئے وہ نعل خان کی بڑی قدر کیا کرتا تھا اور ہر جشن کے موقع پر اُسے انعام دیا کرتے تھے۔ لاو دیا کرتا تھا۔ عبدالمجید لاہوری کی روایت کے مطابق ایک بار بادشاہ نے اس کا راگ سن کر اُسے گن سندر کا خطاب اور ایک ماحولی بطور انعام دیا تھا۔

۳۳۱ ملک دہلی، ۱۱۱۱ھ

۱۱۱۱ھ بادشاہ شاہجہان ۲۷ ص ۵۰۰ دہلی سہادت، مہر گزشتہ سال، ملہوہ، سنہ ۱۱۱۱ھ
نہان است و در غایت دہلی، دہلی، سنہ ۱۱۱۱ھ

۳۳۲ ایضاً، ص ۳۱۱

اس لئے اس نے اسے شاہجہان سے مانگ لیا تھا۔ مگر خان کی بقیہ بکری
بنگال میں بہزادہ کی خدمت میں گزری اور وہ اس کا انتقال ہوا بہزادہ
شجاع کا ایک اور صاحب عمری خان، جو شجاع کا بیٹا اور بلاس
خان کا شاگرد تھا، اپنے وقت کا بہترین گویا تھا۔ سنہ ۱۰۸۶ میں شاہجہان
دہلی کی تعمیر کے وقت وہ بہزادہ زندہ تھا اور اس کی عمر اسی سال
سے تجاوز تھی۔

مرد گروں میں سے اگر کا ایک ہم عمر گویا جیسے شاہجہان کے
عہد میں تقریباً اسی سال کی عمر میں فوت ہوا تھا۔ سیف خان نے اس کا
خمار کلاؤنل کے زمرہ میں کیا ہے۔ اس کا بیٹا بیل سین عہد شاہجہان
کے گئے چٹے سر سیکاروں میں شمار جاتا ہے۔ بقول سیف خان چالیس
جیس کی عمر میں اس کے تمام ذات نکل گئے تھے اور چند سال بعد نقل
میں جاتی رہی تھی۔ شاہجہان کے عہد حکومت میں ہی پچاس سال کی عمر
میں وہ مرنے کو پہنچا تھا۔

ایضیٰ کی پرستاری کے واسطے طباطبائی خاندان میں بیکانیری بھی بڑا اچھا گویا
تھا اور وہ گاہ گاہ شاہجہان کے حضور میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتا
رہتا تھا۔

سنہ ۱۰۸۶ء میں، صق ملک

سنہ ۱۰۸۶ء میں، صق ۴۵ء

سنہ ۱۰۸۶ء میں، صق ۴۸ء

سنہ ۱۰۸۶ء میں، صق ۴۹ء

جس میں آیا اور اسے حقیقت حال معلوم ہوئی تو اس نے خوشحال خانی
کو تان میں کے مقام پر پکڑا ہونے سے منع کر دیا۔

مگر تاہم اصل خان، خوشحال خان اور میرزا خان کا ذکر کرتے
ہوئے عہد شاہجہان کے مؤرخوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے
کہ اگر گویا تان میں کے واسطے یا بلا واسطہ شاگرد تھا اور تان میں کی طرز
میں خوب لگاتے تھے۔ لہذا میں فرودینی اور عبد الحمید لاہوری، دونوں عہد
شاہجہان کے نامور مؤرخ ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ شاہجہان کے عہد میں
میں تان میں کی طرز خاص و عوام میں بہت مقبول تھی۔ فرودینی نے
الفاظ میں۔

بالفعل طرز تان میں دربان
مردم مندوں است چون عدو تھا
در خدمت بصرہ عرش استیانی
بودہ طرز در پیش و تصانیف او
شروع تمام یافتہ و اکثر کلاؤنل
ایں عصر در دست باقی و طرز نوین
در پیش تصانیف می سازند
مگر خان کلاؤنل بھی شاہجہان کا درباری گویا تھا اور بقول سیف خان
وہ علم دارگ میں مستراح بہزادہ شجاع کا اس کا رنگ سبہ حد مرغوب تھا

سنہ ۱۰۸۶ء میں، صق ۴۵ء

سنہ ۱۰۸۶ء میں، صق ۴۸ء

مسلمان گوتوں میں بایں بد بڑا اچھا نثر کار تھا اور باب بھانے میں نہ جواب نہیں رکھتا تھا۔ لڑائی کے عالم میں اُسے خرابی لگتی تھی اس لئے طرہ پر گیا۔ اس کا ایک مندر شاگرد سکھین کا دت بھی رہا یہ بھانے میں باہر تھا۔ سیف خان نے اس کا ذکر مجدد شاہ جہان کے ملتا دتوں کا دل میں کیا ہے۔

ایندری پر شاہ کی روایت کے مطابق شاہ جہان کا درباری مؤرخ محمد صالح کبیرہ اور اس کا بھائی سندی راگ میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ مسلمان فن کاروں میں فیروز ڈاؤمی پکھراج بھانے میں، الہ اور ڈاؤمی ساکن اور مرزا کاؤدہ سہنگی بھانے میں، ابو الفز کاؤدہ بھانے میں ظاہر ڈاؤمی دت، بھانے میں اور صالح رہاب بھانے میں اپنی نظر رکھتے تھے۔ ان میں سے مؤرخ الذکر سیف خان کی سرکار میں ملازم تھا۔ مجدد شاہ جہانی میں مغل نامی ایک نگار میں بھانے میں ملک کے طبعی و روحی میں مشہور تھا۔ بادشاہ نے اس کو قدروائی اُسے — رکن میں — کا خطاب دیا تھا۔

غلام علی الدین نامی ایک مصیقا فرج میں ملازم تھا۔ آخر طرہ میں اس نے فرج کی ملازمت ترک کر کے درویش اختیار کر لی تھی۔ سیف خان نے اس کے شرب کردہ راگن کی بڑی تعریف کی ہے۔

۱۵۱۱ھ ایضاً ۱۱۰۰ھ سے شامی بھڑی آت مسعودی ان آڈیا۔
مسعودی آڈیا ۱۱۰۰ھ میں ۶۰۰ھ راگ درہن، دت ۳۹ھ ایضاً
۱۵۱۱ھ ایضاً۔ دت ۳۹ھ

راگ درہن کی تصنیف کے وقت وہ ابھی بدتہ حیات تھا۔ سیف خان کا کہنا ہے کہ وہ درہن کی بدواہ نہیں کرتا اس کو گنگ بھی اس سے چندل متاقت نہیں ہیں۔

شیخ سعد اللہ لاہوری بھی کسی زمانے میں بڑا اچھا گویا سمجھا جاتا تھا لیکن کثرت الفنون خودی سے اس کا خطاب بد گیا تھا۔ راگ درہن کی تصنیف کے وقت اس کی عمر ساٹھ سال سے تھوڑی تھی اس لئے بوجہ کبریاں اس کے دہن میں نذر پیدا ہو گئی تھیں۔ شیخ موصوف کی طرح محمد باقی مغل بھی کسی زمانے میں اپنے گوتوں میں شاربوتا تھا لیکن شیخ کی طرح ایسی بھانے سے اس کی آواز بھی خراب ہو گئی تھی۔ جب سیف خان راگ درہن لکھنے بیٹھا تو اس وقت اس کی عمر بیس سال سے تھوڑی کر چکی تھی۔

مسلمان گوتوں میں باؤدخان لڑ جہادوی بڑا اچھا نثر کار تھا۔ سیف خان نے اس کا ذکر کہ درخت کے زمرہ میں لکھے۔ اس نے زیادہ عمر نہیں پائی تاہم اس کا نام غدرت بن کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہے گا۔ دلی ڈاؤمی بھی اپنے دور میں بڑا اچھا مصیقا مانا جاتا تھا۔ لغتوں میں لکھا ہے اس نے اسی سال سے زندہ عمر پائی اور اگر وہ میں فوت ہوا تھا۔ شاہ جہان کے درباری گوتوں میں راگ خان کا دت کا بڑا اور چھا

۱۵۱۱ھ ایضاً۔ دت ۳۹ھ
۱۵۱۱ھ ایضاً۔ دت ۳۹ھ
۱۵۱۱ھ ایضاً۔ دت ۳۹ھ

اُسے گن سین کا خطاب دیا تھا۔ نایک اغفل کا انتقال کثیر کے سفر کے دوران
 ہوا اور وفات کے وقت اس کی عمر پچاس سال سے متجاوز تھی۔ سیف خان
 نے شاہگاہ دہلی میں حسین خاں قرا کا ذکر بھی عہد شاہجہان کے ممتاز گزشتہ میں
 کیا ہے۔ اس کی عمر بھی گئی زیادہ نہیں ہوئی۔

عہد شاہجہان میں سہان خان کا شمار بڑے نامی گزشتہ میں
 ہوتا تھا۔ ان کی طبیعت درویشی کی طرف مائل تھی۔ اس لئے ان کا زیادہ
 رشتہ درویشوں کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ آخر عمر میں قرہمہوں نے دنیا
 سے بالکل ہی منہ موڑ لیا تھا۔ غایت خان راج اور شاہنواز خان کی دریا
 کے مطابق وہ آخر عمر میں مرید منورہ چلے گئے تھے اور وہیں روضہ رسولی
 پر نقیض پڑھا کرتے تھے۔ ان کا فرزند سید خاں بھی بڑا اچھا گزشتہ شاہگاہ
 دہلی کی تصنیف کے وقت وہ کافی تصنیف العزم و جاکا تھا۔ سیف خان
 کا کہنا ہے کہ وہ ہر عمر کے علم کا ماہر تھا۔ شاہگاہ کا تھا نام زحرف
 مجرور نہیں لگتا۔

سید عتب بدو بھی عہد شاہجہان کے نامی گزشتہ میں شمار ہوتا تھا۔
 وہ آگے کا رہنے والا تھا اور ذات مطلوب کا تھا۔ اس کی عمر کچھ زیادہ
 نہیں ہوئی۔ لکھنؤ میرٹھ اور سادات ہرات سے تعلق رستا تھا۔ اس کا شاہجہان
 شاہجہان کے عہد کے مشاہیر گزشتہ میں جرتا ہے۔ شاہگاہ دہلی کی تصنیف

درتہ تھا۔ سیف خان لکھتا ہے کہ ہم یا مسمیٰ اور اپنے فن میں استاد تھا
 اور اس نے اگر کا حد تک کیا ہوا تھا۔ وہ شاہجہان کا منظور نظر تھا
 اس لئے شاہی تقریبات کے موقع پر بادشاہ اُسے انعام و اکرام سے
 فرادتا رہتا تھا۔ اورنگ زیب کی شاہی کی تقریب پر اور ۱۰۴۵ھ
 میں نوروز کے موقع پر اس کا نام انعام یافتگان کی فہرست میں موجود
 ہے۔ سیف خان لکھتا ہے کہ وہ بدشاہی کے باہر اس کا زیادہ تر وقت
 اللہ والوں کے ساتھ گزارتا تھا۔ اس نے امتی اور فست بہر
 کے درمیان طے پائی۔

اس خان کے شاگردوں میں حضرت خان گزشتہ نے بڑا نام پایا تھا۔
 سیف خان نے اس کا ذکر کلاوینزل کے زمرہ میں کیا ہے۔ سیف خان
 لکھتا ہے کہ لوگ اس کے شاہگاہ کی بہت تحریف کرتے ہیں لیکن جے
 اس سے ملنے کا اتفاق ہمیں ہوا۔ البتہ میں نے اس کے ایک ڈاگرو
 بستی کلاوینزل کو سنا ہے، وہ خوب لگتا ہے۔ اس سے اتفاق ہو سکتا
 ہے کہ حضرت خان لکھنا اچھا گزشتہ ہوگا۔

مسلمان گزشتہ میں نایک بہتو کا چھٹا نایک اغفل بھی بڑا اچھا
 گزشتہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ شاہجہان نے اس کے کمالی فن کا اعتراف کرتے

۱۰۴۵ھ۔ محمد صالح کتبہ، شاہجہان نامہ، عہد دوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۰ء، ص ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸

۱۰۴۵ھ۔ محمد صالح کتبہ، بادشاہ نامہ، عہد دوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۰ء، ص ۱۳۶

۱۰۴۵ھ۔ شاہگاہ دہلی، رشتہ ۴۸ الف

۱۰۴۵ھ۔ ابتدا، رشتہ ۵۵۔

۱۰۴۵ھ۔ ابتدا، رشتہ ۵۵۔

۱۰۴۵ھ۔ سالہ درمیان ہندوستان، ص ۴۹۔ مرثیہ آفتاب اللہ، رشتہ ۵۵

۱۰۴۵ھ۔ شاہگاہ دہلی، رشتہ ۴۸ الف

یہ بھی شاہجہان کا ذوق موسیقی ہی کا رگہ نظر آتا ہے۔ یہ دوسرے محمد حبیب
تاج محل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔۔

تاج محل میں محلہ کا تعداد ہی ہندوؤں تک پہنچ گیا ہے جہاں علامتہ،
شہزادہ نذر علی کر وید کی کیفیت بن جاتے ہیں۔
ہمارے خیال میں یہ فن موسیقی کی CLIMAX (انتہا) ہے۔

اور نگ زیب عالمگیر کے بارے میں یہ خطا تاثر کیا جاتا ہے
کہ اس نے موسیقی کو خوب گہرا کر کے دفن کرنے کا حکم دیا تھا، اس کے
بعد میں موسیقی پر اتنا زیادہ کام ہوا کہ اس کے لئے ایک دفتر درکار
ہو گیا۔

کے وقت ہر عمارت سیما تھا۔ سیف خان نے اس کے راگ کی بڑی تعریف
کی ہے۔ اسی طرح دوسرے راگوں کی اس وقت کے اچھے گروں میں
ہوتا تھا۔ سیف خان نے اس کے استاد کا نام جوئے کا اعزاز کیا ہے۔
ان گروں کے علاوہ بیاض کے ایک سونا نازن کی بھی سیف خان نے بڑی
تعریف کی ہے۔ سیف خان راگ دھپن کی تعریف کے وقت اس کا نام
جسٹل چکا تھا، اس نے اس کے اس کا ذکر۔ ایک سونا نازن آزماؤ
کے موزوں کے تحت کیا ہے۔ اسی طرح ایک اور سونا نازن جو درازگو کے
ساتھ رہا کرتا تھا۔ اپنے فن کا اشتہار مانا جاتا تھا، سیف خان کے دھپن
اس کا نام بھی جوہر چکا تھا۔

شاہجہان کا عہد حکومت ہر لحاظ سے عقلی کا عہد زریں کہلانے کا
مستحق ہے۔ فن تعمیر، موسیقی، مصوری، خطاطی اور دوسرے علوم و فنون کو
اس عہد میں نمایاں ترقی ہوئی۔ بعض اہل معرفت ان سب فنون کو
ایک ہی چیز تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں۔ فن تعمیر کا فن دہی جن
ہے جو شاعری، موسیقی، مصوری اور نگ تراشی میں نظر آتا ہے۔ جس طرح
اقبال کو ہر چیز میں جلوہ عشق نظر آتا ہے اور وہیں اور ہر چیز کو بھی
عشق ہی کا نام دیتے ہیں اسی طرح ہمارے خدائی الفن قسم کے فن کاروں
کو شاہجہان کے ہر رنگ و روپ اور اس کے ہر قری و فعل سے فہم ہی سنائی
دیتا ہے۔ ان کے نزدیک جامع مسجد دہلی، لال قلعہ اور تاج محل کی تعمیر کے

وقت ہر دوسرے محمد حبیب، مصنون۔ فن تعمیر، مشولہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے
تہذیبی و فنی، مہر، علم و گہر، ۱۹۶۳ء، ص ۳۴
۱۰۰۰ اور نگ زیب کے عہد میں موسیقی کھلے دیکھے پیرا مصنون، مشولہ
نذر علی، مرتبہ، ملک رام، مہر، دہلی

۱۰۰۰ ایضاً۔ ۱۰۰۰ ایضاً، ۱۰۰۰ ایضاً، ۱۰۰۰ ایضاً
۱۰۰۰ ایضاً، ۱۰۰۰ ایضاً، ۱۰۰۰ ایضاً، ۱۰۰۰ ایضاً
۱۰۰۰ ایضاً، ۱۰۰۰ ایضاً، ۱۰۰۰ ایضاً، ۱۰۰۰ ایضاً
۱۰۰۰ ایضاً، ۱۰۰۰ ایضاً، ۱۰۰۰ ایضاً، ۱۰۰۰ ایضاً

نے اس کتاب کو اپنی تحقیق کی بنیاد قرار دیا اور پھر اپنے مشاہدات و تجربات سے اس کتاب میں اضافے کئے۔

عہد ماضی میں عربی موصی الخوارزمی ایک مشہور ریاضی دان، جغرافیہ دان، ماہر نجوم اور ہندس جو کہتا ہے۔ ماضی کے اپنے تمام کردہ بہت حکمت میں تحقیق و تجسس میں لگا ہوا اس نے علم جغرافیہ پر مصورہ الارض - تمام کی ایک کتب لکھی ہیں اس نے زمین کو کرہ (GLOBE) تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ سولہوی صدی تک یورپ کے مفلاذہ زمین کو چھٹی قرار دیتے تھے۔ اور اس عقیدہ کا مانکر کلیسا میں نظر میں بدل کر ادم سمجھا جاتا تھا۔

ماہرین کے ذہن نے ہی شام کے صحرائیں جغرافیہ والوں نے تقریبات شروع کئے اور زمین کی پیمائش کے جغرافیائی درجات متعین کئے۔

مصلحتوں سے غرضوں کے اعتبار سے کچھ مرض کو سات طبقات میں تقسیم کیا اور انفرافانی (دم ۸۷۰) اور ایٹمی (دم ۹۰۰) اور ایرونی (دم ۱۰۰۰) اور الیرونی (دم ۱۱۰۰) نے مقامات کے ساتھ طویل بلد اور عرض بلد کے طریق کو درج کیا۔

امین خردراز کو بچہ بطور پتہ بابائے حجاز میرہ کیا ہوا کہ کتابت شدہ پہلا نسخہ حجازیہ دین صاحب سے حجازیہ لڑی کسی کے عربی زبان میں تھا اور عربیہ کئے۔ اس کی طبعیاتی تالیف کتاب المساکت * لکھ دیں گے دوسرے حجازیہ راویوں کے لئے فیصل راہ کا نام دیا جی۔ اس کتاب میں اس نے مختلف ممالک کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ مختلف شروک کے جدیداتی فیصلے بھی دیئے ہیں۔

الحجین ابی عقیوب واضح الکاتب المصنوعی دم ۱۰۸۰ھ نے بھی فیض مدنی

مسلمانوں کی جغرافیائی خدمات

اسی حکومت کے خلاف ایک مسلمانوں کی فتوحات محل پر ہو چکی تھیں اور بعد
 جہاں کے آغا نے اسے سختی ان کی فوج علم وادب اور سیاست اور فطرت
 کی طرف متبدل ہوئی۔ مسلمانوں میں اپنی عظیم ملکوت کو جاننے کا شوق پیدا
 ہوا تو انھوں نے جغرافیہ پر خاص توجہ دی۔ علاوہ انہیں بڑے سے جسے بغداد کی
 تعلقات کے پیش نظر بھی۔ نہیں ملک کے مختلف صوبوں کے متعلق معلومات
 حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے ہزار ہا ہزار
 اشخاص عظیم حجاز ہونے گئے، تو ان کی رہنمائی کے لئے بھی جہازہ وائل
 نے قلم اٹھایا۔ اس حرج نویں صدی عیسوی کے اختتام سے قبل مسلمانوں
 میں کئی نامور جغرافیہ دان پیدا ہوئے جو دیکھے ہی دیکھے اپنی اسلام پر
 ہر دم و جان کر چکے۔

تاریخ کے مطالعت میں معلوم ہوتا ہے کہ اماموں اور شیوخِ فاضلہ علیہم السلام کے لئے مشورہ یونانی و یسٹرن فیلو ساف کے شہرہ آفاق تالیفات کا مطالعہ بھی کاملاً ضروری ہے۔ اس دور کے اکثر مشہور علماء و جہانگیر و افاضی

میں دنیا نے اسلام کی جی بھر کر سیاہی کی تھی۔ علاوہ انہی اس نے سوجھا
کی طرف جانے والی شاہراہوں سے بھی گما حصار واقفیت پیدا کر لی تھی۔ اس
کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مملکت اسلام کی سرحدات پر دشمنانِ کام
کی سرگرمیوں سے واقفیت حاصل کرتا چاہتا تھا۔ اور اس مقصد کے تحت
اس نے سرحدی علاقوں کی سیاحت پر زیادہ توجہ دی اور اپنا حاصل ملا لیا
کتاب کی صورت میں پیش کیا۔ بعینہ ہی نے افریقہ کے متعلق "افریقہ" نام
نام کی ایک الگ کتاب لکھی ہے۔

قدام بن جعفر الکاتب درہمی صدی عیسوی میں ایک نامور کتاب جو
لکھا ہے۔ اس نے اپنی تصنیف "کتاب الخراج وخصت الکاتب" کے
گیارہویں باب میں جہد عباسی کی واکب یوکیوں اور شاہراہوں کو بارہوی فضیل
کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ مسلمانوں کو بازنطینی حکومت سے ہمیشہ خطرہ لاحق
رہتا تھا اور اس خطرہ کے پیش نظر مسلمانوں کو اپنی سرحدات سے چوکس رہنے
اور سرحدی علاقوں کے متعلق معلومات فراہم کرنے کی ضرورت رہتی تھی۔
قدام نے اسی دماغی نقطہ نظر سے یہ معلومات جمع کی تھیں۔

اسی دور میں ابن رستہ (۹۱۰ء) بھی ایک مشہور جغرافیہ دان ہو کر ر
ہے جس نے قدس کی طرز پر "اعلاقیہ النقبہ" نام کی ایک موعرہ لکھا
کتاب تعبیر کی ہے۔ اس کتاب میں شاہراہوں کے ذکر پر کم کر مراد
دریہ مژدہ کے متعلق جغرافیائی معلومات کو مقدم رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد
رقم عالم حضرمات مملکت اسلام کے متعلق پیش بہا معلومات فراہم کی ہیں۔
سی جہد کے ایک نامور جغرافیہ دان ابن النقبہ البغدادی نے اپنی جغرافیائی
معلومات کو "کتاب البلدان" میں پیش کیا ہے۔ اس نے بھی

اسی حسہ کی طرح مکرر مراد بہرہ منقہ کے متعلق اپنی معلومات کتاب کے آغاز
میں تحریر کی ہیں اور اس کے بعد دوسرے شہروں اور موبوں پر قلم اٹھا ہے
سلمان نامی جہد اپنے قدس ایک نامور طراح تھا اور اس نے جہد کی طرف
سے ہندوستان اور چین تک بحری سفر کیا تھا۔ میلان کا سفر نامہ قراب
مناں جو چکا ہے۔ یہی البغدادی نے اس کے اقتباسات اپنی کتاب میں جا بجا
دے کر اہل علم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ جس طرح ہندوستان کے متعلق
ابروانی نے تحقیق کی تھی اسی طرح جزیرہ مغرب پر البغدادی کی تحقیق آخری
سنہ تسلیم کی جاتی ہے۔

۹۱۱ء میں عباسی خلیفہ القندر نے ابن خضون کو سفیر بنا کر بغداد بھیجا اور اس
نے اپنے سفر کے حالات قلم بند کر کے ابن خضون کے سفر نامہ کا مطالعہ بھی
خلی ازل وچشمہ بنیں۔

طریقہ کی طرح جغرافیہ میں بھی مختلف مکاتب فکر چلے جاتے ہیں اور ان
میں سے بھی کتب کا کافی ذخیرہ دھریا ہل بھی دم ۱۲۴۰ء تک اس کی کتاب
۱۰ صدی والا تاجہ نے شہرت حاصل کی۔ یعنی اسے آٹھ جیس عنوان میں لکھ کر
کی خدمت میں دکر حجاز پر چھپ حاصل کیا اور اس کے بعد رسیاحت کے
سے لکھو۔ رخ واپس رستہ کو اس نے اپنا حاصل طالعہ ذکر کیا اور کتاب کی
صورت میں پیش کیا۔ یعنی یہ تصنیف میں الاصفہانی بابی حوتل اور القدس بڑے
تسچے باب کے جغرافیہ دان ہو کر رستہ سے ہیں۔ جہد کے ستر تحقیق کو اس
بات کا اثرات ہے کہ ان کے بنائے ہوئے نقطے اس زمانہ میں یہودیہ میں
بنائے ہوئے نقشوں سے جدا جدا بہتر ہیں۔ یعنی کتب کے جغرافیہ دانوں نے
جغرافیائی نظریات کو تو کر ان دور تک تحقیق دینے کی جو کوشش کی تھی مگر اسلام

اس کے لئے ان کے معذرت اہل ان ہیں۔

ابوالفتح الاصطخری، ایران کے قدیم پانچت پرسی پریس کا رہنے والا تھا، جسے عرب الاصطخر اور ایران فتح جید کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کی شہر عالم کتاب "السلک ولباع الک" کا ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دہائے اسلام کی سیر و ساحت بھی خوب کی تھی اور اپنے سفر میں تھل اور ملاحوں سے ملنے کے مواقع بھی اسے ملتے رہے تھے۔ اُس نے اپنی تصنیف میں تمام اسلامی ممالک کے نقشے بنانے کے علاوہ مختلف شہروں کے درمیانی فاصلے بھی درج کئے ہیں۔ الاصطخری نے دسویں صدی عیسوی میں اپنے مشاہدہ کی بنا پر جو دنیا کا نقشہ تیار کیا تھا اس پر ہم جرت کا نظارہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ بھی حالی میں لکھنؤ ایران کے محکمہ شائع ہوا ہے۔

ابوالقاسم محمد بن حوقل کا نام تو ہم میں سے اکثر نے سنا ہوگا۔ بغداد کا رہنے والا تھا اور کچھ سی سے اُسے تاریخ جغرافیہ سے حوقل کی حد تک لگاؤ تھا۔ ابن خردادبہ، جیہاڑی اور قندھار کی تصانیف اس کے مطالعہ میں رہ سکتی ہیں۔ ۹۴۵ء سے ۹۶۸ء تک اس نے دہائے اسلام کی سیاحت کی اور اپنے سفر جیہاڑی، قندھار، بالاکتہ کو حوزہ زبان بنائے رکھا۔ اس سیر و ساحت دروان اس نے اپنی مشہور عالم تصنیف "صورۃ الارض" کے لئے مراد جمع کیا اور اس کتاب کی مقبولیت اور قدر و منزلت کا اس بات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسی حوقل کے بعد اُسے والے اکثر و بیشتر جغرافیہ دانوں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔

ابوالحسن علی بن حنین، مسعودی ۱۰۵۶ء صاحب روض الذہب ایک

نامور مؤرخ اور مستبح ہو گیا ہے۔ جس نے دسویں صدی میں تمام ممالک کی سیر کر کے اہل علم سے جہاگشت کا خطاب پایا ہے۔ اپنے سفر کے دروان اُسے ہمیں جانے کا بھی اتفاق ملا اور قندھار کے مشرقی ساحل کے متعلق تو اس کی فراہم کردہ معلومات علم کا ایک بیش بہا خزانہ سمجھی جاتی ہیں۔ اُس نے سفر کے تجربہ کار اور نڈر مسلمان ملاحوں سے تبادلہ خیال کرنے کا خوب موقع ملا۔ ہمارے مسوری نے محمد بن ہارود خلیج فارس کے متعلق ان کی معلومات کا عام جغرافیہ دانوں سے کہیں زیادہ پایا مسوئی نے بھی تمام امداد اپنی مرستی طرح عباسی حکومت کا شاہراہِ اہل اور شاہراہِ چوکیوں کی تفصیل اپنی تالیفات میں دی ہے اور ان کے مفروضات کو بے نقاب بھی کیا ہے۔ مسعودی کی تالیفات میں مروج الذہب اخبار الزمان اور عجائب الدنیا بڑے سے مسودہ کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔

اسی سلسلے میں سامانیوں کے ایثار و زہد اور محمد بن احمد البلیانی کا ذکر ہے۔ ہمارے جہاڑی میں جہاڑی اس کی تالیف "کتاب المسکک ولباع الک" سے متعلق جو کچھ ہے۔ تاہم اس کی اہمیت کا اندازہ مسعودی اور دوسرے جغرافیہ دانوں کے بیانات سے لگا جاسکتا ہے۔ البلیانی کا وقت چونکہ بغداد میں سامانیوں کے بددین گذر تھا اس لئے وسط ایشیاء کے متعلق اس کی معلومات عرب میں بسنے والے جغرافیہ دانوں کی نسبت زیادہ صحیح ہیں۔ علاوہ ان ہی جہاڑی و زارستان پر ناز و کراں سے مسعودی ذرا سے کافی معلومات حاصل کی ہوئی ہیں کی فراہمی دوسروں کے لئے اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ یہ کتاب اگر کسی کتب خانہ سے دستیاب ہو جائے تو قابلِ مہم اُسے حوزہ جان بنکر رکھیں اور اس کے مطالعہ سے اپنی آنکھوں کو جلا بخشنیں۔

مصلحت پائی جاتی ہیں۔ علاوہ انہیں جزائر مشرق البندیا سربوہ اندونیشیا کے متعلق بھی بہت سی دلچسپ حکایات اس کتاب میں مذکور ہیں۔ یہی مضمون جتنا ہے اس دور میں اس طرح کی کتابوں کی مانگ بڑھ رہی تھی اور بزرگ نے اسی چیز کو دورانیہ تالیف پیش نظر رکھا۔

تاکثر سرداری بھی پانچویں صدی ہجری میں ایک مشہور سیاح جو گندار ہے جس نے اپنے آبائی وطن تبادیان سے کے گھر تک سیاحت کی تھی وہیں کا سفر نامہ مجلس ناری نغز کا ایک بہتر نمونہ ہے۔ ناظر راٹا نے سفر پر چین کا تغیر مطالعہ کے بعد اسے اپنے سفر نامہ میں درج کرتا تھا۔ اس کا سفر نامہ اس دور کی اسلامی دنیا کا ایک بہترین مرقع ہے۔

ابوالحسن علی بن عبد الرحمن المعروف بہ ابن بطوطہ (۱۳۰۴ء تا ۱۳۶۱ء) غلبہ الغزنویہ کے عہد میں قاہرہ کے رہنے والے تھے۔ اس نے بیڑوں کی وجہ سے وقت کو شمار کرنے کا طریقہ دریافت کیا۔ اور اپنے مشاہدہ سے اطراف شمس کو ۳۳ درجہ ۲۵ دقیقہ پایا، جو سورج و تحقیق کے عین مطابق ہے۔ ابن بطوطہ نے کسی مقام کا طول بلد اور عرض بلد معلوم کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا ہے۔

شرف الدولہ کو یہ کہ عیدیں پہلے دیکھان بن رستم لکھوی جلا ناہر بخاراہ دان اور باہر قوم جو گندار ہے۔ ابوسہیل لندار کی رہدگاہ میں بچرات کیا کرتا تھا، اور میں اس نے اعتدالین بھی دیکھی تیار کریں۔ ابولحسن میں ان توفیق ایک مشہور افغانی نیست دان اور باہر بخاراہ جو گندار ہے۔ اس نے آلاست بنیت تیار کے اور استقبال فقط الاعتدالین کی صحیح مقدار بتائی اسی طرح ابوجلالہ لکھوتائی نے زینج البقانی قیام کی اور یہ کتاب پوربہ میں ہے حد مقبول جونی اور وہاں جدید کرتی میں اس سے بہت دور کی البقانی

۹۸۲ء میں حدود العالم نام کی ایک کتاب فارسی زبان میں جو طرابلس تھیں گئی۔ اس کے مصنف کا نام تاحالی معلوم نہیں جو سکا۔ فارسی زبان میں اس کتاب کی تالیف میں متعدد عربی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ہندوستان کی انجمنی نے لندن سے شائع کی ہے۔ اس میں اہم کے کے متعلق تحریر ہے کہ یہاں سیاہ مروج خضاب لگتی ہے۔ میں نے اس بات کا فاضل مرتب سے ذکر کیا تو فرمایا ہے کہ گندہ صفت کے زمانے میں لاجور کی منڈی میں سیاہ مروج کثرت جاتی تھی جس سے اس نے بہ افلاذہ لگا دیا بلکہ اس شہر میں سیاہ مروج پیدا ہوتا ہے دیکھو یہ بات بھی بعد از امکان نہیں کہ اس زمانے میں لاجور کی آب و ہوا گرم ہو اور یہاں سیاہ مروج لگتی ہو۔

ابوجلالہ محمد بن احمد المقدسی (د ۱۰۰۰ء) جیسا کہ اس کی نسبت سے ظاہر ہے، بیت المقدس کا رہنے والا تھا، رقم الحروف نے اسی سال کے آثار میں بیت المقدس کے مشہور تاریخی باغات گیتے میں کے دامن میں سب مروج اس کے مزار کی زیارت سے اپنی انگلیوں کو جوڑی ہے۔ اس نے جزائری کی کے قواعد و منوال مرتب کئے اور اس ملک پر قلم مٹاتے ہوئے یہاں کے باشندوں کے اعتقاد و اخلاق، قری خصوصیت، پیداوار، مذہب و عقائد، انسان اور عین دین کے طریقوں پر بحث کا آغاز کیا، جز عرب جزائریہ و انزل کے ہاں باطل لکھی بات تھی۔ اسی بات سے ہم افلاذہ لگا سکتے ہیں کہ المقدس کے نزدیک جزائریہ دینی کا مفہوم کتنا وسیع تھا۔ اس کی تعینیت احسن التقسیم فی معرفتہ و قد لہ آج بھی بڑے قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے۔

بزرگ ان مشہور (د ۱۰۰۹ء) اپنے دور کا نامور ملاح اور سیاح جو گندار ہے اس کی کتاب عجائب الهند میں جو ہر نہ کے متعلق بہت سی دلچسپ سلاہ یہ جزیریہ مشہور لکڑ ہے۔

نے چار ذار و دو صست سیاروں کی گردش کا مطالعہ کیا اور زمین کے متعلق
 بطریق قائم کیا کہ وہ ایک جزیرہ ہے جو چاروں حوت سے سمندر میں گھرا ہوا ہے۔
 البروجان محمد بن احمد البیرونی (م ۱۰۴۸) سلطان محمود غزنوی کا درباری
 اور اپنے دور میں ریاضی، جغرافیہ، ہیئت اور شکر کا زبردست عالم تھا۔
 البیرونی نے یہ ثابت کیا ہے کہ کسی زمانے میں یہ پنجاب اور سندھ کی جگہ سمندر
 تھا، مٹیوں، مارا کرتا تھا، بعد ازاں دریاؤں نے اس سمندر کو بہاؤوں سے بٹی
 لاکر کھا دیا اور کچھ جزائر باقی تبدیل ہو گئے، اس طرح جوہیں کہ سمندر پہنچے
 ہٹ گئے، اور زمین اور آب بھر آئی، البیرونی نے آتش فشاں کی درجات و درجہ کے
 اسباب، سورج اور چاند گرہن، زلزلے کے اسباب موسمی کی تبدیلی
 بیروں کی پیدائش آتشوں کے اجراء اور سطح زمین پر ہونے والی تبدیلیوں
 پر بہت کچھ لکھا ہے۔ البیرونی نے مساحت الارض کے قواعد مرتب کئے
 اور زمین کے محیط کو ۲۴۷۹۰ میل بتایا جو موجودہ پیمائش سے حوت ۷۰ میل
 کم ہے۔

ابن حجر اذہبی (م ۱۲۲۴) ایک مشہور سیاح جو گندھارے جس نے بحیرہ
 روم اور فلسطین کی سیاحت کی اور نقشے تیار کئے اس کی تصنیف "عندہ آج
 بھی بڑے شوق سے پڑھی جاتی ہے۔

یا قوت الحموی (م ۱۲۷۹) نے اپنی مشہور عالم تصنیف "معجم البلدان"
 میں دنیا کے علوم کے ہر حصے کے بڑے بڑے قصبے اور شہروں کے نام، محل وقوع
 اور ان کی تاریخی اہمیت صریح و سہی کے لحاظ سے جمع کر دی ہے۔ اس کتاب
 سے ہمیں قرون وسطیٰ کے ان مشہور درباریوں و فضول کے محل وقوع بھی معلوم
 ہو جاتے ہیں جو گنگوولی کے محول سے نیست و نابود ہو گئے۔ بعض لحاظ

سے اس کتاب کو انساٹیکلو پیڈیا کہنا ہے جہاں ہر گاہ یا قوت الحموی کے لفظ کی
 ۱۷۷۴ء اور المشرقی (م ۱۳۷۵) نے بھی اسی طرز پر کتابیں لکھیں لیکن ان کی
 خبرت ہمچو البلدان کے مقابلہ میں نامذہبی تھی۔

ابن ابی ابراہیم نے ۱۲۳۰ء میں تاریخ المستعصر کے نام سے جزوقریہ
 کی تاریخ لکھی۔ اس کتاب میں جغرافیائی اور تاریخی معلومات بھی عام ملتی ہیں تاہم
 فقیر صلی کے حصہ ابن ابی ابراہیم نے مدین میں بردہ فردوسی کے مقلد بہ رزناک
 معلومات دی ہیں میرے خیال میں انہیں پڑھنے کے بعد ایک بار تو عربوں
 کے سرخداست سے شک جاسکتے ہوں گے۔

ابن خلدون (م ۱۴۰۵) بھی ایک نامور عرب سیاح جو گندھارے جس نے
 افریقہ کی سیاحت کے بعد اپنا سفر نامہ مرتب کیا تھا۔ یہ سفر نامہ کو قنات مولیٰ
 خلدون جو پہلے البتہ اس کے حوالے ابن خلدون کے بعد آنے والے جغرافیہ
 دانوں نے اپنی کتابوں میں جڑی فراہمی سے رکھے ہیں۔ ابن خلدون کے
 سفر نامہ سے یہ بات خیال ہو جاتی ہے کہ افریقہ کے متعلق مسلمانوں کی معلومات
 کافی تھیں اور وہ بجا دریاؤں میں بھی سفر کرے گاوی تھے۔

یحیٰی زردم، شیخ فارس، یحییٰ زعم، یحییٰ زعم، یحییٰ زعم اور بکر ہندو مسلموں
 کی کا جگہ تھے۔ ایک وہ بھی زمانہ تھا کہ مسلمانوں کے خوف سے وہ بھی پکڑنے
 والی کشتیاں بھی بجز روم میں نڈال دیتے تھے۔ سلیمان بن احمد بن کے شہر ہرو کا
 سب سے بالا نام مشہور تاج جو گندھارے۔ اس نے سولہویں صدی کے نصف اول
 میں مسند مدین میں کسے تجر نامہ اور شہر اذات چپانچ کتابیں لکھی تھیں۔

احمد بن ماجہ بھی ایک مشہور تاج جو گندھارے، جو مشرقی افریقہ کی ہندو
 مالندی سے واسکو ڈے گاما کو ۱۴۹۸ء میں کالی کٹ لایا تھا۔ پریگیز و کالیان

کر دیا ہے۔ نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ کو مرکزی مقام حاصل ہے اور گردہ ارض کو بحر محیط (ENCIRCLING OCEAN) نے گھیرا ہوا ہے۔ اس نقشہ میں سترہ سکندری بھی واضح کی گئی ہے جو علامہ مرموصوف کے خیال میں کو ریہ کے قریب واقع ہے۔

—————

کما اس کے پاس ایک گاؤں تھی جس میں اس نے خلیج فارس، بحر عرب و بحر ہند اور بحر ہند کے متعلق معلومات جمع کر رکھی تھیں اور اس کی عمر کے پچاس برس سکندری ہی میں گزرے تھے۔ بقول بعض، قتب نامہ کی ایک کاسہ پر بھی اسی دور کے نقشہ ہے۔

اکثر کتابوں میں سلیمان سیلابی نام کے ایک بحری کچالہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جس نے چین تک سفر کیا تھا۔ عرب طالع صومالیہ سے لڑائی ہوئی تھی اور شیشیا اور ملائکہ گرم علاقے اور تلمی، ہندوستان سے منسلک تھیں۔ حارثی لکھڑی اور ناریل عرب پہلے اندول سے یہاں آئی تھی کہ بعد میں وہیں پہنچ جاتا اور پھر مقتول یا تھوڑی دیر پہلے تاجر اسے دوسرے ملک میں بچا دیتے۔ ابن بطوطہ (م ۱۳۷۷) مراکش کے مشہور شہر فہر کا رہنے والا اور بخاریہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ سیاح ہو گا ہے اس نے مصر، شام، عمان، عمان، ایران، ہندوستان، مالدیو، سیلون اور چین کے مختلف خطوں پر ایک سیاحت کی۔ سلطان محمد بن تغلق کے زمانے میں وہ کئی برس تک دہلی میں تاجی کے نزلتوں انجام دیتا رہا۔ سلطان نے اسے سفیر بنا کر چین کے سفر پر روانہ کیا لیکن راستہ میں اس کا جہاز تباہ ہوا اور وہ بدقت تمام مالدیو اور سیلون پہنچا جہاں پہنچا۔ آخر عمر میں ابن بطوطہ اپنے وطن دہلی جہاں وہ دہلی اس وقت عجائب الاسفار کے نام سے اپنا سفر نامہ مرتب کیا۔ یہ کتاب اس دور کی اسلامی دنیا پر معلومات کی ایک کلاں ہے۔

علامہ ابن خلدون ہر جگہ کہ تاریخ اور عمرانیات کا اہم تھا تاہم جغرافیہ پر بھی اس کی بڑی گہری نظر تھی۔ علامہ نے جو نقشہ تیار کیا تھا اسے پھر لندن میں خاندانی نے مقصد صراحت خلدون کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ ہی شائع

دُرِ نظامی کی تاریخی، دینی و سماجی اہمیت

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے امیر حسن عطار سجری، علی بن محمد جاندار، خواجہ محمد بن مولانا بدر الدین اسحاق نورخواریہ، حضرت الدین مونی نے بالترتیب فوائد الغزالی، دُرِ نظامی، انوار الغیاس اور تحفۃ الابرار وکرامۃ الاولیاء کے عنوانات سے اپنے مرثیہ نگاری کے ملفوظات جمع کئے تھے، موخر الذکر دونوں بزرگوں کی کاوشیں اب ناپید ہیں۔ امیر حسن عطار سجری کی تالیف فوائد الغزالی کو شہرت و دامن ملی ہے۔ پہلی خوش قسمتی سے علی بن محمد جاندار کے جمع کردہ ملفوظات کے دو محفوظ دریافت ہو چکے، مین ان میں سے ایک منظر سرسار جنگ میوزیم حیدر آباد دکن میں محفوظ ہے اور دوسرا نسخہ لوہار کلکشن کلکتہ میں موجود ہے۔ راقم السطور کو بھارت کے آخری سفر کے دوران میں ہی دونوں محفوظات سے استفادہ کرنے کی سعادت ملی ہے۔

جامع ملفوظات

دُرِ نظامی میں علی بن محمد جاندار نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے

۱. ملفوظ نمبر ۲۸۰/۵۹۹/۹۱ قزوین سرسار جنگ میوزیم حیدر آباد دکن

۲. لدگوٹھ نمبر ۳۴ سیدنا ابراہیم بن عبد اللہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

سے بیعت ہونے کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے قاضی محمد الدین کاشانی کے توسط سے بیعت کی درخواست پیش کی جو منظور ہوئی ان کی دوسری درخواست پر سلطان المشائخ نے انہیں حقوق ہونے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ جامع ملفوظات نے قاضی صاحب کے توسط سے یہ بھی حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ مقدس ہیں اس لئے نوکری ترک نہیں کر سکتے ان کی یہ درخواست بھی منظور ہوئی ہے

بیعت کے بعد علی بن محمد نے سلطان المشائخ سے قرآن پاک حفظ کرنے کی اجازت مانگی۔ حضرت نے اجازت دیتے ہوئے انہیں یہ نصیحت فرمائی کہ وہ قرآن حکیم کسی اچھے عالم سے ابو عمر عاصم کی مدایت سے پڑھ سیکھیں۔ دُرِ نظامی کے ایک اندراج سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جامع ملفوظات ۱۳۔ رمضان المبارک ۷۰۸ھ (۱۳۰۸) کو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جمع ہوا تھا

علی بن محمد کہتے ہیں کہ وہ اور مولانا الشیبانی ہر ہفتے حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور وہاں جو باتیں سنتے تھے انہیں نقل کر لیتے تھے یہ

پروفیسر فلیٹ احمد نظامی نے اس مجموعہ ملفوظات کا نام دُرِ نظامی

۱۔ دُرِ نظامی، ملفوظ سرسار جنگ میوزیم ورق ۳۱

۲۔ ایضاً ورق ۳۰

۳۔ ایضاً ورق ۳۹

۴۔ ایضاً ورق ۲

ولید میں زیادہ تر مولو فائدہ افراد کی نیکل کے بعد کا ہونا چاہیے۔

دورِ نظامی کے مسند حیات

دورِ نظامی میں امام فرائی، جلیل القدر فاضل اور عین القضاۃ کے حوالے تھے۔ اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کی تعانیف سلطان المشائخ کے مطالعہ میں رہتی تھیں۔ حضرت کو حدیث پر عبور تھا۔ معروف علمی مباحث میں حدیث سے استدلال کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود مغزِ نظامی میں کئی موضوعات حدیثیں بھی آگئی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شبِ معراج میں آنحضرت کو بارگاہِ انبوی سے فرق ملا تھا یہ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر

دورِ نظامی میں بابا فرید کے بارے میں بڑا مواد موجود ہے۔ میرٹھ اپنے کی بات ہے کہ ان کے کسی سوانح نگار نے اس سے استفادہ نہیں کیا شاید اس کی وجہ دورِ نظامی کی کمیابی ہو۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ابتدا میں بابا فرید ہانسی میں رہتے تھے جب وہاں ان کی شہرت کا آوازہ بلند ہوا تو انہوں نے نقل مکانی میں ہی عاقبت جانی، موصوف ہانسی سے اپنے آبائی وطن کو ٹٹے وال تعلق لے گئے۔ یہ محمول سی جگہ تھی اس لئے وہاں ماش کم تھی، عمان نزدیک ہونے کی وجہ سے بلیا صاحب وہاں مستودرہ رکھے اس لئے موصوف لاہور پہنچ گئے۔ یہ ایک بڑا اثر تھا جو آبِ رواں (روای) کے کنارے

تحریر فرمایا ہے۔ لیکن مذکورہ بالا دونوں مغزوں میں من میں اس کا نام دورِ نظامی لکھا ہے اس لئے میں اسے ہی صحیح سمجھتا ہوں۔

بائن مغزوں کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ شیخ عبدالحیث دہلوی نے ان کے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے کہ موصوف سلطان المشائخ کے مرید تھے اور انہوں نے خلافت الاسلام کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے۔ شیخ عبدالحیث نے اس کتاب سے ایک فقرہ عربی عبارت بھی نقل کیا ہے۔

دورِ نظامی کے ایک انداز سے یہ معلوم ہوا کہ علی بن محمود کا ایک بیٹا مسی ابو القاسم تھا جو بچپن میں فوت ہو گیا تھا۔

دورِ نظامی کا زمانہ تالیف

امیر حسن علی بھٹی نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی ایک مجلس کے مغزوں ۱۳ سفر ۷۱۹ھ کی تاریخ کے تحت درج کئے ہیں۔ یہ مجلس فائدہ افراد کے آخر میں ہے اور دورِ نظامی کی ابتدا میں۔ اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ جس زمانے میں فائدہ افراد قریب ۱۱۱۱ھ ختم تھے ان دنوں علی بن محمود دورِ نظامی کا آغاز کر رہے تھے۔ اس حساب سے اس تعنیف

خلیق احمد نظامی، "مغزوں کی اہمیت"، مقالہ مشورہ فقیر مرثی، مطبوعہ دہلی ۱۹۶۵ء ص ۴۲۶۔

۲۔ دورِ نظامی، ورق ۲ الف۔ "ایں رسالہ دورِ نظامی نام کردہ مشورہ۔

۳۔ حیاتِ محدث، اخبارِ مطبوعہ دہلی ۱۳۴۲ھ ص ۹۴، ۹۵۔

۴۔ دورِ نظامی، ورق ۵ ب۔

۱۔ دورِ نظامی ورق ۴ ب۔

۲۔ کوٹے وال پر حوالہ کیجئے رقمِ معروف کا مضمون، ماہنامہ راسخانیہ، ۱۳ جولائی ۱۹۸۳ء۔

حمید الدین ناگوریؒ کا خط لائیں۔ موصوفؒ "خزائن مکتوبات" لکھا
لائے اور اس میں قاضی صاحب کا خط تلاش کر لیا۔ بابا فریدؒ نے
انہیں حکم دیا کہ وہ کھڑے ہو کر خط پڑھیں۔ جب انہوں نے یہ رباعی
پڑھی:

اے عقل کجا کہ در کمال تو رسد
اے روح کجا کہ در جہال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ بر گرفت ز جہال
اے دیدہ کجا کہ در حال تو رسد

تو بابا صاحب پر ایسی کیفیت طاری ہو گئی جو تحریر و تقریر میں
نہیں آ سکتی تھی۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک ابراہیموں نے جبر سے کے اندر
جھانک کر دیکھا تو اس وقت بابا فریدؒ تنگ سر تھے اور ان کے چہرے کا
رنگ سفید مرصوف بار بار یہ رباعی پڑھ رہے تھے:

خواہم کہ بیفت در وصال تو زیم
خاک شوم و بزم باقی تو زیم
مقصود من خست ز خوین توئی
از ہر تو میرم و برائے تو زیم

بابا صاحب یہ رباعی پڑھ کر سجدہ ریز ہو جاتے اور کچھ دیر
بعد کھڑے ہو کر رقص کرنے لگتے۔

آباد تھا۔ اس نے وہاں ان کا جی نہ لگا۔ اس زمانے میں ابو دھن ایک بچہ
ساگادوں تھا۔ اس نے حضرت وہاں تشریف لے گئے اور اپنی زندگی کے
آخری سال وہیں گزارے تھے۔

اس غلط فہمی کا لاہور میں قیام ثابت ہے جس جگہ
ان دونوں مسلح کے دلائل ہیں وہاں ان کی رہائش گاہ موجود ہے۔
حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے روایت ہے کہ بابا فریدؒ اپنے
مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ پیر مرید کے لئے مشلا کا حکم رکھنا ہے۔
بابا صاحب اپنے مریدوں کو کسی شخص کی امانت اپنے پاس رکھنے سے
منہ کر دیتے تھے۔ ایک روز سلطان المشائخؒ نے حاضرین میں کو بیٹیا
کو بابا فریدؒ کے لئے ہی کسی سے اوصاف دیتے اور نہ ہی مال جمع کرتے تھے۔
اللہ کے پاس جو کچھ آتا اسے خرچ کر ڈالتے اور اگر کچھ بچتا تو ممبر
کرتے تھے۔ بابا فریدؒ اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ فقیر کو احوال پیش
لینا چاہیے۔

سلطان المشائخؒ سے روایت ہے کہ ایک روز بابا فریدؒ نے مسلح
سننے کی خواہش ظاہر کی۔ اتفاق سے اس بعد کوئی قوال وہاں موجود
تھا۔ بابا صاحب نے حضرت بدر الدین اسماعیلؒ کو بلا کر کہا کہ وہ قاضی

ہو رہا تھا، بابا صاحب کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ انہوں نے صاحبِ عارف
العارف کے نام کی مناسبت سے اس کا نام شہاب الدین رکھا یہ
جاس معذرت نے ایک روز حضرت نظام الدین اولیاء سے یہ سنا
کہ بابا فریدؒ کبھی کبھی ”ذرا“ میں سوار ہوا کرتے تھے یہ ذریغائی میں
ایک مرقع پر ”کچھنی“ کا ذکر بھی آیا ہے یہ اس سے یہ مترشح ہوتا
ہے کہ اس زمانے میں فارسی بولی چال میں ہندی الفاظ بڑا تلفظ ملے
جاتے تھے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص بابا فریدؒ کا مریہ بنے
کی خواہش کا اظہار کرتا تو بابا صاحب اسے فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھنے
کو کہتے۔ اس کے بعد اس سے ”اٰمن الرسول بجا انزل الیہ،
من ریبہ... الخ“ پڑھواتے اور پھر اس سے شہد اللہ استمر
لہ اللہ الا ہو اور ان السحین عند اللہ الاسلام کا اقرار
کراتے۔ پھر اس سے کہتے ”بیعت کو درجہ ضعیف سے، اچھے ضعیف کے
خواجہ سے اور خواجہ کے خواجہ سے اور اقرار کرو کہ میں اپنے آئندہ کو درگاہ
گاہ برے کام سے اور قدم کو درگاہ گاہ بری جگہ جانے سے اور نگاہ کو درگاہ
میں رکھوں گا نہ دیکھنے والی چیز سے“ جب مریہ اس کا اقرار کرتا تو اس
سے یہ بھی عہد لینے کہ وہ شریعت پر عمل کرے گا۔ پھر اس سے اللہ اللہ

سلطان المشائخ بڑی دیر تک یہ منکر دیکھتے رہے اور پھر حجت
کے جسے میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے اپنا سر بابا صاحب کے
قدموں میں رکھ دیا۔ بابا صاحب خدا جانے اس وقت کس عالم میں
تھے۔ انہوں نے سلطان جی کو مخاطب کر کے فرمایا ”بخواہ چہ بخواہی“
انہوں نے فوراً عرض کیا ”من چیزیں از خدمت دینی خواہستم“ بابا صاحب
نے فرمایا: وہ ہشتی، انیس دی جاتی ہیں۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ عمر بھر
ان کے دل میں یہ طالع رہا کہ اس وقت انہوں نے کیوں نہ اس بات کی التجا
کی کہ ان کا انتقال سماع کے دوران ہوئے۔

حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ بابا فریدؒ اپنی مجالس میں
عارف العارف کے حقائق بیان کرتے تھے یہ
قرون وسطیٰ میں سلسلہ چشتیہ کی خانقاہوں میں عارف العارف
کا درس معمولات میں شامل ہو گیا تھا۔ اس سے اس کتاب کی مقبولیت
کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بابا فریدؒ کا قویہ حال تھا کہ اگر کبھی ان کی
طبیعت سماع کی طرف مائل ہوتی اور قوال میرزا آقا قومصوف اپنے
کسی مریہ سے عارف العارف کی چند سطریں پڑھوا کر سنتے اور ان پر ہوجہ
طاری ہو جاتا۔

بابا صاحب نے عارف العارف کے چند باب سبقتاً سبقاً سلطان
المشائخ کو پڑھائے تھے۔ جن دونوں ان کے ہاں عارف العارف کا درس

۱۔ حسن علی اکبری، فوائد الخلد (ترجمہ) مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۱۶۴۔

۲۔ ذریغائی، ورق ۴۹ الف

۳۔ ایضاً ورق ۸۹ الف

۱۔ ذریغائی، ورق ۹۹ الف۔ ”چونکہ تم کہ در سماع بعیرم“

۲۔ ایضاً ورق ۴۹ الف

کہواتے ہیں

حضرت نظام الدین لولیا رحمت اللہ علیہ نے بابا فریدؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں فقط ایک بار حرات کا مظاہرہ کیا اور ان سے جگر کاٹنے کی اجازت مانگی۔ خواجہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسی باتوں سے دوسیش کی شہرت ہوتی ہے۔ نیز یہ ان کے پر دل کا طریقہ نہیں ہے۔ حضرت نظام الدینؒ کے جانشین حضرت غفر الدین چراغ دہلی کے غلیظ خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کی ایک مجلس میں چوکشی کا ذکر آیا تو مومن نے حاضرین کو بتایا کہ

خواجگان ماوراءین درشتہ اندک

ان واضح بیانات کی روشنی میں پتہ نہیں چلتا سلسلے میں چوکشی کیسے داخل ہو گئی۔ بابا فریدؒ کو ان کے مرشد نے چوکشی سے منع کیا تھا پھر بھی ان کے سوانح نگاروں نے ان کی طرف ایک جگہ منسوب کر دیا ہے جو انہوں نے اچھ کی ایک مسجد کے کنوئیں میں اٹا کھ کر کیا تھا یہ چوکشی نے سادہ لوح عقیدت مندوں کی مجبوروں پر ڈاک ڈالنے کے لئے صرف لاہور شہر میں خواجہ حسین الدین چشتی کی دو چڑگا میں کھڑی کر دی ہیں۔

۱۔ تہذیب نظامی ورق ۳۸۰ ب

۲۔ ایضاً ورق ۲۸ الف

۳۔ محمد کبریٰ عینی، حواشی علیہ، مطبوعہ لاہور ۱۳۵۶ھ ص ۲۳۱۔

۴۔ جلیقہ تہذیب، اخبار الخیر، مطبوعہ دہلی ۱۳۲۲ھ ص ۵۳، (ابتداء حیات الخیر)

بابا فریدؒ اور خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کے بیانات کی روشنی میں ان کی مجلس کیا حقیقت ہے؟

سلطان الشارح سے روایت ہے کہ بابا فریدؒ اور ان کے داماد حضرت بدیع الدین اسحاق بیٹے کرانے گھٹنے گھٹنے رکھتے اور کشتوں پر سر رکھ کر کھڑے کیا کرتے تھے یہ

حضرت نظام الدینؒ سے روایت ہے کہ پہلے سجاد امین شیخ صیف الدین باخریؒ کا استعمال ہوا اور اس سانچہ کے تین سال بعد شیخ بابا فریدؒ ذکر کیا واصل بحق ہوئے حضرت ذکر یا کی رحلت کے تین سال بعد بابا فریدؒ نے داعی اجل کو لبیک کہا ہے

حضرت نظام الدین اولیا رحمہ اللہ

دور نظامی میں حضرت نظام الدین لولیاؒ کے بارے میں بڑا اہم مواد موجود ہے۔ اس کے باوجود یہ تعریف ان کے سوانح نگاروں کی نظر دل کو صحت مند

جامع ملفوظات سلطان الشارح سے یہ روایت کرتے ہیں کہ ان کے ابتدائی زمانے میں ایک مدد شیخ نجیب الدین متوکلؒ ان کے ہاں آکر رہتے۔ سلطان جی نے اپنی والدہ ماجدہ سے کہا کہ ان کے لئے کھانا لایا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ان کے ہاں کھانا کھانے سے آیا ہے

گزشتہ صفحہ ۱۔ دو چاہ مسجد جامع جامعہ کہ در مقام اچھ است چھ مکتوب شیعہ کا پتہ

۱۔ دور نظامی، ورق ۵ ب ۲۔ ایضاً، ورق ۶۱ الف

۳۔ ایضاً ورق ۶ الف

ایک روز سلطان جی نے حاضرین مجلس کو بتایا کہ فوجوں کے عالم میں
موصوف مہلی کی بھر غیاثی میں جایا کرتے تھے اور ان دونوں وہاں امیر عالم
والو ابھی دغلا کیا کرتا تھا۔

جس دن حضرت نظام الدین اولیاء بابا فریسیہ سے بیعت ہوئے اس روز
انہوں نے بابا صاحب سے پوچھا کہ اب وہ قسم اختیار کریں یا فوافل میں
مشغول ہو جائیں بابا صاحب نے فرمایا کہ وہ انہیں علم سے منع نہیں کرتے
وہ دونوں کام کریں۔ سلطان جی فرمایا کرتے تھے کہ درویش کو مزدوری علم
آنا چاہیے بچہ پنجاب کے مشور صوفی شاہ سلطان بابو کا قول ہے کہ بچہ
علم فقیر آخر کا فر ہو کر مرنے ہے۔

جانب غلظت رقم طراز ہیں کہ ایک روز جب وہ سلطان المشائخ
کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت موصوف۔ و ما خلقت
البعث والانس الا لیعبدون۔ کی تفسیر بیان فرما رہے تھے
اور دوران گفتگو ابن عباسؓ کے حوالے بھی دیتے جاتے تھے بچہ
علی بن محمد ہانڈا کہتے ہیں کہ سلطان المشائخ کسی مرید کی تعظیم نہ
کرتے تھے لیکن جب کبھی قاضی محمد الدین کاشانی ان کی خدمت میں حاضر
ہوتے تو حضرت ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ آخر عمر میں
جب ان کے گھٹنوں میں درد پہنے لگا تو انہوں نے قاضی صاحب سے

حضرت نظام الدینؒ نے ابتدائی زمانے میں عسرت کا ایسا دور دیکھا تھا
کہ جب اپنے بڑھاپے میں ان کا ذکر کرتے تو ان کا دل بھرتا، موصوف
فرماتے ہیں کہ غیاث الدین بلہی کے عبد حکومت ۷۶۹ھ (۱۳۶۷ء) میں
دہلی میں خربوزے استے سستے تھے کہ دو جیتل میں ایک سی آتے تھے اس
کے باوجود فضل کا موسم گزر جاتا تھا اور خربوزے بچنے کی قیمت نہ آتی
تھی۔ انہوں نے اس کی یہ وجہ بتائی کہ نہ ہی تو خربوزے خریدنے کی بہت
ہوتی تھی اور نہ ہی کوئی شخص بطور تحفہ لا کر دیتا تھا۔ یہ واقعہ بیان کر کے
موصوف نے حاضرین مجلس کو بتایا کہ اللہ کے فضل سے ان کے دل میں
خربوزوں کی طلب بھی پیدا ہوئی تھی۔

عسرت کے اسی دور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا
کہ ان کے ہاں جس روز فاقہ ہوتا تو ان کی والدہ محترمہ انہیں محتاج کر کے
فرماتیں "آج ہم اللہ کے صالوں میں۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ
موصوف اپنی والدہ محترمہ سے یہ بات سس کر ہمیشہ فراق حاصل کرتے
اور اس وقت کے منتظر رہتے کہ دیکھتے دوبارہ کب موصوف یہ بات فراقی
ہیں۔ حضرت نے حاضرین کو بتایا کہ اس استفادے سے ان کے دل میں فراق
پیدا ہوا اور انہیں راحت ملتی تھی۔

حضرت نظام الدینؒ اولیاء رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ دو پیش کے
گھر میں شب شب ناقہ شب ہر راج ہوتی ہے یہ

۱۔ ذہب نظامی ورق ۹۵ ب

۲۔ ایضاً ورق ۷ ب

۳۔ ایضاً ورق ۱۰ ب

۲۔ ایضاً ورق ۹۲ ب

۱۔ ذہب نظامی ورق ۹۱ الف

۳۔ ایضاً ورق ۹۲ الف

میں حضرت زکریاؑ اپنے چچا کے سامان کی تجارت کیا کرتے تھے ایک بار انہیں تجارت میں خسارہ ہوا تو چچانے انہیں معذرت دیا جس نے انہیں نے کام دیا۔ حضرت زکریاؑ تجارت کا شغل چھوڑ کر مقبیل علم کے لئے بخدا تشریف لے گئے اور حصول علم کے بعد بغداد میں شیخ ابی یوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے روایت ہے کہ نام الدین قباچہ کے عہد میں منگوؤں نے قتان کا محاصرہ کیا۔ حضرت زکریاؑ نے اسے ایک تیر دسے کر کہا کہ رات کے وقت منگوؤں کی طرف چلا دوں۔ خدا کا کرنا کہ اس رات منگوں محاصرہ اٹھا کر واپس چلے گئے۔

سلطان الشیخ فرماتے ہیں کہ حضرت بہلول الدین زکریاؑ کے مرید حسن افغانیؒ تھے اور اپنے بابہ کے بزرگ تھے اور انہیں کشف العقوب ہوتا تھا۔ حضرت زکریاؑ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن جب خدا تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ دینا سے کیا لائے ہیں تو موصوف حسن افغان کو بارگاہ خداوندی میں پیش کر دوں گے۔ یہ میر حسن علاء سبزی نے فراتہ العلو میں یہ واقعہ ۲۹ شوال ۷۷۷ھ کو منقذ ہونے والی مجلس کے ضمن میں درج کیا ہے۔

ایک روز حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے حاضرین مجلس کو بتایا کہ

مفسد کر لی! اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان کے دل میں عمار کی بڑی قدر تھی اور موصوف اپنے عالم مریدوں کا کھڑے ہو کر استقبال کیا کرتے تھے۔

حضرت بہار الدین زکریاؑ

چشتی بزرگوں کے موقوفات میں حضرت بہار الدین زکریاؑ اور شیخ جلال الدین تبریزی کا بار بار ذکر آتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ دونوں بزرگ چشتی معلقوں میں بڑے مقبول تھے۔

ایک روز حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے حاضرین مجلس کو بتایا کہ حضرت زکریاؑ صرف سترو روز شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر مسعودیؒ کی خدمت میں رہے اور اس مختصر سی مدت میں انہوں نے جو فیض اپنے مرشد سے پایا وہ دوسروں نے سالہا سال بھی بھی حاصل نہیں کیا۔ حضرت شیخ الشیوخ نے انہیں خلافت سے نوازا تو شیخ کے پرانے مرید ریحیہ ہوئے کہ وہ مدتوں سے یہاں پڑے ہیں اور یہ خود اور چند ہی روز میں اتنی بڑی نعمت لے کر جا رہے۔ اس پر شیخ الشیوخ نے فرمایا کہ وہ گویا ایندھن لے کر ان کی خدمت میں آئے ہیں اور ذکر یاغیہ جو بختک لے کر آیا تھا۔ جسے ایک ہی پھونک میں آگ لگ گئی تھی۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے روایت ہے کہ جوانی کے عالم

۱۔ قدیر نظامی مدق ۸۳ الف

۲۔ ایضاً مدق ۸۲ ب

۳۔ ایضاً مدق ۲۳ الف

۱۔ قدیر نظامی مدق ۲ ب

۲۔ ایضاً مدق ۳۹ ب

حضرت بابا الدین زکریاؑ نفلی روزے کم رکھا کرتے تھے لیکن عبادت بکثرت کرتے تھے۔ جب کوئی نفلی روزہ دے کے بارے میں سوال کرتا تو فرمایا یہ آیت پڑھ کر اسے خاموش کر دیتے:

سَلُوا اِيَّاهُ الطَّيِّبَاتِ وَ اَعْلُوا صَالِحَاتِهِ (المؤمنون: ۵۸)

سلطان المثنیٰ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ مثنیٰ میں ناصر الدین قبچاق نے مدرسہ قائم کیا تھا۔ تاشی قلب الدین کا شافی وہیں رہتے تھے اور مدرسہ کی مسجد میں امامت بھی فرماتے تھے۔ حضرت زکریاؑ کا یہ معمول تھا کہ فجر کی نماز ان کی اقتدائیں لوازمات تھے۔ ایک روز تاشی صاحب نے ان سے کہا کہ وہ روز اتنی دُور سے وہاں آنے کی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں؟ حضرت زکریاؑ نے فرمایا کہ وہ اس پر عمل کرتے ہیں:

مَنْ صَامَ خَلْفَ

عَالِمٍ تَقَىٰ فِكَائِمًا

صَلَّىٰ خَلْفَ نَبِيٍّ

سلطان المثنیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت زکریاؑ بارہ سو تو ایک اصحاب

نے ایک خط لاکر حضرت صدر الدین عارفؒ کو دیا اور ان سے اپنیس کی کہ اسے حضرت زکریاؑ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ حضرت زکریاؑ نے وہ خط پڑھ کر حاضرین سے کہا: دوستو! ہمارا وقت سفر کیا گیا ہے حاضرین ان کی بات سن کر رونے لگے۔ اگلی شب حضرت زکریاؑ باہر سے

۱۔ مُدْبِطُ الْوَقْتِ ۲۷ ب

۲۔ اَيْضًا ، وَرَقِ ۱۲ اَلْف

گھر سے نورانی مدرسے سے ان کا انتقال ہوا۔

حضرت نظام الدینؒ سے روایت ہے کہ اگر کوئی شخص مسیحا ہوگا پس کہ حضرت زکریاؑ کے سامنے آتا تو موصوف سے دیکھ کر فرماتے: یہ کیا شیطان کا لباس پہن کر آگئے ہو؟

حضرت جلال الدین تبریزیؒ

حضرت نظام الدین اور دوسرے چشتی مشائخ کے عظمت میں حضرت جلال الدین تبریزیؒ کا بار بار ذکر آتا ہے۔ ایک دلی سلطان المثنیٰ نے حاضرین مجلس کو بتایا کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے جتنی خدمت اپنے مرشد کی کی ہے اتنی کسی مرید نے نہیں کی۔ شیخ البیرونیؒ شہب الدین عمر سرودؒ ہر سال حج کو جایا کرتے تھے۔ ان کا مددہ کمزور تھا اس لئے سر دھکتے سے پرہیز فرماتے تھے۔ حضرت جلال الدین تبریزیؒ اپنے سر پر اٹھ بیٹھ رکھ کر شیخ کے ساتھ چلتے کہ پتہ نہیں موصوف کس وقت کھانا طلب فرمائیں۔ ایک روایت ہے کہ کونسلوں کی گری سے ان کے سر پر بال اُگنے بند ہو گئے تھے۔

۱۔ مُدْبِطُ الْوَقْتِ ۱۶ اَلْف

شیخ الاسلام بابا الدین الزبام بیضاؤ

ہمدان شب برجمت رحمتی پرست۔

۲۔ اَيْضًا ، وَرَقِ ۷۷ اَلْف

”وین لباس شیطان است“

۳۔ اَيْضًا ، وَرَقِ ۲۹ اَلْف

حضرت امیر خسروؒ

جامع غفرات تھے ہیں کہ امیر خسرو دن بھر کے واقعات اور حالات رات کے وقت حضرت نظام الدین کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے اور موصوف یہ واقعات سنی کر آبدیدہ ہو جایا کرتے تھے یہ علی بن محمود جاندار امیر خسرو کے برادر بزرگ تھے اس لئے وہ ان کی عادات سے خوب واقف تھے۔ موصوف امیر خسرو کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ شعر و سخن کے خوب ماہر تھے یہ

شیخ سنائی

حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ شیخ سنائی کے والد آدم اور سلطان محمود غزنوی کے استاد شیخ شیبہ ہوتے تھے۔ ایک رات شیخ شیبہ نے خواب میں دیکھا کہ آدم کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جو بہت بڑا عالم اور شاعر ہے اس کے بعد انہوں نے دیکھا کہ قیامت برپا ہے اور آدم کا بیٹا اللہ تعالیٰ کے حضور میں توحید پر جہنم افتاد پڑھ رہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان اشارے کے فضیل غزنوی کے تمام باشندوں کو بخش دیا۔ اگلی صبح شیخ شیبہ نے یہ ماجرا شیخ آدم سے بیان کیا۔ کچھ عرصہ بعد شیخ جو موصوف فوت ہو گئے اور ان کی وفات کے بعد سنائی پیدا ہوئے۔ حضرت نظام الدین سے روایت ہے کہ سنائی ابتدا میں اٹھی محض تھے یہ

۱۔ حدیث نظامی ورق ۴۹ الف

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً ورق ۴۴ ب ۴۷ الف

امام اعظم ابو حنیفہؒ اور خواب کی تعبیر سلطان الاشخ فرماتے ہیں کہ کسی غلیظ نے خواب میں حضرت عزرائیلؑ کو دیکھا اور اس سے سوال کیا کہ اس کی عمر کتنی باقی ہے۔ اس نے پانچ انگلیں دکھائیں۔ اس سے پانچ دن بھی مراد لئے جاتے تھے اور پانچ سال بھی، غلیظ کو اس بارے میں بڑا تردد تھا۔ اس نے حضرت ابو حنیفہؒ سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ ملک الموت نے یہ نہیں کہا کہ وہ پانچ دن یا پانچ سال اور بچے گا بلکہ اس نے اس طرف اشارہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ چیزوں کا علم کسی کو نہیں دیا؛

ان الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم ما في الارحام وما تدري نفس ماذا تكسب غدا وما تدري نفس بياتي امر من الموت ان الله عليم بالخبر (نقان ۲۳)

غلیظ یہ تیسرے سن کر خوش ہوا اور امام صاحب کو شہادت ملے کہ حضرت کیا ہے

حضرت نظام الدین کے زمانے میں اس قصے کی نسبت امام ابو حنیفہؒ کی طرف ہو گئی تھی۔ درود عام طور پر بھی مشہور ہے کہ امام مالک کو خواب میں حضور نبی کریمؐ نے ایسا اشارہ کیا تھا اور انہوں نے امام ابن سیرینؒ سے اس کی تعبیر پوچھی تھی اور انہوں نے وہ جواب

۱۔ حدیث نظامی ورق ۱۸ الف

دیا تھا جو مذکورہ بالا روایت میں امام غفرلہ کی طرف منسوب ہے۔

امام ناصرؒ

سلطان الشیخ فرماتے ہیں کہ امام ناصر الدین کو سکھ ہوا تو لوگوں نے انہیں مردہ سمجھ کر دفن کر دیا۔ رات کے وقت قبر میں انہیں ہوش آیا تو انہوں نے سورت التین کی تلاوت شروع کر دی۔ اتفاق سے اسی وقت ایک کنہی چور نے ان کی قبر کھدائی شروع کر دی۔ امام صاحب کو جب معلوم ہوا کہ کوئی شخص ان کی قبر کھود رہا ہے تو انہوں نے آواز مٹی کر دی۔ کنہی چور نے جب کنہی تارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو امام صاحب اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آئے کنہی چور کا دھسے دہشت کے پتہ چھٹ گیا اور وہ دم میں ڈھیر ہو گیا۔ امام صاحب کو اس کی موت پر بڑا رنج ہوا۔

امام صاحب رات کے اذھیروے میں اپنے گھر کی طرف چلے اور راستے میں موصوف اپنے دل میں یہ سوچ رہے تھے کہ لوگ کہیں انی کو دیکھ کر ڈر نہ جائیں۔ اس لئے موصوف بہت آہستہ آہستہ چھپتے چھپتے اپنے گھر پہنچے اور دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی کہ وہ غلام شخص میں انہیں سکھت ہو گیا تھا اور لوگ انہیں مردہ سمجھ کر دفن کر آئے تھے حالانکہ وہ زندہ تھے یوں انہوں نے لوگوں کا خوف دور کر دیا۔

جامع فرائد الغرائب نے یہ واقعہ ۷ ذی القعدہ ۷۱۰ھ کی مجلس کے منہ میں درج کیا ہے اس میں یہ بھی درج ہے کہ امام ناصرؒ اس واقعہ کے بعد تفسیرنا مری بھی تھی تھ۔

شیخ فرید الدین عطارؒ

در نظامی میں مرقوم ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاؒ ایک ایسے شخص سے ملے جس نے شیخ فرید الدین عطارؒ کو دیکھا تھا۔ اس شخص نے سلطان جی کو بتایا کہ جب چلیز خان کا لشکر کنڈ پر پہنچا تو شیخ عطارؒ اپنی خانقاہ میں سترہ مریدوں کے ساتھ قبضہ ہو کر بیٹھ گئے۔ جب منگول وہاں پہنچ کر قتل عام کرنے لگے تو موصوف نے فرمایا: "ابن چرینغ قناریت و این چرینغ جباریت" جب شیخ عطارؒ کے قتل کی بری آئی تو انہوں نے فرمایا: "ابن چرکم است داین چر احاست"۔

یہ واقعہ بیان کر کے سلطان الشیخ نے فرمایا کہ سالک کو چاہیے کہ وہ تمام کام خدا پر چھوڑ دے اور اس کی رضا کے سلسلے میں شرمسار نہ ہو۔ موصوف نے حضرت جی میں کو بتایا کہ جب منگولوں کا لشکر چلیز خان کی قیادت میں کنڈ پر پہنچا تو حکم خواہ سال نے شیخ عطارؒ سے کہا کہ موصوف دعا فرمائیں کہ یہ لشکر واپس بلا جائے۔ شیخ موصوف نے فرمایا کہ اب دعا کا وقت نہیں رہا۔ اب تسبیح و دعا کا وقت ہے۔

حضرت نظام الدین نے یہ روایت بیان کر کے فرمایا کہ موصوف اس بات کے قائل ہیں کہ نزولِ بلا کے وقت بھی دعا کی جائے تاکہ اس سے کم سے کم نقصان پہنچے۔

(مسوگرشت سے)، اردو ترجمہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۱۴۹

۱۔ در نظامی، ورق ۹۰، الف

۱۔ در نظامی، ورق ۹۰، الف ۲۔ امیر حسن علی بکری، فرائد الغرائب (چونہ)

نجم الدین صفیری

سلطان المشیح سے روایت ہے کہ ایک بار خواجہ مصیبن الدین اجیری رحمہ اللہ بخاری منبری سے ملے گئے وہ اس زمانے میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز تھا۔ اس نے خواجہ بزرگ کو دیکھ کر رُخ پھیر لیا ہندو تھے اس بے رخی کی وجہ پوچھ تو اس نے کہا کہ وہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے تالاں ہے۔ دراصل وہ ان کی مقبولیت پر حسد کرتا تھا۔

خواجہ صاحب نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو موصوف انیسویں صدی کے اخیر لے جاتے ہیں۔ خواجہ بزرگ نے قطب الدین سے فرمایا "بابا قطب الدین! تم میرے ساتھ اجیر چلو۔ تم سند پڑھنا اور میں تمہارے سامنے کھڑا رہوں گا۔ خواجہ قطب الدین نے عرض کیا، "اللہ اشہ! میری کیا کیا ہے کہ میں آپ کے سامنے بیٹھوں؟" خواجہ بزرگ نے فرمایا "چھا تو میر تم جانو،" خواجہ صاحب اجیر روانہ ہو گئے اور ادھر دہلی میں خواجہ قطب الدین کا استقبال ہو گیا۔

سلطان التمش

سلطان المشیح سے روایت ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کی وفات کے بعد کسی نے اسے خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ اس کے ساتھ کیا ماجرا گزرا؟ سلطان نے کہا کہ حوض کسی قنیر کے کنارے ایک درخت کے نیچے اس کی مغفرت ہو گئی ہے۔

حضرت قطب الدین سے روایت ہے کہ خواجہ مصیبن الدین اجیری کے فرزندوں کو سرکاری زمین ملے۔ اس زمین کے بارے میں ان کا مصلح سے کچھ اختلاف ہو گیا۔ بیٹوں کے اصرار پر خواجہ بزرگ خود دہلی گئے تاکہ سلطان التمش سے مل کر یہ قضیہ طے کرادیں۔ خواجہ قطب الدین نے اپنے مرشد سے کہا کہ وہ یہ تکلیف نہ کریں۔ موصوف خود سلطان سے ملکر ان کا کام کر وادیں گے۔ جب خواجہ قطب الدین سلطان التمش کے ہاں پہنچے تو وہ انہیں دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ اس سے قبل اس نے ان سے ملنے کی کئی بار خواہش ظاہر کی تھی لیکن خواجہ صاحب اسے اپنے ہاں آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ خواجہ صاحب نے سلطان کو مصلح کے ساتھ اختلاف سے آگاہ کیا اور اس نے فوراً ان کا کام کر دیا۔

سلطان المشیح فرماتے ہیں کہ ماضی محمدی الدین کا شان سے منقول ہے کہ سلطان التمش اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ایک ہی سال میں فوت ہوئے تھے۔

معزز الدین کی قیاد

عام طور پر سلطان معزز الدین کی قیاد (۱۲۸۰ء تا ۱۳۹۰ء) کو ایک عیاش طبع مکران بھا جاتا ہے۔ جس کے شب و روز فق و فخر کی مجلسوں میں گزرتے تھے۔

علاء الدین غلی کا دور حکومت خیر و برکت کا دور تھا جاتا ہے۔
حضرت نظام الدین اس بابرکت عہد کے لوگوں کے بارے میں فرماتے
ہیں کہ اکثر لوگوں کے مال حرام اور مشتبہ ہیں۔
آج ہمارے زمانے میں لوگوں کے مال کی کیا حیثیت ہے؟

تقدیم دہلی

جامع غفرات لکھتے ہیں کہ ابتدا میں غیاث پور، جہاں حضرت
نظام الدین رہتے تھے ایک معمولی سا گاؤں تھا اور وہاں بہت کم آبادی
تھی۔ جب سلطان قیساوند نے کیوگہری میں سکونت اختیار کی تو لوگوں کی توجہ
غیاث پور کی طرف ہوئی۔

علی بن محمود جانداز نے حوض رانی کے نواح میں بانٹا جسرت کی
نشان دہی کی ہے۔ یہ حوض رانی کے علاقے میں اب شائع ہو چکے ہیں
گئے ہیں اور ہمارے فاضل بزرگ قاضی سجاد حسین پرنسپل مدرسہ فتح پور
نے بھی دہلی میں ایک جگہ تعمیر کروایا ہے۔

راقم الحروف نے جوامع الکلم کے بار بار مطالعے سے قدیم دہلی کے
تیرہ دروازوں کا کھوج لگایا ہے۔ ضیاء الدین برہانی نے جو دہلی دروازے

در نظامی کی روایت ہے کہ قیساوند نے اپنے دادا سلطان غیاث
الدین میں کی روح کو ایصال ثواب کے لئے اپنے ایک محمد خواجہ سرا
کا ذکر کو حکم دیا تھا کہ وہ ہر جمعہ کو خیرات کیا کرتے۔ ایک بار کافر نے
اس رقم میں سے دو ٹکے سلطان جی کی خدمت میں بھیجے۔ جوامع
نے قبول کر لئے۔ اس کے بعد بھی وہ متوازی کسی جگہ سلطان جی کی خدمت
میں بھی کچھ رقم بھیجا رہا ہے۔

عہد علاؤ

جس زمانے میں علی بن محمود جانداز در نظامی مرتب کر رہے تھے
وہ سلطان علاؤ الدین غلی کا دور حکومت تھا۔ اس کی سخت گیر پالیسی
کے باوجود چوری چکاری عام تھی۔ جامع غفرات قسطنطنیہ میں کہ
بزرگوں کے گھر بھی غیر محفوظ تھے۔ ایک بار چور شیخ احمد رانی کے
گھر کا بھی مٹایا کر گئے تھے۔

در نظامی کے ایک انداز سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علاؤ الدین
غلی کے زمانے میں سب سے ہندو رہن جگلوں میں مسافروں کو ڈاکوتے
تھے۔ ایک دوسرے کو تن پر علی بن جانداز لکھتے ہیں کہ اس زمانے
میں راستے غیر محفوظ تھے۔

۱۔ در نظامی ورق ۹۱ الف

۲۔ ایضاً ورق ۳۱ الف

۳۔ موصی بحول بود

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً ورق ۹۱ ب

۱۔ در نظامی ورق ۱۱۱ ب

۲۔ ایضاً ورق ۵۵ الف

۳۔ ایضاً ورق ۱۱۱ ب

۴۔ ایضاً ورق ۵۵ الف

توبہ کی اقسام

ایک روز حضرت نظام الدین اولیائے حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ توبہ کی تین اقسام ہیں:

ماضی، حال، اور مستقبل

ماضی کی توبہ یہ ہے کہ دشمن کو راضی کر دے۔ مثلاً اگر کسی شخص کے دس درہم غصب کئے ہوں تو وہ توبہ کہنے سے معاف نہیں ہوں گے تاہم دس درہم مالک کو دے جا کر دے۔ اگر کسی شخص کو گالی دی ہو اور وہ مر گیا ہو تو اس کی صفات بیان کرے اور اس کے لئے دعا کی شفقت کرے اور اگر اس سے زنا کا ارتکاب ہوا ہو تو توبہ کرے لوگوں کو کھانا کھلاتے اور شربت پلاتے۔

حال کی توبہ یہ ہے کہ اپنے گناہوں پر پشیمان اور زانم ہوں مستقبل کی توبہ یہ ہے کہ وہ عہد کرے کہ آئندہ گناہ نہ کرے گا۔

اس موقع پر حضرت محی الدین کاشانی نے سلطان المشائخ سے پوچھا کہ اگر کسی نے ادا کی جو ان میں گناہ کیا ہو اور بعد میں توبہ کر لی ہو یقین کبھی کبھی حل میں اس پر لے گناہ کا خیال آجائے ہو تو اسے یہ کیسے معلوم ہو کہ اس کی توبہ قبول ہو گئی ہے اور اس گناہ کا اثر زائل ہو گیا ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا کہ وہ یہ دیکھے کہ اگر اس گناہ کے تصور سے اسے لذت محسوس ہوتی ہو تو وہ یہ کہے کہ ہنوز اس گناہ کا اثر باقی ہے (یعنی اس کی توبہ قبول نہیں ہوئی) اور اگر اس کے تصور سے دل میں نفرت پیدا ہوتی ہو تو وہ یہ جان لے کہ اس گناہ کا اثر زائل ہو چکا ہے اور یہ توبہ کی قبولیت کی دلیل

”بندر کمال“ کی نشاندہی کی ہے۔ حضرت برہان الدین غریب کے عقیدت نفس الانفس میں پندرہویں دروازے ”دروانہ پل“ کا سر آغاز فرمایا ہے۔ دروٹھائی میں دہائی کے سولہویں دروازے ”دروانہ کمال“ کا ذکر آیا ہے۔

علی بن محمد جاندار نے ایک بزرگ حاجی روزیہ کا ذکر کیا ہے جن کی قبر ”دروانہ غزنین“ کے باہر فصیل کے ساتھ تھی۔

بیعت کا استحفاظ

حضرت نظام الدین اولیائے نے ایک روز حاضرین مجلس کو بتایا کہ بیعت کی ابتدا بیعت رضوان سے ہوتی ہے۔

ہماری یہ ناقص رائے ہے کہ بیعت رضوان سے بھی آٹھ سال قبل عقبہ کی گھاٹی میں بیعت کی ابتدا ہوتی تھی جس میں انصار نے آنحضرت کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ اپنی جان، مال اور اولاد سے بڑھ کر آپ کی حفاظت کریں گے۔

۱۔ ضیاء الدین بلخ، تاریخ فرزندش ہی، مطبوعہ علی گڑھ، ۱۸۵۷ء، ۱۵

ص ۱۰

۲۔ حاد کاشانی، نفس الانفس، مخطوط، مخزنہ مکتبہ السلاطین، ۳۳

ص ۹۵

۳۔ دروٹھائی ورق ۱۱۱

۴۔ ایضاً ورق ۸۵

۵۔ ایضاً ورق ۳۹

باخبر ہوتے تو پھر کنا میں نہ کھتے بلکہ

مونیوں کے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ جو شخص معرفت خدا کے بارے میں علم رکھتا ہے وہ اس موضوع پر قلم نہیں اٹھاتا اور جو اس کے متعلق لکھتا ہے وہ معرفت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

تائب اور متقی میں فرق

ایک روز حضرت نظام الدین اولیا کی مجلس میں تائب اور متقی کے موضوع پر بحث چل نکلی۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ تائب بہتر ہے اور بعض لوگوں کی رائے تھی کہ متقی کو اس پر فضیلت حاصل ہے۔ بات کے طرفداروں نے کہا کہ وہ معاملہ کاغذ چمک کر تائب ہوا ہے، متقی تو گناہ کی لذت ہی سے بنا آتش ہے اس لئے اس کے تقویٰ میں کوئی کمال نہیں ہے۔

حضرت نظام الدین نے عرض کی بات سن کر فرمایا کہ ایک بار لوگوں نے کسی کو جولاہے سے پوچھا کہ متقی اور تائب میں کیا فرق ہے؟ اس نے کہا کہ وہ متقی اور تائب کے معنی نہیں جانتا لوگوں نے اسے تیار کر متقی وہ ہے جس نے کبھی کوئی گناہ نہ کیا ہو اور تائب وہ ہے جس نے گناہ کیا ہو اور پھر توبہ کر لی ہو جولاہے نے جواب دیا کہ وہ ایک بات جانتا ہے کہ ایک تاکہ وہ ہے جو ٹوٹا ہو اور اصلی جگہ پر نہ رہا ہو اور دوسرا تاکہ وہ ہے جو ٹوٹ جائے اور اسے جڑ دیا جائے۔ اس کا تجربہ ہے کہ وہ دونوں تاکے برابر نہیں ہو سکتے بلکہ

۱۔ ایضاً، ورق ۱۳ الف

۲۔ ایضاً، ورق ۱۵ الف

معرفت کی حقیقت

سلطان الشیخ فرماتے ہیں کہ ایہ بارکھلی اجنبی نے حضرت بابزید بطائی سے کہا کہ اسے معرفت کے معنی بتائیں۔ حضرت نے کھانا منگو کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ اگلے روز اس نے پھر یہی سوال کیا تو حضرت نے حسب سابق کھانا منگو کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے کہا کہ وہ ان سے معرفت کے بارے میں سوال کرتا ہے اور موصوف جواب دیتے ہیں۔ کھانا منگو کر اس کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: میرے بھائی یہی معرفت ہے کسی کی حاجت پوری کرے اور کسی کو حاجت پہنچا دے۔ حضرت نظام الدین فرماتے ہیں کہ فرزند سے مولانا فخر الدین نامی ایک بزرگ کسی پیر پار سے ملنے گئے جب یہ ان کے ہاں پہنچے تو اس وقت پیر صاحب کمانوں کے لئے کھانا پکانے میں مصروف تھے اس لئے مولانا کی ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ایک دن مولانا نے پیر صاحب سے کہا کہ وہ اتنا لمبا سفر کر کے اس سے استفادہ کرنے آئے تھے اور وہ کھانا پکانے میں مصروف رہتے ہیں اس لئے استفادہ کا موقع نکالیں۔ پیر صاحب نے مولانا سے پوچھا کہ انہوں نے معرفت خدا کے موضوع پر بھی کچھ پڑھا ہے؟ مولانا نے کہا کہ انہوں نے تو اس موضوع پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ پیر صاحب نے فرمایا کہ اگر وہ معرفت خدا سے

۱۔ درد نظامی، ورق ۱۳ الف باب

۲۔ ایضاً، ورق ۱۳ باب

یہ واقعہ فرارِ انطاویہ میں ۱۳ صفر ۷۱۹ء کو منعقد ہونے والی مجلس کے ذیل میں بھی درج ہے۔

اخوت کی اقسام۔

ایک روز حضرت نظام الدین نے حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اخوت دو طرح کی ہوتی ہے۔

۱۔ اخوتِ نسب

۲۔ اخوتِ دین

ان دو قول میں اخوتِ دین قوی تر ہے۔ اس کی دلیل دیتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ اگر دو حقیقی بھائی ہوں اور ان میں سے ایک کافر ہو اور دوسرا مومن تو مومن اپنے کافر بھائی کی میراث نہیں لے سکتا۔ اسی لئے اخوتِ نسب کمزور ہے۔ اب رہی اخوتِ دین، تو یہ بڑی مضبوط ہے کیونکہ ان بھائیوں کا تعلق دنیا میں تو ہے ہی آخرت میں بھی رہے گا۔

نفلوں کی جماعت

چشتیوں کے اہل جماعت کے ساتھ نفل ادا کرنے کا رواج تھا حضرت سلطان المشائخ نے اسے اپنے بزرگوں کا مسلک بتایا ہے۔ موصوف نے حاضرین مجلس کو بتا کر بابا فرید کے حکم سے انفل نے بھی نفلِ باجماعت ادا کئے تھے بلکہ امامت کا شرف بھی انہیں کے حصے میں آیا تھا۔

۱۔ درر نظامی، ورق ۷۷ الف

۲۔ ایضاً، ورق ۲۲ ب

زکوٰۃ کی اقسام

حضرت نظام الدینؒ اویا نے ایک روز حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ زکوٰۃ کی تین اقسام ہیں،

۱۔ زکوٰۃ شریعت

۲۔ زکوٰۃ طریقت

۳۔ زکوٰۃ حقیقت

زکوٰۃ شریعت یہ ہے کہ دوسو درہم پر پانچ درہم زکوٰۃ دے۔ زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ پانچ درہم اپنے پاس رکھ کر باقی رقم زکوٰۃ میں دے دے اور زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ پوری رقم زکوٰۃ میں دے دے اور اپنے پاس کچھ نہ رکھے۔

ہدیہ شاہی کا حکم

سلطان المشائخ نے ایک روز جامع مغربہات کی موجودگی میں فرمایا کہ شیخ جمال الدین تبریزیؒ کے مرشد حضرت ابوسعید تبریزیؒ اور ان کے مرید الکشفیہ سے رہتے تھے۔ موصوف کسی سے کچھ نہ لیتے۔ دن کو ان کا اور ان کے مریدوں کا روزہ ہوتا تھا۔ مغرب کے وقت تمام حضرات کھڑے ہو کر خیرینے (خضل) سے انفل کرتے اور رات بھر جہالت میں مصروف رہتے۔ ایک روز حاکم تبریزیؒ نے قاصد کے ہاتھ کچھ رقم حضرت ابوسعید کے خادم کو بھجوائی اس نے اسی رقم سے انفل کیا تاکہ خیرینے کہ حضرت کے سامنے لا رکھا۔ اگلی صبح حضرت نے خادم کو بلا کر

۱۔ درر نظامی، ورق ۲۶ الف

کہا کہ گزشتہ رات انہیں عبادت میں لذت محسوس نہیں ہوئی اس لئے وہ بے تپا کے انظار کا سامان کماں سے آیا تھا، خادم نے ڈرتے ڈرتے سارا واقعہ سنایا۔ حضرت ابوسعید نے پوچھا کہ جب شاہی قاصد رقم لے کر خانقاہ میں آیا تو وہ کماں کھڑا ہوا تھا۔ خادم نے اس جگہ کی نشاندہی کی تو حضرت نے وہاں سے مٹی اٹھوا کر خانقاہ سے باہر پھینکا دی۔

بیعت صرف زندہ سے کرنی چاہیے

حضرت نظام الدینؒ کو لیا سے روایت ہے کہ بابا فریدؒ کا ایک بیٹا وہلی جاکر خواجہ قطب الدینؒ اختیار کاکی کے مزار پر بیٹھ گیا اور خود کو ان کا مرید سمجھ کر غلوک ہو گیا۔ بابا صاحب کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے بیٹے کو لکھا کہ خواجہ صاحب ان کے مخدوم اور مرشد ہیں۔ لیکن غائب کی بیعت جائز نہیں۔ بیعت وہ ہے جو زندہ شیخ کے ہاتھ پر کی جائے۔

اہل ہمشیت کا ایک گروہ

سلطان الشیخؒ فرماتے ہیں کہ ایسے خوش نصیب لوگ بھی ہوں گے جنہیں قیامت کے دن فرشتے اس طرح گھسیٹ کر ہشت میں لے جاتیں گے جس طرح بچوں کو گھسیٹ کر کتب کی طرف لے جاتے ہیں۔ وہ لوگ خدا کی بارگاہ میں التبا کر رہ گئے کہ انہوں نے محبت کے

ساتھ اس کی عبادت کی تھی لہذا اس عبادت کے صلے میں وہ ہشت میں نہیں جانا چاہتے بارگاہ و خداوندی سے فرشتوں کو یہ حکم ملے گا کہ انہیں زنجیروں میں بھر کر زبردستی ہشت کی طرف لے جائیں۔

عصمت انبیاء

حضرت نظام الدینؒ نے ایک روز حاضرین مجلس کو غی طرب کر کے فرمایا کہ انبیاء کرامؑ گناہوں سے محفوظ اور مصوم ہوتے ہیں لیکن اولیاء اللہؒ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں مصوم نہیں۔

شہرت بعد از مرگ

سلطان الشیخؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار لوگوں نے صوفی عبداللہؒ کو گوری سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض بزرگ مرنے کے بعد نامور ہو جاتے ہیں اور بعض بزرگوں کو لوگ بھلا دیتے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ جو لوگ اپنی زندگی میں مشہور ہو گئے تھے وہ مر کر گناہ ہو گئے اور جو زندگی میں گناہ بہتے تھے وہ مر کر مشہور ہو گئے۔

حسین بن منصور حلاج

علی بن محمد بخارا رقم مسدود ہیں کہ حضرت نظام الدینؒ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ حسین بن منصور حلاجؒ کی لاشیں جلا کر اس کی راکھ دجلہ میں بادی۔ اتفاق سے سید احمد کبیرؒ نے وہ پانی لیا۔ اسسبب

سے ان پر دہرہ حال کی کیفیت طاری ہو گئی۔

گھرنے کا سام

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دن کو روزہ رکھے رات کو عبادت کرے اور وہ حرمین کی زیارت سے بھی مشرف ہو چکا ہو، تو کچھ بیچے اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ اصل کام دل سے دنیا کی محبت ختم کرنا ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں ذرا برابر بھی دنیا کی محبت ہو اور وہ خدا سے محبت کا دم بھرتا ہو تو جان بیچے کہ وہ کذاب ہے قیامت کے دن ایسا شخص خدا کے دوستوں کے سامنے شرمناک ہو جائے

عزالت کا فائدہ

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ عزالت کا فائدہ نکر و ذکر ہے اور یہ بزرگ ترین عبادت ہے۔ یہ نعمت حق سے عزالت اور گوش نشینی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ہے

مومن ہونے کی شرط

حضرت نظام الدین فرماتے ہیں کہ اتھور نامی ایک ترک نے دلیلی ایک سید بڑائی اور بابا فرید الدین محمود گنج شکر کے بھائی نجیب الدین متوک کو امانت کے فرائض سونپے اس نے انہیں رہنے کے لئے ایک مکان بھی دیا کچھ عرصہ بعد اتھور نے اپنی بیٹی کی شادی بڑی محرم دھام

کے ساتھ کی اور اس تقریب پر ایک لاکھ ٹنگے سے بھی زیادہ رقم خرچ کر ڈالی۔ ایک دن شیخ موصوف نے اس سے کہا کہ جب تک وہ اس سے زیادہ رقم راہ خدا میں خرچ نہیں کرتا اس وقت تک وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ اتھور نے ناراض ہو کر انہیں اہمت سے الگ کر دیا اور مکان بھی خالی کر لیا۔ شیخ نجیب الدین اس سلوک پر بڑے رنجیدہ ہوئے اور ذہنی سے اجرو دھن چلے گئے۔ انہوں نے بابا صاحب کو اس واقعہ سے مطلع کیا۔ بابا صاحب نے اسی سے کہا کہ ایسی باتوں پر دل تنگ نہیں کرنا چاہیے۔ مزید برآں انہوں نے اپنے برادر خورد کی قسلی کے لئے یہ آیت بھی پڑھی:

ماتنسخ من ايقه او تنهانات بخير
منها او مثلها (البقرہ ۱۸)

کچھ عرصہ بعد اتھور نامی ایک شخص اس قراح میں آیا اور اس نے بابا صاحب اور اسی کے اعزاء کی بڑی خدمت کی۔

مشائخ زادے

در نظامی کے مطالعہ سے یہ مرشح ہوتا ہے کہ اس زمانے کے مشائخ اپنے نالائق فرزندوں کے ہاتھوں نالال رہتے تھے جامع غفلت مشائخ زادوں کے اطوار و اخلاق پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

يخرج الحي من الميت ويخرج الميت من الحي.

یہ تو اس وقت کے شیخ کے خیالات تھے۔ سلطان ٹمس الیہ
انتہی بچے بیس بیٹوں کی موجودگی میں یہ کاکرتا تھا کہ اس کی بیٹی
رضیہ میں مکران بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔

اختتام

دربنظای کا اختتام اس شعر پر ہوتا ہے۔

ای سانی می بریزو ساغر بشکی

می باکہ بخویم چوں حریفان رفتہ

ایک شیخ طریقت نے اپنے فرزندوں کے بجائے ایک غلام کو اپنی
مسند پر بٹھایا تھا۔

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت انجی جید راغبیری کے غفلت میں نقل
ہوا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ایک شیخ کے سات بیٹے تھے لوران
میں سے ہر ایک اپنے والد کی مسند پر بیٹھے کہ تن دل میں لے بیٹھا تھا۔
جب اس بزرگ کی وفات کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا
کہ فلاں کلال کے ہندو غلام کو غریہ کر اس کی خدمت میں پیش کریں پھر
نے اس غلام کو کلہر شہادت پڑھایا اور ایک ہی توجہ میں اس کو سلوک
کے تمام مقامات طے کر کے اپنی مسند پر بٹھا دیا۔ بیٹوں نے اس پر
احتجاج کیا تو باپ نے ان سے کہا کہ اگر باپ علی رو دولت چھوڑے تو
اس کے وارث بیٹے ہوتے، میں عشق و محبت میں میراث نہیں ہوتی۔
۱۱ غریہ الدین گنج شکرؒ بھی اپنے فرزندوں سے خوش نہ تھے۔
موصوف فرمایا کرتے تھے کہ اگر عورت کو خلافت اور شایع کا سہارہ
دینا مناسب ہوتا تو اپنی صاحبزادی بی بی شریفہ کو اپنا جانشین بنا دیتے۔

۱۔ دربنظای ورق ۴۹ الف

۲۔ قصوف کی اصطلاح میں اسے توجہ قمری کہتے ہیں۔ مرشد ایک ہی توجہ
میں مرید کو تمام مقامات طے کرا دیتا ہے۔

۳۔ یحییٰ بن علی الاسفر، لطوفات انجی جید راغبیریؒ، مخطوط مولانا آزاد
لائبریری ملی گڑھ مسلم یونیورسٹی گلشن ۶۶، فائبرہ فریب و تعریف،
ورق ۵۹ الف، ۵۹ ب۔ (اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

دستورِ شریعت، خلیق احمد زلی، سلاطینِ مدلی کے غریبی رحمانات،
مطبوعہ مدلی، ۱۹۵۸ء، ص ۳۶

فتوحات فیروز شاہی

لَا تَقْلَامُ الدِّينَ بِفَرْعِهِ رَاجِبٍ طِبْعًا لَمْ يَكُنْ يَكُونُ كِي وَبِهِتْ سَهْ كَرِ
 سلطان فیروز تغلق (شاہ سہ ماہ ۷۸۲ھ) نے اپنے عہد حکومت کے
 اہم ترین واقعات اور اپنی اصلاحات کو فتوحات فیروز شاہی کے
 نام سے قلمبند کیا تھا۔ اس خیال سے کہ زمانہ کے ظالم یا متول سے کہیں
 اس کی یہ مختصر سی تالیف ضائع نہ ہو جائے، سلطان نے اسے لفظ بغلت
 جامع مسجد فیروز آباد کے پشت پہلو گنبد پر کندہ کروا دیا۔ اسے قسمت کی
 قسم طریق کیے کہ سلطان فیروز تغلق نے اپنی تالیف کو زلف و جاہ دیکھنے
 کے لئے جس شگن گنبد پر کندہ کروایا تھا وہ تو عین جوں کی توہ و بر باد ہو چکا
 ہے۔ البتہ اس کی تحریر ہے جان سے کاغذ پر آج بھی محفوظ ہے۔

فتوحات فیروز شاہی کے دو خطوطے ہمارے علم میں ہیں،
 ان میں سے ایک مولانا آزاد لائبریری ملی گڑھ میں محفوظ ہے اور دوسرا
 برٹش میوزیم لندن میں۔ خطوطے دہلی سے کسی صاحب نے اسے شائع
 کیا تھا لیکن چھپنے کے ساتھ ہی یہ رسالہ چھپ گیا۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی
 نے بھی ایک بار اسے چھاپا تھا لیکن وہ انڈیشن بھی اسے ناپید ہے۔
 ۱۹۵۷ء میں پرنسپل سر شیخ عبدالعزیز نے ان خطوطہ دارغیر منقولہ نسخوں کی
 مدد سے متن تیار کر کے ملی گڑھ سے اسے بڑے خوبصورت ٹائپ میں
 شائع کیا اور اس کے بعد اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا، لیکن اس
 رسالہ کے ثانوی ترجمہ کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی۔

فتوحات فیروز شاہی کا مطالعہ فیروز شاہ کے ذہن کو سمجھنے کے
 علاوہ اس دور کے مذہبی افکار اور تصوف کے رجحانات کو جاننے
 کے لئے اشد ضروری ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

یافتہ

اس خالق غفور و شکور کو حمد ہے مدار و شکر ہے مدد مرزا و صاحب حسن
 محمد یحیٰی سے سکین فیروز بن رحیب غلام محمد شاہ بن تغلق شاہ کو احیا و مستتب
 رسول بیخ کی بدعات، دفع منکرات، منع کربات اور فرار عنس و داجہاستان
 کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس سید کائنات ہے جسے شمار رحمتیں چول ہونے
 و دواج کے خاتمہ کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ رحمہ اللہ کا فرماں ہے کہ تم میں
 (واجہیت کے) رسم و رواج ختم کر دینے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ ان پر
 اور ان کی آل اور اصحاب پر جن کی ساری جبلت ہے واجہیت کے رسم
 و رواج ختم ہوئے تھے، و رد و اور اسلام ہو۔ رضوان اللہ تعالیٰ
 علیہم اجمعین۔

الحمد۔ اس معلیٰ تحقیق کے انعام و اکرام کا اظہار استکرام واجہاستان
 میں سے ہے۔ اس لئے اس کا شکر احسن طریقے سے کرنا چاہئے۔ آدم
 علیہ السلام کی اولاد کے سردار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی مخلوق
 کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور "واجہیت" فحشیت میں لائی

کوسلا لڑائی کا خون بہا دو نہ پہنچے پاسے اور انہیں کسی بھی قسم کی لذیت نہ پہنچنے دے اور کسی بھی شخص کا شکر نہ ہو سنے دے۔

بیعت

چکوڑ مشکر امین نعمت گزرا دم
کہ نعو مودم آزادی نہ دارم

د اگھے مسلمانیں! یہ سب کام کیا کرتے تھے تاکہ لوگوں پر یہ عیب بیٹھ جاتے اور ان کا خوف دلوں پر جاری ہو جائے اور نظامِ مہمضت درست ہو جائے۔ وہ اس بات کی مثال دیا کرتے تھے۔

بیعت

کھک واپر قرار می خواہی
تیغ را بائی قراغلی داشت

خدا کے فضل سے، جو اس سکین کے شامی حال ہے، وہ سختیاز اور قریب ہر بائی کریم اور احسان میں بدل گئے ہیں اور خواص و عام کے دلوں میں خوف و درجہ پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ اب کسی کو قتل کرنے، بدلے پھینے، تعظیف دینے، سختی کرنے یا شکنے میں کسے کی ضرورت رہی پیش نہیں آتی۔ (بجے) یہ سعادت خدا کے فضل اور عنایت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

نظم

کریم کن سحر مست تو بالا تر مست کو بخشایش بر خشم والا تر مست
ترا چون ز بار بار بزدلی خطاست بر جہیل رسم سیاست خطاست
گرا دل قوت غف کئی در تعاص قران کشت اور آ کہ جہی خلاص

طوفانِ شاد ہے۔ اس سکین کو بھی خدا تعالیٰ نے بہت سی نعمتیں عطا کی ہیں۔ میری یہ خواہش ہے کہ میں ان عطیاتِ الہی کا، جو اس نے مجھے بخشے ہیں، طاقتِ بشری کے مطابق شکر ادا کر دوں۔ شاید اسی طرح میں اس کے شکر گزار بندوں میں داخل ہو جاؤں۔

اس خالقِ مازق جل جلالہٰ و علم لڑائیکے عطیات میں سے ایک عطیہ یہ ہے کہ ملکِ ہندوستان میں (بہت سی) جہتیں اور غلاتِ خیریت باقی موجود تھیں اور وہ عوام کی غفلت میں داخل ہو کر ان کی حادثہ نمانہ بن چکی تھیں اور لوگ ماہِ صفت سے محروم ہو چکے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس عیب سے اور سکین ہنسے کو یہ توفیق بخشی اور اس نے جہتوں، غلاتِ خیریت اور عوامِ کاموں کے خاتمہ کر پناہ فرمائی سمجھا۔ اس نے (اس سلسلے میں) بڑی جدوجہد کی یہاں تک کہ خدا کی مدد اور نصرت سے باطن، رسوم اور صفتِ شرحِ ہر کہ باطلِ خاتمہ ہو گیا، اور حق اور باطل میں تیز ہو گئی۔

۱۔ اولاً یہ کہ زمانہ ماضی میں مسلمانوں کا بہت سا خون بہا جاتا تھا اور انہیں طرح طرح کی سزائیں دی جاتی تھیں، دھرموں کے ماتھے، پاؤں کاٹنے اور ناک کاٹنے جاتے، انہیں نکال دی جاتیں، گھبراہٹ، حاسیہ خلق میں اندھو جانا، موگسی کے سامنے ان کے ماتھے، پاؤں اور سینہ کی پڈیاں لڑنے جاتی تھیں، جسم کو آگ کے ساتھ دافنا جانا، ماتھے پاؤں اور سینہ میں پھینک دی جاتیں، کھال اتاری جاتی، خاردار دوتے لگائے جاتے اور پاؤں کاٹ دیتے جاتے تھے۔ آج کے ساتھ یہ کہ دو گولہ کے کر دینے کے علاوہ ان کا اور بھی کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اس کریم، لا کریمین نے اور محمد ارحمین نے اس ہندو عید واکرم کے دل میں اتار دیا اور اسے بہت عطا فرما کر اس کام پر آمادگی

وہاں محفوظ کے ساتھ رکھا دیا جائے۔

ہیستے

چو خواہی کہ نامت ہو و ہوا و دان

کسی نام تک ہر گاہ نہان

۲۔ اس کے علاوہ اس ہادی خواہی کے مد سے وہ نام نہا ہوا میں جو

تیس، غیر قانونی، غیر شرعی اور حرام طریقوں سے جمع کر کے بہت المال میں داخل کئے جاتے تھے، مثلاً نقدی، رینگ، دولت، ہانک، جزا، بیہوشی، طرک، اچھی خوشی، صحیحی، بھول، بھٹی، کتا، بی، نیلگئی، ماہی، فروشی، خدائی، صالحین، گری، رسیان، فروشی، مدون، گری، خود، بیکال، تہ، بانگ، بیہشت

ملہ مدنی کا تیس

ملہ ناچ گانوں اور داخل پر تیس

ملہ بھول کی فروخت پر تیس

۳۔ یہ وہی طرح مدون پر تیس کا خیال ہے کہ یہ تیس ایسا تھا کہ اس کی کہتے تھے۔

۴۔ اگرچہ وہ مدنی کے خیال میں نقدی کے نام سے نہیں بلکہ کتا، بی، نیلگئی، ماہی، فروشی، خود، بیکال، تہ، بانگ، بیہشت

۵۔ یہ وہی طرح مدنی کے خیال میں نقدی کے نام سے نہیں بلکہ کتا، بی، نیلگئی، ماہی، فروشی، خود، بیکال، تہ، بانگ، بیہشت

۶۔ یہ وہی طرح مدنی کے خیال میں نقدی کے نام سے نہیں بلکہ کتا، بی، نیلگئی، ماہی، فروشی، خود، بیکال، تہ، بانگ، بیہشت

۷۔ یہ وہی طرح مدنی کے خیال میں نقدی کے نام سے نہیں بلکہ کتا، بی، نیلگئی، ماہی، فروشی، خود، بیکال، تہ، بانگ، بیہشت

۸۔ یہ وہی طرح مدنی کے خیال میں نقدی کے نام سے نہیں بلکہ کتا، بی، نیلگئی، ماہی، فروشی، خود، بیکال، تہ، بانگ، بیہشت

۹۔ یہ وہی طرح مدنی کے خیال میں نقدی کے نام سے نہیں بلکہ کتا، بی، نیلگئی، ماہی، فروشی، خود، بیکال، تہ، بانگ، بیہشت

۱۰۔ یہ وہی طرح مدنی کے خیال میں نقدی کے نام سے نہیں بلکہ کتا، بی، نیلگئی، ماہی، فروشی، خود، بیکال، تہ، بانگ، بیہشت

دیکھیں جو کتاب پر آئندہ گشت

نگہ کن گہی ماور ہر سنج

گوئے مرگشتم مسد اندر ہوا

چو پرورد غازی مدد شتری

کوشش اندازان کزنی خون مدد

بجز ہر غفلتی مشر نقدی دست

بزار آفری بھستان ہر ہون

زود لایب جہنم آنکسکان دست کب

چو کوشش زہل گشت احسان بکن

بر قدر دست جو ان مردی جان بکن

خدا کی مدد سے ہمیں نے اپنے دل میں اس بات کا نتیجہ کر لیا کہ

ہر مسلمان کا حق اور ہر مومن کا جسم محفوظ رہا مومن رہے گا اور اگر کوئی شخص

لاوہ فریعت سے بٹے تو کتاب اللہ اور تافہی کے فیصلے کے مطابق وہ جس

سزا کا مستحق ہو، اُسے دی جائے۔ مدد اللہ علی قریبہ

۲۔ اس کے علاوہ ہم پر حق تعالیٰ کا یہ فضل و کرم ہے کہ گزشتہ

سلاطین کے القاب سے جو جہاد پر عیدین کے غلبوں سے مدد کر رہے

گئے تھے، انہیں مسلمان بادشاہوں کے نام، جن کی بہت اور رکعت سے

کا ذوق کے شہر، بیج ہوئے جن کی فتوحات کے جہنم سے ہر ملک میں گئے۔

صہر کے بر باد ہوئے، ہر تفریح ہوئے، مسجدیں آباد ہوئیں، اہل کلمۃ الحق ہوئے،

اہل اسلام طاقتور اور جری کا فرد ہوئے، اہل کلمۃ اللہ ہوئے، جس نے حکم دیا۔

کہ حسب ماہی سب کے نام اور اوصاف خطیب میں پڑھے جائیں اور انہیں

یا پوراں حصہ نازلوں کر دیا جاتا تھا، حالانکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کیا جائے اور چار حصے نازلوں میں تقسیم کئے جائیں۔ یہاں سرکاری محکمہ کے مطابق اس کے برعکس جو رہا تھا، تقسیم کا یہ حکم جو کہ شریعت کے مطابق نہیں تھا اس لئے مالی غنیمت کو جو علی ایسے تصرف میں لا تارہ فعل حرام کا سرکلب ہوتا تھا۔ اس طرح اگر کوئی گنیز بنے کو جہم دیتی تو وہ حرامی ہوتا تھا۔ اسے مدکنے کے لئے ہم نے یہ حکم: یا کہ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کیا جائے اور چار حصے نازلوں میں تقسیم کئے جائیں۔

۵۔ اس کے علاوہ یہ کہ مشیہ مذہب کے پیرو، جنہیں دوافض کہتے ہیں، لوگوں کو مذہب، رخص و تضحیح کی دعوت دیا کرتے تھے۔ انہیں اپنے مذہب کے متعلق رسالے اور کتابیں لکھیں اور تعلیم و تہذیب کا پیشہ اختیار کیا۔ وہ حضرات خلفائے راشدین، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اعلانِ بُرا بھلا کہتے اور کواہت کرتے تھے۔ وہ قرآن مجید کو تعلقات عثمانیہ کہتے تھے۔ ان کے سب کو گرفتار کر لیا، ان کی گرامی اور ضلالت جو کہ ثابت ہو چکی تھی لہذا ان میں سے جو غلام تھے انہیں قتل کر دیا یا اور دوسروں کو مذہبیت، دانت و ڈنٹ اور تشہیر کر کے جھڑپا دیا ان کی کتابوں کو ہر عام جلاؤ والا، یوں، خدا کی عنایت سے، ہنس کر دلا کر شرمیل حد پر جتم ہوا۔

۶۔ اس کے علاوہ بہرہ طلبدار یا جتنی جمع ہو گئے اور وہ غلام کو املا دینا حسد کی طرف مائل کرتے تھے۔ رات کے وقت وہ بلا تیز فحرم

تلاش و تلاش، کروائی، احتسابی، مصالحتی، کونہ غشت، چٹائی، کرکس، چٹائی اور صافد انتہ، ان کے متعلق میں نے دلیرانہ لیاہت کو حکم بھیجا کہ انہیں فی الفور ختم کر دیا جائے اور ہر سرکاری آفیسر ایسے جنہیں لوگوں سے بے کر و خزانے میں، جمع کر لئے اسے قرار واقعی سزا دی جائے۔

بیت

دل و دستاں میں بہتر کہ گنج

خوشنہ تجھی ہو کہ مردم پر رنج

دعویٰ نے یہ بھی حکم دیا کہ اگر مالی بیت المال میں جمع ہو رہا ہے انہی مدوں سے آگے نہیں شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روا رکھا ہے اور دینی کتب میں بھی ان کا جواز موجود ہو، مثلاً زمین کا خراج، طرز و زکوٰۃ وغیرہ یا پھر سبندوں سے لیا گیا چیز یا دارت جا مذاد، یا مالی غنیمت اور کافری کی پیدل و کافری، ایسی مدوں کی آمدنی جو کتاب اللہ کی رُس سے جائز نہ ہو، کسی طرح بھی بیت المال میں جمع نہ ہونے پائے۔

۷۔ اس کے علاوہ یہ کہ اس سے پہلے یہ رسم اور عادت جو سر امر و عت تھی رواج پائی تھی، کہ مالی غنیمت کے چار حصے خزانے میں جاتے تھے اور

شکایت نہیں

شکایت کے متعلق نہیں

شکایت کے مرتبہ اور نہیں بناتے نہیں

شکایت جالور چلنے پر نہیں

شکایت جالور نہیں

شکایت کے متعلق نہیں

شکایت جالور نہیں

شکایت کے متعلق نہیں

شکایت جالور نہیں

دیگر حرم ایک خاص جگہ جمع ہوتے اور کھانا اور مشروب سامنے رکھ کر
 کہتے کہ یہی ہماری عبادت ہے، انھوں نے ایک بیت بھی بنالیا تھا
 اور وہ لوگوں کو اس بات پر مجبور کرتے تھے کہ وہ اسے سجدہ کریں۔
 اس رات وہ اپنی بیویوں، ماؤں اور بیٹوں کو جمع کر کے اور پھر جس
 کا لباس ان کے ہاتھ لگا اسی کے ساتھ نہا کر کے ان کے بڑوں
 کے چہرے پر دیتے، پہنے مارا دیتے اور باقیوں کو قید کیا، جلا وطن کیا یا سزا
 دی، یہاں تک کہ ان کا سر اسلامی حکومت سے مکمل طور پر ختم ہو گیا۔
 پھر اس کے علاوہ یہ کہ ایک طبقہ، بھریت اور ترک و تجرید کے
 کے رنگ میں لوگوں کو گمراہ کر کے مرید یا بامعنا۔ وہ لوگ کلمہ کفر
 بھی پکارتے تھے۔ ان گمراہوں کا مرشد احمد پھاری نامی ایک شخص تھا
 جو شہر دہلی میں رہتا تھا۔ یہاں یوں کا ایک گروہ، جو اسے خدا
 کہتا تھا، گرفتار کر کے باہر پھیر کر سامنے آگایا، یہ لوگ بھی اگر
 کی شان میں گستاخیں کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ میں شخص کی نو
 بیویاں ہوں، میں کسی کی عہد کی عہد کی شان ہو سکتی ہے۔ اس کا ایک
 مرید کیا کرتا تھا کہ دینی میں خدا، یعنی احمد پھاری، طاہر و پائے۔ ان
 کے خلاف چونکہ اس بات کا ثبوت مل چکا تھا اس لئے ان دونوں کو
 میں نے گرفتار کر کے قتل کر دیا اور دوسروں کو توبہ و استغفار کرنے
 کا حکم دیا۔ ہم نے ان سب کو جلا وطن کر کے مختلف مشہور دہلی میں
 بیچ دیا کہ وہ بھی منتشر ہو کر ختم ہو جائے۔
 پھر اس کے علاوہ یہ کہ شہر دہلی میں ایک شخص رکن الدین، ملقب
 بہ بہدلی سے تھا کہ میں ہندو آخر زمان ہوں اور مجھے علم لائے گی حاصل

ہو گیا ہے میں نے کسی سے تعلیم اور فیض حاصل نہیں کیا۔ دیکھ کر تمام
 عقوفات کے حاملوں کا علم ہے جس کو سوائے آدم علیہ السلام کے
 اور کوئی دیگر نہیں جانتا۔ اسی طرح، علم حروف کے مازحوس کو معلوم
 نہیں وہ مجھ بظاہر دیکھنے گئے ہیں۔ اس نے اس پر کیا نہیں کھینچا
 لوگوں کو گمراہ کیا اور یہ راہ رومی کی دعوت دی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں
 "رکن الدین، رسول اللہ" ہوں۔ بڑے بزرگوں نے میرے سامنے اس
 بات کی گنجائی کر دی البتہ کہتا ہے اور یہ نے اس سے بھی کچھ سنا ہے۔
 جب اسے بڑے بڑے لایا گیا اور پہنے اس کی گمراہی اور بے راہی
 کے متعلق استفسار کیا تو اس نے اس بدعت اور گمراہی کا انکار کیا۔
 عداوت دین سے کہا، وہ کا سر جو چاہے اور اس کا قول یہاں ناجائز ہے۔
 مرشد جو کہ اس کے تحت باطن کی بدعت سے اسلام اور اہل سنت و جماعت
 میں برائی رہا ہے اس نے ان کے دھوکے میں، صاف اللہ، تافہ کی گئی
 قرآن کا یہ اثر ہو گا کہ بہت سے مسلمان گمراہ ہو کر دین اسلام سے الگ
 جانیں گے اس سے ایسا فتنہ پیدا ہو گا کہ ہزار لوگ مارے جائیں گے۔
 بہت نما کہ دنیا مجھے ملنا میں اس غیبت کی گمراہی اور فتنہ و فساد کا
 اعلان کیا جائے۔ اور ہر کس و نا کس کے کاؤں تک یہ ہلے پھیلے گی۔
 بعد از ان علماء نے وہی اور آخر مرشدیت کے موتی کے مطابق وہ جس
 سزا کا مستحق ہو اسے دی جائے۔ اسے ان لوگوں کے ساتھ جو اس
 کے معتقد، مددگار اور سرکوب کرتے، قتل کیا گیا اور عوام میں خاص و
 عام سے جا کر اس کے گوشت، پوست اور اعضائے جسمانی کے ٹکڑے
 پکڑے کر دئے۔ اس حرکت اس کا سرخرو ہوا، جو دنیا والوں کے لئے باعث

تبہہ ہوا۔

خدا کی عزت اور عظمت سے میں نے اس طرح کے شر اور اس قسم کی بدعات کا استیصال کیا اور حق تبارک و تعالیٰ نے اپنے اس مکی بندے کو یہ جنتی دی کہ وہ منت کا احکام کرے۔ اس کے ذکر کی غرض محض اللہ تبارک و تعالیٰ الاستعداد اگر مناسبہ اس تحریر کو سن کر یا پڑھ کر اگر کسی شخص کو اپنے دین کی اصلاح مطلوب ہو تو وہ اسی طریقے پر عمل کرے جسے اس کا جیسے گا، اور اسے اس کا طریقہ کی طرف توجہ دلانے پر ہم بھی داخل فرما دیں گے۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

۹۔ اس کے علاوہ یہ کہ ملک بکرات میں عین ماہرہ کے غلاموں میں ایک شخص شیخ بنی بیٹا اور اس نے بہت سے لوگوں کو اپنا مرید بنا لیا اور "انا الحق" کا فقرہ لگانے لگا۔ وہ اپنے مریدوں سے کہا کرتا تھا کہ یہ میں "انا الحق" کہا کروں تو تم "توئی" کہنا کرو۔ وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ میں وہ بادشاہ ہوں جس کو موسیٰ نہیں آتی۔ اس نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں کلمات کفر مندرج تھے۔ اسے زنجیروں سے جکڑ کر کہا سے سانسے لایا گیا۔ اس کی گرامی چونکہ ثابت ہو چکی تھی اس نے ہم نے اسے قتل کر دیا اور اس نے جو رسالہ لکھا تھا وہ ہم نے جلوا دیا۔ اس طرح خلیفہ صفت مسلمانوں کے درمیان سے یہ فتنہ ختم ہوا۔

۱۰۔ اس کے علاوہ یہ کہ ایک رسم اور عادت، جس کا اسلام میں کوئی سوا نہیں لیکن شہر و دیہی اسکے مرعات کی فطرت میں داخل ہو چکی تھی، یعنی ایاتم تبرک میں غریبوں، یتیموں کی شکل میں، یا لکبیلوں، بہیلیوں اور یتیموں میں پیش کر دیا گھوڑوں اور گدھوں پر سوار، خوش و درخشاں اور گدھے

درگروہ یا پیادہ مشہرہ سے باہر نکلتیں اور عزادات پر جائیں (آوارہ مزاج) لوٹنے سے اور ادب پسند جو خواہشات انسانی میں مبتلا اور صلاح و تقویٰ سے عاری ہوں ان کے پیچھے جو جلتے، جو فتنہ و فساد ان کی حرکات سے ظاہر ہو، مستکت ہے وہ درجہ دین سے، درجہ بندہ نہیں ہے۔ یوں بھی ہوتا تھا اس طرح باہر نکلتا کر نماز پڑھتا ہے، ہم نے حکم دیا کہ کوئی عورت کسی سزا پر نہ جائے اور اگر کوئی رہاں جائے تو اسے سزا دی جائے۔ ان دنوں حق تعالیٰ کی عنایت سے کسی بارہ مسلمانوں یا عورت کی یہ اعمال نہیں کہ باہر نکلتا اور زیارت کر جائے۔ یہ بدعت بھی یوں ختم ہوئی۔

۱۱۔ اس کے علاوہ یہ بھی خدا کی دین ہے کہ ناپاک اور فتنہ پرست ہندو نے، جنہوں نے عقد زنت میں اگر تیرہ دینا قبول کیا ہے اور ان کے گھر پر محفوظ ہیں، مشہرہ کے اندر اور گرو دریاں میں نہ نہتے نہتے نہتے نہتے تھے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں چونکہ تنہا تھے تو کمرے میں نہتے نہتے تھے، اس نے حق تعالیٰ کی زمین سے ان کی تبرک و غلط بنیاد و عادات کو بر باد کر دیا۔ ہم نے ان کا ذہن کے سرخنے، جو دوسروں کو گمراہ کیا کرتے تھے، قتل کر ڈالے اور عام لوگوں کو مختلف قسم کی منطقی دسے کر متنبہ کیا۔ اس طرح یہ فتنہ بھی ختم ہوا۔

اس کے علاوہ ایک اور کاسا میر ہے کہ مروج ملوہ میں ایک تالاب ہے جسے گڑ کہتے ہیں اور وہاں ست خانے بنے ہوئے ہیں۔ ہندوؤں کا ایک طبقہ اپنے متبعین کے ساتھ ایک خاص دن، اپنی بدعت کے مطابق، اسلئے سماتے جوئے کافی ساد و سادان کے ساتھ سوار ہوا کرتا ہے۔ ان کی عورتیں اور بچے بالکلیوں اور بہیلیوں میں بٹیک کر

بھی سب غلام بنیاد کرنے کے لئے آدمی بھیجے اور جو لوگ گمراہی پر اصرار کر رہے تھے انہیں جلا وطن کر دیا۔

علاوہ انہی کے کہ جو حان نام کے ایک قبیلہ میں ہندوؤں نے ایک نیا عقائد تیار کر لیا تھا اور شرکوں کا ایک گروہ وہاں جمع ہو کر بت پرستی کیا کرتا تھا۔ انہیں گرفتار کر کے ہمارے پاس لائے۔ ہم نے حکم دیا کہ ان میں سے جو شخص باہر نہاد میں ان کی گمراہی کا اعلان کیا جائے اور انہیں قہر شاہی کی ڈوبوڑی کے سامنے قتل کیا جائے۔ ہم نے یہ حکم دیا کہ کوئی کن نہیں، اور بت پرستی کے جہاز نہاد وہ اپنے ساتھ لائے تھے انہیں بھی عوام کے سامنے قتل میں ہی جلا لیا جائے۔ باقی لوگوں کو ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ کے ساتھ ان کاموں سے منع کیا جائے تاکہ وہ سروس کر نہیں دیو اور آئندہ دارالاسلام میں کوئی ذمی، عیسیٰ جی نہ کرے۔

۱۲۔ اس کے علاوہ یہ کہ زہار باغی میں یہ رواج تھا کہ دسترخوان پہلائی اور فقری غروف استعمال کئے جاتے تھے اور تلواریں کے دستوں اور ترکش پر سونے سے نقش و نگار بنائے جاتے تھے۔ ہم نے ایسا کرنے سے منع کیا اور اپنے اسلحہ کے نیام شکار شدہ جانوروں کی پٹریوں سے بنوائے۔ ہم نے ان برتنوں کے استعمال کی عادت ڈالی جن کا استعمال خرافیت کی دوسے جائز ہے۔

۱۳۔ علاوہ انہی کے کہ گروہ شہ زبانی میں یہ رواج تھا کہ کپڑوں پر تصویریں بنائی جاتی تھیں اور یہ (دیکھئے) شاہی دربار میں لوگوں کی نعت کے طور پر پڑھائے جاتے تھے۔ اسی طرح لگام، زین، سولنگ

ان کے ساتھ جاتے ہیں۔ وہ لوگ وہاں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو کر بہت پرستی کرتے ہیں۔ یہ اس قسم میں اتنا عذر کرتے ہیں کہ وہ اس قسم کی کھانے پینے کی اشیا، سہ کر دیاں پہنچ جانے ہیں اور وہ ان کے گھر فروخت کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا ایک بڑے میں طبقہ نفسی خواہش سے کہ ان کے ساتھ جوتا بہت۔ جب یہ بات ہمارے کانوں تک پہنچی تو ہم نے، خدا کی توفیق اور مدد سے اس ضد کو جس کی وجہ سے دین اسلام کو نقصان پہنچ رہا تھا ختم کرنے کا عزم کر لیا۔ جس وجہ سے وہ لوگ وہاں جمع ہوئے ہیں، ہم نے وہاں لڑائی لڑ کر دیکھ کر ان کے گھروں کو جلا نہیں دیا۔ اس کے اور کرتے ہیں، قتل کیا جائے اور عام ہندوؤں کو ان میں ناک سزا دیں۔ دے کر وہاں جمع ہونے سے منع کیا۔ ہم نے وہ سب غلام بنیاد کر ڈالا اور اس جگہ ایک مسجد بنوائی اور گروہوں اور جہاں مسلمانوں کے) قبعت آباد کئے، ان میں سے ایک کا نام قلعہ چور اور دوسرے کا نام سالار پور رکھا۔ ان دونوں اس جگہ جہاں ناپاک کاڑیوں نے عقائد بنایا ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمان بچے معبود کے آگے سجدہ کرنے کے علاوہ دیگر نہیں کہتے، اذانیں دیتے اور جہاں سے سجدہ نمازیں ادا کرتے ہیں، جس جگہ پہلے کاڑیوں کے کھن پر کرتے تھے اب وہاں مسلمان بسنے ہیں جو کہ لا ایلہ الا اللہ محمد رسولہ کا ذکر اور ذکر کرتے رہتے ہیں۔ سلام کی اس سرحد پر اس کے لئے اللہ کی کی تعریف کرنی چاہئے۔

علاوہ انہی انہیں یہ خبر ملی کہ مومنین میں بعض ہندوؤں نے ایک نیا عقائد تیار کر لیا ہے اور بت پرستی میں مشغول ہیں۔ ہم نے وہاں

ہم نے ہنری بھی گھموائی ہیں اور درخت بھی گھموائے ہیں۔ ہمیں ایسی لڑائی، جس کا حصول شریعت کے مطابق ہے اور اس پر سبھی کا اتفاق ہے، نیز اس پر علماء شریعت کا اجماع ہو چکا ہے کہ اس کا حصول ہر طرح کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ اس کا ذکر صراحت کے ساتھ دفع نامہ میں کر دیا ہے کہ اس کی آمدنی ہندوؤں خدا کو ملے پتہ دی جائے۔

۱۶۔ اس کے علاوہ خدا کے عطیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم نے گزشتہ مصلحت اور سابقہ ائمہ کی تفسیر کردہ عبارت کی جو استدلال نامہ سے لے کر بیعت ربی تھیں مرمت کر دی، یا انہیں نے سرے سے تفسیر کر کے ان کو رد کر دیا۔ ہم نے ان علامات کے استحکام کو اپنی تفسیر کردہ علامات پر مقدم جانا۔

دینی کی پڑائی جامع مسجد جو سلطان معز الدین سامی کی تفسیر کردہ ہے، اقامت کی رسم سے مراد طلب حق، ہم نے اس کی اس طرح مرمت کروائی کہ اب اس میں نئے سرے سے جان پڑ گئی ہے۔ سلطان معز الدین سامی کا مقبرہ، جس کی مٹی دیا اور نہ بننے دوڑا کے تختے بالکل بجا رہ چکے تھے، نئے سرے سے بنایا۔ اس کے دروازوں، کھڑکیوں اور زینوں میں مصوری کدو کی کی جائے مندر کی کدو کی استعمال کی گئی۔

سلطان معز الدین کا مینار، جو آسمانی بجلی کے حادثے سے گر گیا تھا دم نے اُسے اپنی اصل عہدی سے بھیج دیا اور پہلے سے کہیں بہتر بنادیا۔ بعض شمس کی بجائی لانے والی ٹائی کو بعض عہد بانسٹ لوگوں نے کہیں ٹوبہ می سے لے کر پائی کی ہم رسائی دے دی تھی۔ ہم نے آبد رسائی کی راہ میں حائل تمام رکازیں و در کر دیں اور عجایب و زو

نے جانے کے ملحق، اور حلالے والی انگلیشی، مقال، پیرا، لکڑہ، ملشت، لٹے، نیچے، پھلے، تخت، کرسی، جملہ آلات اور متبادل پتھر بنائی جاتی تختیں یا پتھر مجھے سے جوستے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حمایت اور حمایت شامل حال ہوئی تو ہم نے حکم دیا کہ ان تمام اشیاء پر سے تصویریں اور مجھے مناسبت کے جائیں اور درجہ لکھنا و زنگار خلاف شریعت نہیں اور ان کا بنانا جائز اور مباح ہے وہ بنائیں جائیں۔ جو مجھے گھر، دلوں، دیواروں اور محفل پر بنے مجھے تھے، ان کے متعلق یہ حکم دیا کہ انہیں مٹا دیا جائے۔

۱۲۔ علاوہ انہیں یہ کہ اس سے پہلے اکثر ہندوؤں کا لباس غیر شرعی پارٹیشی مٹا تھا اور اس پر زرد زئی کا کام کیا ہوا ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ وقتائی کی توفیق سے ہم نے ایسا لباس اختیار کیا جو شریعت کے خلاف مصلیٰ اللہ علیہ وسلم کی رسم سے مباح ہے۔ زرد زئی والے کپڑے اور زئی کی کلاہ کا استعمال شریعت کے خلاف نہیں (سہری کام کی) چڑائی چار گشت سے زیادہ نہ ہو اور جو کچھ غیر شرعی اور ناجائز تھا جس کا استعمال شریعت میں منع تھا، اُسے ترک کر دیا۔ اسلام پر کار بند ہونے کے لئے اللہ کا حکم ادا کرنا چاہیے۔

۱۵۔ اللہ تعالیٰ نے اس سکین ہندو پر جو مناسبت کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے ہمیں کار خیر کے لئے علامات بنانے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ ہم نے بہت سی مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں اس طرح سے تعمیر کیں کہ ان میں علم بشارت، زائد اور عابد معبود حقیقی کی عبادت کریں اور نہانے والے کو دھوئے خیر سے یاد کریں۔

کی سرزنش کی۔

حوض ملائی ہے آب ہو کر مٹی سے اٹا چٹا تھا اور سب کے لوگ اس میں کاشت کرنے لگے تھے۔ انھوں نے وہاں کوئی کھدائی نہ کی اور ان کا پانی زکوٰۃ کرنے لگے تھے۔ ایک مدت کے بعد ہم نے اسے دوبارہ کھدایا۔ اب یہ علیحدہ حوض ساں بھر پانی سے بھر رہا ہے۔

اس طرح سلطان شمس الدین اور الدین ایلک شمس الدین کا مذبح جس کے کئی کمرے بند ہو چکے تھے انہیں پہلے سے ہی کہیں بہتر بنایا۔ مقبرہ کی تعمیر کے وقت محسن میں کچا پتھر نہیں ملا تھا، وہ بھی کروادیا۔ گنبد میں پتھر سے تراشے ہوئے زینے کا اضافہ کیا اور چاروں طرف کے چوبیسے ٹرائٹ سے بھر دیے۔ انہیں درست کر دیا۔

سلطان شمس الدین کے فرزند سلطان معز الدین کا مقبرہ جو کلاں میں واقع ہے، اس طرح بند ہو چکا تھا کہ گویا وہ کبھی تھا ہی نہیں۔ اس جگہ نئے کمرے سے گنبد، چبوتہ اور چار دیواری تعمیر کی۔

سلطان رکن الدین بن سلطان شمس الدین کا مقبرہ جو کلاں میں واقع ہے، اس کے گرد چار دیواری مٹی کی۔ اس کے علاوہ، وہاں ایک نیا گنبد بنوایا اور آغا خانہ تعمیر کروائی۔

سلطان جمال الدین کے مقبرہ کی مرمت کروائی اور وہاں نیا دروازہ تعمیر کیا۔

سلطان علاء الدین کے مقبرہ کی مرمت کروائی اور اس میں مندر کے دروازے گھمائے، اس کے علاوہ، پھاڑ کی دیوار اور دروازے کے اندر جو مسجد ہے اس کی تعمیر، رخ دیوار کی خوب سے کئے کہ مرمت تک مرمت کروائی۔

مقبورہ سلطان قطب الدین اور سلطان علاء الدین کے فرزندوں بنظر خان، شادی خان، زفر خان، سلطان شہاب الدین، سکندر خان، محمد خان

عثمان خان اور اس کے بچوں اور بچوں کے مرادوں کی از سر نو مرمت کروائی۔

سلطان، الشیخ حضرت نظام الحق والدین محبوب الہی قدس اللہ عنہ کے مرادوں کی جالی اور دروازے مندر کی گڑھی بنوائے اور سونے کی قدیمیں، سنہری زنجیریں کے سہارے، گنبد کے چاروں طرف میں آویزاں کیں۔ جماعت خانہ کے نام سے ایک، نئی عمارت تعمیر کی گئی وہاں ایسی علامت نہ تھی۔

سلطان علاء الدین کا مذبح اعظم ملک تاج الدین کا فری، جو جہان بزار مرادوں کا سردار تھا، بڑی عقل اور فراست کا مالک تھا۔ اس نے ایسے بہت سے ملک، جہاں گذشتہ صدیوں کے گھوڑوں کے قدم بھی نہ چبھتے تھے، فتح کر کے سلطان علاء الدین کے نام کا خطبہ جاری کیا۔ اس کا مقبرہ دھڑ چکا تھا اور اس کی قبر زمین کے برابر نہ گئی تھی۔ میں نے اس خیال سے کہ وہ حکومت کا خیر خواہ اور ملک حلال و مالک تھا۔ اس کا مقبرہ نئے کمرے سے بنوایا۔

دارالامان میں، جمال ہاں سے محراب کے مرادوں اور خواجہ ابی جن، مندر کے دروازے گھمائے اور اپنے اہل آقاؤں کی قبروں پر خانہ کعبہ کے دروازہ کے پھول کے شامیانے لگوائے۔ ان قبروں اور دروازوں کی عمارتوں اور ان کی مرمت کے مصداق ان کے بنائے اور تات سے پر سے کئے۔ اس سے قبل جہاں آنے والوں، مرض، روشنی اور دوسرے لوازمات کے لئے جو ایسی جگہوں کے شایان شان ہیں، اہم مقبرہ تھے، گاؤں وقت کے لئے تاکہ ان کی آمدنی ہمیشہ وہاں خیر ہو جاتی رہے۔ اسی طرح جہاں پناہ کے جس کا پانی سلطان محمد شاہ مریم و صفور میرا آقا اور ملی نصرت تھا اور جس کی خدمت میں وہ کہیں بالہ اور بڑے صاحبان، کہاؤ کیا۔ اسی طرح مملکت، دہلی میں واقع گذشتہ صدیوں کے تعمیر کردہ کام

کی قبر کے سر پر رکھوا دیا تاکہ خدا تعالیٰ اپنے کرم سے پاؤں سے برے اس آقا اور مرثیہ کو عزتی رحمت کرے اور انہیں بھی اپنے دھام خیلنے سے خوشی عطا کر کے میرے دلی بغت کی طرف سے خوش کر دے۔

۲۰۔ اس کے علاوہ ایک علیہ زالی ہے جو بھی ہے کردہ وہاں یا نہین (جو لوگوں کے پاس) اہل مذہب میں سے چلے آتے تھے لیکن گذشتہ دور میں ان سے بھی جتنے تھے اور مرکاری و فز کے ریکارڈ کی رو سے ان کے قبضہ اور نفوذ میں نہر بے تھے (ان کے متعلق ہم نے یہ حکم دیا کہ) جو کوئی ان کی خلعت کا خوب مشرقی ادا کرتا ہے اس کی عمر وہاں اور زمینیں یا جاکہ جو بھی اس کی ملک ہو، اس پر تابع ہو جائے۔ سب بغیر اس کے کہ لے لیں اور اس کی ترقی سے ہم اس شخصیت کے مقام پر ہیں اور خداوند کو ان کے حق مل گئے ہیں۔

۲۱۔ اس کے علاوہ ہمیں توفیق ملی کہ ذمہ کو دو بنی کی طرف نصیب دیں۔ ہم نے یہ اعلان کیا کہ کافروں میں سے جو بھی کلمہ توحید پڑھ کر دینی اسلام قبول کرے گا، جیسا کہ خیریت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کافلوں میں آیا ہے، اس سے جزیہ پٹا لیا جائے گا۔ یہ آواز سب کے کافلوں تک پہنچادی اور ہندوؤں نے فرج اور فوج اور گروہ و گروہ آگیا اسلام قبول کیا اور اسی طرح آج تک وہ ہر طرف سے آگیا ایمان لاتے ہیں۔ ان سے جزیہ پٹا لیا جاتا ہے اور وہ انعام اور عظمت سے سرفراز ہوتے ہیں۔

۲۲۔ اس کے علاوہ یہ بھی خدا کی عنایت ہے کہ ہمارے عہد حکومت میں خدا کے بندوں کا مال و دولت ہر طرح سے محفوظ و مامون ہے اور ہم نے رعایا میں کھتے کھتے کی ملکیت سے مخدوم نہیں یا مملوئی اور تیل مقدار ہی نہیں لی جائے، بہت سے پہاڑاتے والے ہمارے پاس آکر چٹیاں لگاتے ہیں کہ نلال تاجو کے پاس اتنے لاکھ اور

تعلیق کی مرمت کروائی۔

۱۷۔ اس کے علاوہ ہم نے ہمدردی اور مہربانی کے لئے انگریزوں سے ملاہیں اور شاہی عظام کے مژدوں پر آئے جانے والوں کے لئے اور ان کا برکت مقامات کے لئے ضروری سامان فراہم کرنے کی عرض سے ان کے پڑانے وقف شدہ وہاں اور زمینوں کو برقرار رکھا، اور جن کے لئے اوتاف کی آمدنی یا اس کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا، ان کے حصے مقرر کئے تاکہ جہیز کے لئے وہاں کا بڑھتی جاری ہو جائے تاکہ آئے جانے والوں، اہل علم اور اہل معرفت کو وہاں آرام ملے اور وہ ہمیں اور انہیں دھام سے خیر سے یاد کرتے رہیں۔

۱۸۔ اس کے علاوہ حق تعالیٰ نے ہمیں توفیق بخشی اور ہم نے شفا خانہ قائم کیا تاکہ خاص دھام میں سے جسے کوئی مرض لاحق ہو یا کسی تکلیف میں مبتلا ہو وہاں پہنچ جائے۔ وہاں طبیب موجود رہتے ہیں۔ دوا اور پیو پینا غذا کے صلوات اوقات کی آمدنی سے دیئے جاتے ہیں۔ معتقدوں کو صاف رزق اور مشرف اکڑاؤ اور عظام، ہر طرح کے مریض وہاں آتے ہیں۔ (شفا خانہ میں) ان کا علاج ہوتا ہے اور خدا کے فضل و کرم سے رحمت یاب ہو جاتے ہیں۔

۱۹۔ اس کے علاوہ یہ کہ خدا نے خداوندی اور قادر پرگاہی نے اس بندہ خاص کو توفیق بخشی کہ وہ لوگ جو میرے آقا سلطان محمد شاہ مرحوم و مغفور خدا اس کی فکر کو مدد کرے، کے عہد حکومت میں تقدیر الہی سے بہتر گئے تھے، یا جو لوگوں کی آنکھیں، ناک، ہاتھ اور پاؤں پیسے، اعضا منقطع ہو گئے تھے ان کے دلائل کو شاہ مرحوم و مغفور سے مامی کیا۔ ان میں سے ہر ایک کو مال و دودھ کے ضرمانہ کیا اور ان سے خوشنودی کے خطوط، عہد پرستہ رہنما ذہنیں نسبت تھیں، سے کہ ایک منصف بھی ہندو کر کے دارالامان میں سلطان مرحوم و مغفور دھما اس کی قبر کو مدفن کئے

۲۵۔ اس کے علاوہ

تطعمہ

طریق در رسم صاحب دولت نکست کہ بنوازند مردان نکوسا،
در گرجون عمر آنکس منتقش مشد نکو داند فرزندانی او را،
امشد بالا کے مصداق جو ملاذانی (دشامی) جاہ و منصب رکھتے ہیں،
حب تقدیر الہی سے وہ اس باوجود سے دلوں میں چلے جاتے ہیں،
وہ کامیاب و منصب ان کے لڑکھول کو اس طرح عطا کرتے ہیں کہ ان
کے آباؤ کو جو عرصہ اور کائنات میں تیری اس میں کی نہ ہو۔

تطعمہ

کسم دایم بادشاہان است کہ خود مند را طرز نکند
در پس عہد او وفا داری با خود منداوہ نیز نکند
۲۶۔ مزید یہاں، سب سے بڑی اور بہتر نصیحت جو خداوند کریم جل جلالہ
و علم فرما رہے اس بندے کو بخش ہے وہ غلیظہ وقت اپنی علم رسول اللہ صلی
علیہ وسلم کی اطاعت، دوستی، خیر خواہی اور رازداری ہے اور یہی وہی
حکومت کے قانونی ہونے کا ثبوت ہے کسی دحاہم کے لئے یہ جائز
ہیں کہ وہ غلیظہ کا خادم ہونے کا شرف حاصل نہ کرے اور اس کے دبا
عالیہ سے مشغور حاصل نہ کرے۔ خدا نے کہیں اس کی توفیق دی اور
اس کے متعلق وہاں (حقیدہ بہت پختہ ہے۔ دربار خلافت سے ہمیں
افرن مطلق اور غلیظہ کی نیابت کا مشورہ ملا ہوا ہے اور اعلیٰ حضرت اور
نے جس مشور میں ہماری حیثیت کی قبولیت کا کہ کیا ہے اس میں ہمیں
مسید السلاطین کے خطاب سے بھی مشورہ کیا ہے۔ انہوں نے دربار
خلافت سے پے درپے ہم پر جو نواہز خلافت کی ہیں ان میں خلافت و اعلیٰ
علم، خاتم ہمارا اور قدم شریف شامل ہیں، ان سے دنیا و دینی بہرہ یگی

ظلال عہد یاد کے پاس استے لوگو کی رشتہ ہے ہم نے سزا اور محبت
سے بغیر دین کی زبانیں بند کر دی ہیں تاکہ لوگ اس طبقہ کے شرف
محفوظ رہیں۔ بلاشبہ اب سبھی لوگ ہماری شفقت سے مجبور ہو کر ہمارے
گرویدہ اور نکلن دوست بن گئے ہیں۔

تطعمہ

نام نیکو طلب، اگر گنج بسنما بہتر از گنج خاستہ صمد
یک شایہ کہ چند زمین گنج یک دواہ کہ مالی صد خوار
اس کے علاوہ یہ کہ خدا کی عنایت سے ہمارے دل میں نیکیوں
اور سکینوں کی فراغت اور ان کی دلہا دی جاگزین ہو چکی ہے۔ ہم جہاں
بھی کسی نیکو یا گروہ نشین کو پاتے ہیں۔ اس سے ملنے کے لئے چل کر
جاتے ہیں اور اس سے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ (رسلہ کہ)
تعب سے اچھا اثر وہ سوتا ہے جو نیکو کے دروازے پر جاتا ہے، کیا
جبکہ ہمیں بھی ہر تہہ مل جائے۔

۲۷۔ اس کے علاوہ یہ کہ ہر کوئی ملازمین میں سے جو بھی عرصہ پاتا اور
اور لوہا ہوا جاتا ہے، ہم اس کا وظیفہ مقرر کر کے اسے سکندر ملنے کر دیتے
ہیں۔ (درستہ دواہ) ہم اسے نصیحت کرتے ہیں کہ اب آفت کی تہدی
میں شغلی ہو جاؤ اور جن منکرات دین و شرع کا جہان میں ارتکاب کیا تھا
ان سے تائب ہو کر دنیا سے منہ موڑو اور اس طرقت کے معاملات کی طرف
دھیان نہ کرو۔

تطعمہ

چلی میری خبری، کلاہ جانی تھو ان کردو
پرست نہ کافر، تہاں تھو ان کردو
در خلعت شب ہر کچھ کردی کردی
در روشنی روز تہاں تھو ان کردو

اور خان قاهر ہوئی ہے۔

یہ باتیں اس لئے لکھی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی عنایات کا ذکر کیا جائے

اور اس کے انعام و اکرام کے ہر درویش سے ہیں سے ایک جہتہ اور
کثیر میں سے حقیر سے بہت کا شکر ادا کیا جائے۔

اس کے علاوہ یہ کہ جو لوگ لایہ لاری نیکی کے کے خواہشمند ہیں،

وہ اس کا مطالعہ کر کے یہ جان لیں کہ یہی تسبیح طریقہ ہے، اور یہ برکت

کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اس پر کار بند ہونے کی سادست حاصل کریں، انہیں

دینے اعمال کا ثواب اور یہیں نیکی کی عزت دلائے گا جو ملے گا۔ نیکی

کی طرف بلا ناگزیر نیکی کا کام کرنا ہے۔

نظریۂ خلافت

غیر خلافت سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی نیابت یا شئی
اور کسی کی قائم مقامی کے ہیں یہ قرآنی اصطلاح میں خلیفہ سے مراد نائب
اور خلافت سے مراد نیابت ہے۔ دینی اور سیاسی اصطلاح میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین کو خلیفہ کہتے
ہیں اور یہ اصطلاح خود آنحضرتؐ نے اس حدیث میں استعمال فرمائی
ہے:

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين
نہت کے بعد خلافت بڑا اہم ادارہ ہے اور صحابہ کرامؓ نے
نصب امام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تدفین پر ترجیح دیا ہے۔
آنحضرتؐ میں صدیوں سے یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ جب کوئی
حکمران فوت ہوتا ہے تو اس وقت تک اس کی تدفین عمل میں
نہیں آتی جب تک اس کے ولی عہد کی تخت نشینی

۱۔ مسید احمد کبیر آبادی، صدیق اکبر، مطبوعہ دہلی ۱۹۶۱ء ص ۸۹

۲۔ شاہ اسماعیل شہید، منصب امامت، مطبوعہ دہلی ۱۸۷۷ء ص ۶۷

کا باقاعدہ اعلان نہیں ہو جاتا۔ ملک و ملت کی فلاح اسی میں ہے کہ اس منصب کو خالی نہ چھوڑا جائے اور جب کوئی سربراہ مملکت فوت ہو جائے تو اس کی جگہ فوراً کسی مستحق شخص کو سربراہ نامادیا جائے۔ ابو یوسف محمد بن الحسن الفراء (دم ۱۶۵ھ) امام احمد بن حنبل کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ لوگوں کو حکم دینے والے امام کی غیر موجودگی میں مقتدہ پیدا ہو جائے گا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (دم ۱۷۶۲ھ) امام کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اقامتِ دین، اچانے علومِ دینیہ، اقامتِ ارکانِ دین، قیامِ جہاد، ترتیبِ جبرش، قیامِ علیہ ریح مظالمِ امیر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے خلافت کا قیام ضروری ہے۔ اس طرح امام ابو حفص عمر السعفی اپنی تعریفِ مجمع العلوم میں ۱۰ اصولِ دین علی اعتقاد المہتدین کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ غلبہ شریعت، اقامتِ حدود، دارالاسلام میں کفار کے داخلے کو روکنا، شکر تیار کرنے، زکوٰۃ اور دوسرے واجبات وصول کرنے، بیخود چوروں اور ڈاکوؤں کی سرکوبی کرنے، جہاد اور عیدین کی نمازیں قائم کرنے، لوگوں کے جھگڑے چکنا، نابالغوں کے حقوق کی نگہداشت اور تزویج کا اہتمام کرنے اور مالی غنیمت کی تقسیم

۱۔ ابو یوسف، الاحکام السلطانیہ، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۶ء ص ۱۹

۲۔ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، مطبوعہ بریلی ۱۸۶۹ء ص ۲

کے لئے نصبِ امام کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

شیخ الاسلام تقی الدین احمد ابن تیمیہ (دم ۷۲۸ھ) جنہیں میں اسلامی فکر کا بہترین ترجمان سمجھا ہوں، ضرورتِ امام کے تحت رقم طراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امیر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بالفاظِ دیگر تبیین کو واجب قرار دیا ہے اور یہ فریضہ قوت و امارت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا۔ اسی طرح جہاد، عدل، انصاف، اقامتِ حج، جہد و عیدین، مظلوموں کی وادہ رسی، اقامتِ حدود اور بہت سے دوسرے فرائض و واجبات بھی قوت کے بغیر انجام نہیں پاسکتے۔ اس لئے نصبِ امام کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کے نزدیک غیضہ یا امام کا تعین مسلمانوں پر الائی یوم القیامہ واجب بالکفا ہے یہ فعل اللہ بن روز بھان (اصفہانی دم ۵۲۱ھ) فرماتے ہیں کہ نصبِ امام اہل حق پر شرعاً واجب ہے۔ امام ابو الحسن علی المادوی (دم ۱۰۵۷ھ) فرماتے ہیں کہ امارت کا وجوب ثابت ہے۔ یہ اپنے حکم میں جہاد اور حصولِ علم کی طرح فرضِ کفایہ ہے اور اگر کوئی شخص امام بن گیا تو تمام لوگوں سے اس کی ذمہ داری ساقط ہو جائے گی۔ ابو یوسف بھی نصبِ امامت کو فرض

۱۔ فضل اللہ بن روز بھان، سلوک الملوک، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۶۶ء ص ۱۴

۲۔ پروفیسر رشید احمد، مسلمانوں کے سیاسی افکار، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء ص ۱۶۸

۳۔ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، مطبوعہ بریلی ۱۸۶۹ء ص ۳

۴۔ فضل اللہ بن روز بھان، سلوک الملوک، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۶۶ء ص ۱۴

۵۔ المادوی، الاحکام السلطانیہ، مطبوعہ قاہرہ ۱۸۸۱ء ص ۳، ۵

کفایہ مانتے ہیں لیکن وہ یہ ذمہ داری تمام مسلمانوں پر ڈالنے کے بجائے
اہل حل و عقد اور خلافت کے لئے جامع شرائط امیدوار پر ڈالتے ہیں۔
شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے ہاں نصب امام
امت پر واجب بالکفایہ ہے لیکن شیعوں کے ہاں خدا پر واجب ہے
کہ وہ امام مقرر کرنے پر واجب امام کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے
فتنا کرام اور سیاسی مفکرین نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر کوئی
شخص ایسی حالت میں سر جائے کہ اس کی گردن میں امام کی اعانت
کا جوآنہ ہو تو وہ گویا جاہلیت کی موت مرتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ ملتے جلتے اور اہم منصب کی ذمہ داریاں
بھائی ہر شخص کے بس کا روگ نہیں۔ اس لئے ہمارے سیاسی
مفکرین نے خلیفہ کے لئے چند شرائط عاید کی ہیں۔ جب تک
کوئی شخص ان شرائط پر پورا نہ اترے اس وقت تک وہ مسند
خلافت پر بیٹھنے کے لائق نہیں۔ اس ضمن میں امام ابو الحسن علی
الماوروی نے امیدوار خلافت کے لئے سات شرائط عاید کی ہیں،
۱۔ عادل ہونا کہ حق پر وہی کر سکے۔
۲۔ عالم ہونا کہ اجتہاد کر سکے۔
۳۔ صحت حاکم ہونا کہ اپنے فرائض کو ادا کر سکے۔

۱۔ ابوعلی، احکام السلطانیہ مطبوعہ تاجروہ ۱۲۷۶ھ ص ۱۹

۲۔ شاہ ولی اللہ، المقدّمۃ السنیہ، مخطوطہ رفعا لبریری، رامپور، دق ۱۱
۳۔ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، مطبوعہ کراچی، مطبع سعیدی، حصہ اول ص ۳۱

۴۔ عاقل ہو

۵۔ شجاع ہو

۶۔ قریشی ہو

۷۔ سہ امتی اعضاء یعنی اس میں جسمانی عیب نہ ہوں۔

امام الماوروی کے ہم عصر ابوعلی محمد بن الحسن الطبرانی (م ۹۲۵ھ)
کہتے ہیں کہ امیدوار خلافت کو ان صفات کا حامل ہونا چاہیے:

۱۔ وہ قریشی ہو

۲۔ اس میں قاضی کی جملہ شرائط موجود ہوں یعنی وہ آزاد بالغ
عاقل اور عادل ہو۔

۳۔ وہ امور حرب سے واقف ہو، سیاست کو سمجھتا ہو اور
شرعی حدود نافذ کر سکے۔

۴۔ وہ علم دین میں دوسروں سے افضل ہو۔

علاء الدین خلدون (م ۱۲۶۶ھ) کے نزدیک امیدوار خلافت
کے لئے صرف چار شرائط کافی ہیں:

۱۔ علم۔ اسے احکام شریعت اور مسائل کا علم ہو، وہ
صاحب اجتہاد ہو۔ صرف عالم ہونا کافی نہیں۔ ابن خلدون خلیفہ
کے لئے تقلید کو نقص شمار کرتے ہیں۔

۲۔ عدالت۔ خلافت ایک دینی منصب ہے لہذا خلیفہ کو

۱۔ الماوروی، احکام السلطانیہ، مطبوعہ تاجروہ ۱۹۶۶ھ ص ۲۰

۲۔ ابوعلی، احکام السلطانیہ، مطبوعہ تاجروہ ۹۶۶ھ ص ۲۰

۱۲۔ ناطق ہو تاکہ بات چیت کر سکے۔

راست باز اور نیکو کار ہونا چاہیے۔

۳۔ کفایت :- غیظ میں حدود شرعیہ قائم کرنے کی صلاحیت اور جہاد کی کچھ بوجھ ہونی چاہیے۔

۴۔ سلامتی محاسن و اعصاب تاکہ وہ اپنے فرائض کو صحیح انجام دے سکے۔

مولانا فضل اللہ دین روز بھان ۱۵۶۱ھ نے اسم المادوی کی علامہ کردہ شرائط کو ذرا وضاحت کے ساتھ یوں بیان کیا ہے :-

۱۔ وہ قوی ہو

۲۔ مجتہد ہو

۳۔ عادل ہو

۴۔ بالغ ہونا

۵۔ عاقل ہو

۶۔ شجاع و قوی دل ہو

۷۔ صاحب رائے و تدبیر ہو تاکہ ملک کے امور بحال رکھے۔

۸۔ خداوند کفایت اور علم بمصالح مالی ہو۔

۹۔ مرد ہو، کیونکہ عورتیں اس منصب بلیہ کی اہل نہیں۔

۱۰۔ آزاد ہو، کیونکہ غلامی باعث عیب ہے۔

۱۱۔ مسیح و بعیر ہو۔

شاہ ولی اللہ دہلوی دم ۱۷۶۲ھ نے امیدوار خلافت کے لئے امام المادوی اور فضل اللہ دین روز بھان سے ملتی جلتی شرائط عاید کی ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ امیدوار خلافت کو ان دس شرائط پر پورا اترنا چاہیے:

۱۔ وہ مسلمان ہو

۲۔ مرد ہو، عورت نہ ہو

۳۔ آزاد ہو، غلام نہ ہو

۴۔ شجاع ہو

۵۔ عاقل و بالغ، بالغہ و دیگر وہ محض کسب اور حواس باختہ نہ ہو

۶۔ منکم، مسیح اور بعیر ہو، یعنی وہ گولگا، بھرہ اور اندھانہ ہو

۷۔ اسود حرب میں صاحب رائے ہو

۸۔ مجتہد ہو

۹۔ عادل ہو

۱۰۔ قوی ہو

نظام الملک طوسی دم ۱۰۹۱ھ کے نزدیک اس کے لئے علاؤ دیگر صفات کے خوش شکل ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ ان کا یہ خیال ہے کہ اگر وہ بد شکل ہوگا تو اس کا رعب لوگوں کے دلوں پر نہیں بیٹھ

۱۔ فضل اللہ دین روز بھان، ملوک الملک مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۶۶ھ ص ۱۲۱

۲۔ شاہ ولی اللہ، ازلال الخفا، مطبوعہ بریل ۱۸۹۶ھ ص ۴۵

۳۔ نظام الملک طوسی، سیاست نامہ، مطبوعہ تہران ۱۳۳۳ھ ص ۷۰

۱۔ پروفیسر رشید احمد، مسلمانوں کے سیاسی افکار، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ھ ص ۶۶

جنسی تعلقات کو حد سے آگے نہ بڑھنے دے۔

۹۔ وسیع القلب ہو اور اسے عدل و انصاف سے خصوصی نگاہ ہو اور وہ علم و تشدد کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دے۔

۱۰۔ جس چیز کو وہ اچھا سمجھتا ہو اسے بلا خوف و تردید نافذ کر سکتا ہو۔

۱۱۔ اس کا خزانہ ہمیشہ معمور رہے۔

۱۲۔ وہ پیچ سے محبت اور جھوٹ سے نفرت کرتا ہو۔

نارائی اور غزالی نے مسلمانوں کا دور زوال دیکھا تھا اس لئے اس قسم کا مثالی حکمران عنایتاً تھا۔ لہذا ان دونوں نے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لے کر بعد حسرت کہا کہ ان دنوں ایک شخص میں ان تمام صفات کا جمع ہونا ممکن نہیں۔ اس لئے اس میں جتنی صفات کم ہوں اس کے اتنے ہی مشر مقرر کر دیے جائیں جن میں وہ صفات موجود ہوں۔ جن سے حکمران عاری ہے۔ نارائی غرض سے فطری نگاہ کے تحت یہ کہتا ہے کہ اس کے مشر میں ایک فاسف ضرور ہونا چاہیے ورنہ اس کی حکومت زیادہ عرصہ تک نہیں چل سکتی ہے۔

نظامی عروضی سرکردی (م بعد ۱۱۵۲ء) رقم طراز ہے کہ غیظ کے لئے بنی کا نائب ہونا ضروری ہے تاکہ وہ شرع و سنت کو قائم رکھے۔ اس کے لئے افضل و اعلیٰ ہونا شرط ہے۔ اس کے برعکس اہل سنت کے

۱۔ ایضاً ص ۵۵

۲۔ ایضاً ص ۵۶

۳۔ نظامی عروضی سرکردی، چار مقالہ، مکتبہ نیژن ۱۹۱۰ء ص ۱۱

کا اور وہ اس کی اطاعت سے دوگردانی کریں گے۔

امام ابوالمجد محمد الغزالی دم ۱۱۱۱ء کی یہ رائے ہے کہ غیظ کے لئے عاقل و ذکی ہونا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں اس کے لئے فہم و فطرت عقل و اوراد، دور اندیشی، اعلیٰ ترین قوت ارادی، حالات حاضرہ سے واقفیت، رعایا کے ساتھ بے پناہ محبت اور قدیم حکمرانوں کی تاریخ کا علم بھی ضروری ہے۔ اس میں عدل و تواضع و سخاوت اور رحم و ملی جیسے اوصاف ضرور ہونے چاہئیں۔

ابو نصر فارابی دم ۹۵۰ء) یونانی فلسفے سے بہت متاثر ہے اور لوگ اسے ارسطو ثانی کہتے ہیں۔ اس کے نزدیک غیظ کو ان بارہ صفات کا حامل ہونا چاہیے:

- ۱۔ وہ جمالی لحاظ سے بے عیب ہو
- ۲۔ ذکی اور عاقل ہو
- ۳۔ محض ناطق نہ ہو بلکہ بہترین مقرر ہو اور وہ اپنی تقریر سے بڑے سے بڑے مجھے پر چھا جائے۔
- ۴۔ لڑلے سے متغیر ہو۔
- ۵۔ قوی حافظہ کا مالک ہو
- ۶۔ لوگوں پر علم کے لئے اپنی محبت واضح کر سکے۔
- ۷۔ کم سے کم بحث میں بات کی تہ کو پہنچ جائے
- ۸۔ خواہشات نفسانی پر مکمل قابو رکھتا ہو۔ وہ خور و نوش اور

۱۔ پرنسپل رشید احمد، مسلمانوں کے سیاسی افکار، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء ص ۱۲۰

۸۔ وہ مردم شناس ہو

۹۔ وہ اقسام بدعت و منیات، فراشات، فسق و فجور اور مودعہ کا سدباب کرنے کا اہل ہو۔

۱۰۔ وہ بیت المال کے داخل و خارج کے بندوبست کا سلیقہ جانتا ہو

یہ تمام کمزورانے کے بعد شاہ شید فرماتے ہیں کہ خلیفہ چونکہ پیغمبر کا جانشین ہوتا ہے اس لیے اسے پیغمبر کی صفات کا حامل ہونا چاہیئے۔ اہل تشیع کے ہاں امام حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہوتا ہے اسے لوگ مستحبین کہتے تھے مگر وہ مامور من اللہ ہوتا ہے وہ معلوم من اللہ ہوتا ہے اس سے عذاب یا سزا کسی بھی قسم کا کبیرہ یا صغیرہ گناہ سرزد نہیں ہو سکتا۔ ان شرائط پر تمام علمائے امامیہ کا اجماع ہے علیہ شیعوں کے ہاں امام ظاہر بھی ہو سکتا ہے اور غائب بھی۔ ان کے عقیدہ کے مطابق دنیا پیغمبر امام کے قائم نہیں رہ سکتی۔ اس لئے موجودہ امام محمدی عراق میں سامرا کے مقام پر ایک غار میں رہ پڑے ہیں وہ قیامت کے قریب ظاہر ہو کر دنیا کو عدل و انصاف سے سمور کر دیگا۔

۱۔ شاہ اسماعیل شید، منصب الامت، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۹ء ص ۳۱، ۳۰

۲۔ ابن عقیلی، کتاب الغری، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۲ء ص ۱۸

۳۔ سائنس دانین ہول، فرسٹ سکوول مشرق وسطیٰ برطانی، مطبوعہ لندن

۱۸۹۰ء ج ۵

۴۔ باقر مجسم، حیات القلوب، نو کوشور کھنڈ ۱۸۸۳ء ج ۳ ص ۱۵

عقائد کے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خلیفہ کے لئے اپنے ہمسر کو سے افضل ہونا کوئی شرط نہیں ہے۔ امام حسن عسکریؒ کی وفات کے بعد جب اثنا عشری شیعہ امام کی حیثیت کے قائل ہوئے تو اہل سنت نے کہا کہ ہمارے نزدیک امام کے لئے ظاہر ہونا شرط ہے۔

شاہ اسماعیل شید دم ۱۸۲۱ء تک پیش نظر سید احمد بریلویؒ تھے جس کے ہاتھ پر مجاہدین نے بیعت جہاد کی تھی۔ شاہ شیدؒ نے حالات گرد پیش اور ضرورت جہاد کو مد نظر رکھتے ہوئے خلیفہ کے لئے مندرجہ ذیل شرائط لازمی قرار دی ہیں:

۱۔ وہ فسق و فجور اور جور و تعدی کو روک سکتا ہو

۲۔ وہ محدوں کے فساد اور بدعتوں کی رخنہ اندازی کا سدباب کر سکتا ہو

۳۔ وہ لشکر کشی کا طریقہ جانتا ہو

۴۔ وہ شہسوار، جرات مند اور صاحب استقامت ہو اور شجاعت کا قدردان ہو۔

۵۔ وہ صاحب صولت و مطرت ہو

۶۔ وہ خدائے شناس اور قانون عدل و انصاف کے تابع ہو۔ وہ

سب کو ایک نظر سے دیکھے۔

۷۔ وہ بیت کی حفاظت کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

۱۔ فضل اللہ رحمہ اللہ، سلوک الملوک مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۶۶ء ص ۴۳

اسماعیلیہ شیعوں ہی کی ایک شاخ میں وہ شنا عشری شیعوں سے چھٹے امام جعفر صادق کی وفات کے بعد الگ ہو گئے۔ جعفر صادق کے بیٹے اسماعیل اپنے والد کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے اس لئے جعفر صادق کی وفات کے بعد ان کے دوسرے بیٹے موسیٰ کاظم ان کے جانشین ہوئے اس وقت شیعوں کے ایک گروہ نے یہ مشورہ کر دیا کہ موسیٰ کاظم کی امامت صحیح نہیں۔ وہ کہتے تھے کہ اگرچہ اسماعیل اپنے والد کی زندگی میں فوت ہو گئے ہیں لیکن امامت کے حقدار ہی تھے۔ امام کو خدا مقرر کرتا ہے بندے اسے مقرر نہیں کرتے۔ اسماعیل کو خدا تعالیٰ امام مقرر کر چکا تھا اس لئے اسماعیل کے بعد منصب امامت اس کی اولاد میں منتقل ہو گا۔

اسماعیلیوں کے ہاں امام طیب (د ۱۱۳۲ء) تک امامت کا سلسلہ بغیر کسی نزاع کے چلتا رہا۔ امام طیب کی غیبت کے بعد ان کے جانشین کے بارے میں ان کے معتقدین میں اختلاف رونما ہوا۔ اسماعیلیوں کے ایک گروہ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ امام طیب آخری امام تھے۔ ان کے بعد اب کوئی امام نہیں آئے گا اور امام کی نیابت "دامی" کریں گے۔ جو اسماعیل امام طیب پر ختم امامت کے قائل ہوئے وہ "بوہرے" کہلائے یہ سلسلہ کچھ عرصے تک بلا کسی نزاع کے چلتا رہا۔ پھر ایک البا وقت بھی آیا کہ "دامی" کے منصب کے حصول پر داؤد اور سلیمان میں اختلاف پیدا ہو گیا اور یہ جماعت دو گروہوں میں منقسم ہو

گئی۔ داؤد کے حامی داؤدی بوہرے اور سلیمان کے طرفدار سلیمانی بوہرے کہلائے گئے۔ داؤدی بوہروں کے موجودہ داعی مطلق علامہ ابن الدین ہیں جن کی دعوت کا مرکز نوریت میں باموسہ سفید کے نام سے مشہور ہے۔ سلیمانی بوہروں کی تعداد بہت کم ہے اور حنفی چوک گاڑی کھانا کراچی ہیں ان کی مسجد موجود ہے۔

زیدی بھی شیعوں ہی کا ایک فرقہ ہے۔ یہ لوگ امام زین العابدین کے بعد محمد باقر کے بھائی ان کے بھائی زید کی امامت کے قائل ہیں لیکن کے ہاتھ خدوں کی اکثریت اسی فرقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ زیدی اپنے عقاید میں شیعوں کے دوسرے فرقوں کی نسبت اہل سنت کے قریب تر ہیں علامہ شاکانی صاحب نیل الاوطار اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے ان کے ہاں افضل کی موجودگی میں مغفول کی بیعت بھی جائز ہے۔ زیدیوں کا کہنا ہے کہ خلافت کے مستحق تو حضرت علی تھے۔ لیکن جب ان کی بجائے حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا تقرر بطور خلیفہ ہو گیا تو ان کی خلافت بھی جائز ہو گئی۔

خوفا کے بارے میں جہاں تک خوارج کا تعلق ہے۔ ابتدا میں وہ اس بات کے قائل تھے کہ امید وار خلافت کے لئے عرب ہونا شرط ہے بعد میں انہوں نے یہ شرط اڑادی اور ان کے ہاں کوئی بھی مسلمان خلیفہ ہو سکتا ہے۔

خلافت کے بارے میں معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر تمام لوگ

احکام شریعت پر کار بند ہو جائیں۔ وہ پیار و محبت کے ساتھ علی علی
کر رہیں اور معاملات میں دوپہنڈار ہو جائیں تو پھر نصب امام کی
سرے ہی سے ضرورت نہیں پڑے۔ خارج کے بعض گروہ بھی اس
مسلے میں متزلزل کے ہوتا تھے۔ خلافت کے متعلق متزلزل کا یہ عقیدہ
مقلد نظر ہے۔ عند رسالت اور عند خلافت راشدہ سے بہتر اور
کو نسا مانا ہو سکتا ہے جس کے بارے میں کبیر صادق کا فرمان ہے،
خیر القرون قری فی شہ الذین یلوئہم
شہ الذین یلوئہم

اس خیر القرون میں بھی نصب امام کی ضرورت اس شدت
کے ساتھ محسوس کی گئی کہ صحابہ کرام نے اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی تدفین پر ترجیح دی تو بعد کے زمانے میں نصب امام کے بغیر کیونکر
گزارہ ہو سکتا ہے۔

عند سلاطین میں تو لوگوں کے ذہنوں یہ بات بٹھانی لگی:

لولا السلطان اخل الناس بعضهم لبعضا

یعنی اگر سلطان نہ ہو تو انسان، انسان کو کھا جائے یہ اگرچہ یہ
حدیث محدثین کے نزدیک ضعیف ہے لیکن اس کی حقیقت سے
انکار نہیں کیا جاسکتا۔

۱۔ لغزہ کلیم دی ٹریڈیشن آف اسلام، مطبوعہ آکسفورڈ ۱۹۶۴ء ص ۱۹۰

۲۔ غیث احمد نقاشی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، مطبوعہ دہلی

مرحہ فرقہ آمیزی عہد میں بڑے عروج پر تھا۔ ان کے خیال میں
غنیفہ کے لئے مسلمان ہونا اور زبان سے کلمہ شہادت کا اقرار کرنا کافی
ہے۔ انہیں غنیفہ کی میرت و کردار سے کوئی بحث نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ
یہ بندہ اور خدا کا معاملہ ہے اور وہ اپنے اعمال کے لئے خدا کے سامنے
جوابدہ ہے۔

امام ماوردی، ابو یعلیٰ اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے غنیفہ کے
لئے قریشی ہونے کی شرط عاید کی ہے ان کے خیال میں غیر قریشی
اس منصب کا اہل نہیں۔ شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء میں استدلال
کے طور پر چار حدیثیں نقل کی ہیں:۔

۱۔ قال رسول اللہ الامتہ
من القریش
یعنی امام قریش میں سے ہونا
گئے۔

۲۔ عن ابی ہریرہ و
جابر بن عبد اللہ
الناس تبع لقریش فی
هذا الشأن
یعنی لوگ اس مسئلے میں
قریش کی پیروی کریں گے۔

۳۔ عن عبد اللہ بن عمر
لا یزال هذا الامر فی
قریش ما بقی منهم ثمان
یعنی یہ امر (خلافت) قریش
میں سے ختم نہ ہوگا جب تک
ان میں دو افراد بھی زندہ ہیں۔

۴۔ عن معاویہ بن

ابن سفيانؒ ان هذا
الامر في قریش
لا يعاديهما احد
لا كبير الله على وجه
ما اقاموا الدين

حدیث بشیر جلال الدین سیوطیؒ رقم ۵۵۵۵۵ نے بھی اس ضمن
میں تین حدیثیں نقل کی ہیں:

- ۱۔ الأئمة من القریش
۲۔ المملک فی قریش و
القضاہ فی الانصار و
الخان فی الحبشہ و
اسنادہ صحیح
- ۳۔ الخلافة فی قریش
والعکرم فی الانصار
والدعوة فی الحبشہ
والخلافة فی الحبشہ

ایک دوسرے موقع پر سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ

۱۔ شاہ ولی اللہ، اذاتہ اختار، مطبوعہ بریلی ۱۸۹۹ء، ص ۵

۲۔ جلال الدین سیوطیؒ، تاریخ الخلفاء مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۹ء، ص ۷

نے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

ولم يعرف العرب
هذا الامر الا لهذا
الحی من قریش
هم اوسم العرب نبیا
و دارا

رکتے ہیں، بلکہ

طبری نے بھی الفاظ کے معنی سے تفسیر کے ساتھ صدیق اکبرؓ کا یہ
قول نقل کیا ہے یہ

عبداللہ بن مسلم المعروف بہ ابن قتیبة الدینوری رقم ۸۹، لکھتے
ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے سقیفہ بنو ساعدہ میں اپنی تقریر کے دوران
فرمایا:

لا تدب العرب
الا لهذا الحی من
قریش

اسی طرح امام مسلم بن حجاج نیشاپوریؒ نے بھی شرط قریش
کے ضمن میں چار حدیثیں نقل کی ہیں، ان ۱ حدیث کا لب لباب

۱۔ ایضاً ص ۶۳

۲۔ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، مطبوعہ بیروت ۸۹۰، ج ۴ ص ۱۲۲

۳۔ ابن قتیبة، عیون الاخبار، مطبوعہ قاہرہ ۱۸۲۸ء، ج ۲ ص ۲۳۳

یہ سہے کہ اہل عرب خیر و شر میں قریش کی پیروی کریں گے۔ عرب کے غیر مسلم قریش کے غیر مسلموں اور عرب کے مسلمان قریش کے مسلمانوں کے نقش قدم پر چلیں گے۔

تمام محدثین، فقہاء اور سیاسی مفکروں نے ان احادیث کو صحیح اور ان کی اسناد کو معتبر کہا ہے اس کے باوجود اصحاب فکر و فکر نے اس شرط قریش پر بڑی بحث کی ہے۔ ابن عدون کہتے ہیں کہ شرط قریش کو بقیہ ہمساحہ میں معاہدہ کرانہ نے تسلیم کیا ہے لیکن تاریخ اس پر گواہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ قریش نے اپنی صلاحیت میں دعرش اور سستی و کاہلی کی نذر کر دی۔ وہ امور خلافت کی انجام دہی کے قابل نہ رہے اور اسی پر غالب آگئے۔ ان حالات میں سیاسی مفکروں کو اشتباہ پیدا ہو گیا اور سرے سے قریشیت کی شرط کے ہی منکر ہو گئے۔

امام ابی بکر محمد بن قتیب باقلانی (م ۲۵۵ھ) کی یہ رائے ہے کہ جس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیفہ کے لئے قریشی ہونے کی شرط عاید کی تھی اس وقت قریش میں بچے لوگ موجود تھے۔ اب بچے نہیں رہے اس لئے اب خیفہ کے لئے قریشی ہونا ضروری نہیں۔ برصغیر کے نامور عالم مولانا سعید احمد اکبر آبادی بھی امام باقلانی

۱۔ امام مسلم، الصحیح، مطبوعہ استانبول ۱۳۳۲ھ ج ۶ ص ۳۰۲

۲۔ سعید احمد اکبر آبادی، صحیح اکبر ص ۵۳

۳۔ میر عبدالقادر جیلانی، دی کاسٹیشن آف دی عرب پاپر، مطبوعہ ہزارہ پبلشرز، ۱۹۶۴ء ص ۱۰۶

کے ہمنوا ہو کر فرماتے ہیں کہ کون کہہ سکتا ہے کہ جب خود قریش میں ابوبکر، عمر، عثمان و علیؓ جیسی شخصیتیں موجود ہوں تو پھر وہاں کسی اور کو بھی امامت و خلافت کا استحقاق ہو سکتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ قریش میں ہمیشہ ایسی ہی شخصیتیں پیدا ہوتی رہیں گی؟ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ قریش پر پہلے آل بوہیہ غالب آگئے اور پھر سلویٰ مسلط ہوئے آل بوہیہ اور سلاجقہ کے عہد میں عباسی خیفہ کی پوزیشن تقریباً ایسی ہی تھی جیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں لال قلعہ کے انڈیا کمپنی کے وظیفہ خوار اور بے اختیار منسل بادشاہ کی۔ اگر قریشی حکمران کے پاس اختیار ہی نہ ہوں تو پھر نمائش کے طور پر اس کو مشند خلافت پر بٹھانے سے کیا فائدہ؟

اگر خیفہ کے لئے قریشی ہونا ہی شرط ہے تو پھر اسلام، جو عالمگیر مذہب ہونے کا داعی اور رنگ و نسل کے امتیاز کا مخالف ہے۔ یہ سودیت کی طرح ایک نسل اور قبائلی مذہب بن کر رہ جائے گا۔ شرط قریش پر زور دینے والے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے بنی فروع انسان کے نام اپنے آخری پیام میں یہ فرمایا تھا کہ عربی کو عربی پر اور عجمی کو عربی پر سیاہ کو سفید پر اور سفید کو سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے قرآن نے بھی رنگ و نسل کی بجائے تقویٰ کو معیار بزرگی قرار دیا ہے ارشاد باری ہے:

ان اکرمہ عند اللہ کے نزدیک زیادہ

اللہ اتقہ

سزا دینے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

۱۔ سعید احمد اکبر آبادی، صحیح اکبر، ص ۱۰۳

موصوف نے جنگ بیمار میں مسیح کذاب کے خلاف اس شان سے حیدر لیکر ماجریں کا علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ جب وہ عظم المرسلین کی نبوت کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے تو صحابہ کرام نے بڑے انوس کے ساتھ کہا:

ذهب ربح القرآن

یعنی ایک چرقال قرآن ضائع ہو گیا۔

اگر خلیفہ کے لئے قریشی ہونا ہی شرط ہوتی تو حضرت عمر فاروقؓ ایک عجی غلام کا نام اپنے جانشین کے طور پر کیوں لیتے؟ حضرت عمر فاروقؓ تو سالم کے کمالات کے اس قدر متصرف تھے کہ وہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ تک جقوق الاولون اصحاب کی موجودگی میں انہیں بھی خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔

مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ امام اہلسنت ابوحنیفہؒ ان کے شاگرد رشید تاحسی ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی خلیفہ کے لئے قریشی ہونا کوئی شرط نہیں تھی۔ امام حاکم دیشا پوریؒ نے ہمارے خیال کی تائید میں حضور مدینہ الصلوۃ والسلام کی ایک حدیث نقل کی ہے:

حضرت عمر فاروقؓ اس وقت سقیفہ بنو ساعدہ میں موجود تھے جب حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ نے الامت من القریش وال حدیث پڑھی تھی۔ اس لئے ان پر اس حدیث سے ناواقفیت کا الزم عامر نہیں ہوتا۔ جب ان کا وقت آخر قریب آیا تو حاضرین نے ان سے سوال کیا کہ ان کا جانشین کون ہوگا؟ انہوں نے فرمایا:-

لو كان ابو عبیدہ حیاً لاستخلفته
یعنی اگر ابو عبیدہؓ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ بنا جاتا
آپ نے ذرا توقف کے بعد فرمایا:-

لو كان سالم موی ابوحنیفۃ حیاً لاستخلفه
یعنی اگر سالم موی ابوحنیفہؒ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ
نامزد کر دیتا۔

حضرت سالمؒ ایرانی النسل اور اصغر کے رہنے والے تھے اور ان کا شمار ان چار قاریوں میں ہوتا ہے جن سے حضور مدینہ الصلوۃ والسلام اپنے صحابہ کو قرآن سیکھنے کا مشورہ دیا کرتے تھے یہ ایک بار حضورؐ نے ان سے تلاوت سن کر فرمایا تھا۔

الحمد لله الذي جعل

تمام توفیق اس خدا کے لئے ہے

جس میری امت میں تجھ کو منتخب کیا

لکاح (عاشق مجھے مغرور)

۱- ابن الاثیر الکامل فی التاریخ، مطبوعہ بیروت ۱۳۸۸ھ ج ۳ ص ۵۰

۲- ابن عساکر، الاستیعاب، مطبوعہ قاہرہ مطبعہ مصلحہ مصر، ج ۲ ص ۵۶۷/۵۶۸

۳- جوہر لغت سے، الباتلانی، الانصاف، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۰ھ ص ۷۳

۱- ابن حجر، اصحاب فی تیز اصحاب، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ ۱۴۵۹ھ ج ۲ ص ۸۰

۲- سید احمد کبیر آبادی، صدیق اکبرؓ، مطبوعہ دہلی ۱۹۹۱ھ ص ۱۰۰

۳- مولانا انور شاہ، فیض الباری، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۳۸ھ ج ۳ ص ۶۸

عثمانی نے خلافت کا اعلان کیا تو کسی عالم دین نے اس سے یہ نہیں کہا کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا شرط ہے اور وہ چونکہ ترک ہے اس لئے وہ اس منصب جلیلہ کا اہل نہیں۔ عثمانی ترکوں نے چار سو سال تک بار خلافت اپنے کندھوں پر اٹھایا اور کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی۔

دور حاضر کے دانشوروں اور محققین نے اسلام میں جبریت کی روح پیدا کرنے میں خوارج کی جذبات کو سراہا ہے جس وقت سنی مفکرین خلیفہ کے لئے قریشی ہونا اور شیعہ مفکرین حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہونا شرط قرار دیتے ہیں اس وقت خوارج نے اس انداز فکر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور انہوں نے بولا کہنا شروع کیا کہ جب قرآن مجید میں عزت و شرافت کا معیار تقویٰ ہے اور حضورؐ نے حبشی غلام کی اطاعت کو بھی واجب قرار دیا ہے تو پھر خلیفہ کے لئے نسل و خاندان کی قید کہاں باقی رہ جاتی ہے؟ یہ سچ ہے کہ اسلام نے برہمنوں کی طرح کوئی ولایت یافتہ طبقہ پیدا نہیں کیا اور یہ تو وہ دین ہے جس میں رنگ و نسل اور ملک و قوم کی کوئی تفریق نہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ جیسے بزرگ حضرت بلال حبشیؓ کو یا سیدی بلالؓ کہ کر مخاطب کیا کرتے تھے جب حضرت عمر فاروقؓ ابو لؤلؤ فوفوفہ کے ہاتھوں زخمی ہوئے تو انہوں نے حکم دیا کہ جب تک ان کے جانشین کے بارے میں فیصلہ

وعلیکم بالطاعة یعنی تم پر جنتی غنم کی اطاعت
وان عبدًا حبشیًا عنوا واجب ہے امدائے منبری
علیہا بالنواجذ سے بچنا
خطیب تبریزیؒ نے مشکوٰۃ المصابیح میں امام بھاریؒ کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے:

عن النبی ان رسول حضرت النبیؐ رسول اکرمؐ
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اگر
قال: اسمعوا واطیعوا ایسے سبھی کو تمہارا حاکم بنایا
وان استعمل علیکم جائے کہ جس کا سننی کی طرح
عبدًا حبشی کان ہو تو اس کی بات سنو و اطاعت کرو
و اسمعوا واطیعوا

حضور جبرائیلؑ کے ان فرامین کی روشنی میں خلیفہ کے لئے قریشی ہونے کی شرط کہاں باقی رہ جاتی ہے؟
امام بخاریؒ (م ۲۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ اگر قریشی میں جبرمغات موجود نہ ہوں تو پھر بھی بھی خلیفہ بن سکتا ہے۔ ان کے نزدیک ترک بھی اس منصب جلیلہ کا اہل ہے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب سولہویں صدی کے دوسرے عشرے میں سلطان سلیم

- ۱۔ امام حاکم، المستدرک، مطبوعہ حیدرآباد ۲۳۔ ۱۹۱۷ء ج ۱ ص ۶۱
- ۲۔ خلیف تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، مطبوعہ دمشق ۱۸۶۱ء ج ۲ ص ۳۶۶
- ۳۔ فضل الدین روزبہان، ہسولک الملوک، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۶۶ء ص ۴۳

روایات کا کیا جواب ہوگا جن میں فرمایا گیا ہے کہ اگر ایک قریشی بھی تمہارا امام ہو تو اس کی اطاعت کرو ایک غیر قریشی کی اطاعت اگر منعقد ہی نہیں ہو سکتی تو پھر اس کی اطاعت کا حکم کیا؟ تاریخ میں ایسا وقت بھی آگیا جب کہ قریشی امامت دین کے قابل نہیں رہے۔ قراب سوال یہ ہے کہ چونکہ لعیب امام پوری امت پر فرض کفارہ ہے اس لئے ایسی صورت حال میں امام کا انتخاب کیوں کر کیا جائے گا؟ جو قریشی ہے وہ امامت دین سے عاجز ہے اور جو امامت دین کر سکتا ہے وہ بدستور سے قریشی نہیں ان دونوں میں سے کس کو امام بنایا جائے گا؟ اگر قریشی کو ہی قریمہ "اقوام الدین" کا مطلب کیا ہوا؟ اور اگر غیر قریشی ہو تو پھر ظاہر ہے "الاکم من قریش" انشاء کے لئے نہیں ہوا اور اس سے مراد ہرگز یہ نہیں ہوتی کہ امام وغیرہ کے لئے قریشی منصب ہونا ضروری ہے۔

آگے چل کر مولانا ابراہیم آبادی صاحب فرماتے ہیں کہ اب لڑل یہ ہے کہ جب "الاکم من قریش" نہ انشاء ہے اور نہ غیر قریمہ اس کا مطلب کیا ہے؟ اصل یہ ہے کہ جس طرح ہر فاضل کی کوئی خصوصیت ہوتی ہے اور عام لڑل چال میں اس خصوصیت کو اس فاضل کے لوگوں میں محدود کر کے بولتے ہیں مثلاً ہم یوں کہیں کہ عمار قریمہ بندیوں یا فرنگی بھائیوں میں ہوتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ عمار دیوبند اور فرنگی بھائی کے علاوہ اور کہیں پیدا نہیں ہوتے۔ اسی طرح آنحضرت کا منشاء یہ ہے کہ امامت کے لئے جن اوصاف و

نہ ہو جاتے حضرت مصیب زیدیؒ مسجد نبوی میں نماز پڑھا کر پڑھ کر حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ پڑھانے کا شرف بھی اسی زیدی بزرگ کو حاصل ہے۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام بن زیدؒ کو امیر شکر مقرر فرمایا اور کابر صحابہؓ کو جن میں حضرت عمر فاروقؓ بھی ہستان بھی شامل تھیں ان کے ماتحت رہنے کے لئے روانہ فرمایا۔ ان جتنی جاگتی مثالوں کی موجودگی میں کون کہہ سکتا ہے کہ غیر قریشی منصب خلافت کا اہل نہیں جن احادیث میں غیظہ کے لئے قریشی ہونا شرط بنایا گیا ہے ہم ان احادیث کی تردید نہیں کرتے۔ وہ احادیث صحیح ہیں اور ان کی اسناد بھی معتبر ہیں لیکن ان کی ترمیم دوسرے انداز سے کرتے ہیں۔

اس مسئلے میں مولانا سید احمد کبر آبادی فرماتے ہیں کہ الاکم من قریش کا مطلب کیا ہے؟ یعنی یہ انشاء ہے یا خبر؟ اگر یہ خبر ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام الملاح دے رہے ہیں کہ امت میں جو امام پیدا ہوں گے وہ قریش میں سے ہوں گے۔ قریمہ ہے کہ یہ خبر صحیح نہیں۔ تاریخ اسلام میں وقتاً فوقتاً ایسے خلفاء ضرور پیدا ہوتے ہیں جو امامت دین کا فرض ادا کرتے تھے اور جلد شرائط امامت کے جامع تھے لیکن قریشی نہیں تھے۔ اگر یہ انشاء ہے اور مراد یہ ہے کہ حضور حکم دے رہے ہیں کہ جو امام منتخب کیا جائے اس کے لئے قریشی ہونا شرط ہے تو پھر ان

(بقیہ جلد ۱) سے اسی سیم، پرنٹنگ میٹریکس دی خانہ مطبعہ اسلامیہ لاہور ۱۳۹۷ھ

کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کی جاتے۔ مثلاً اگر اس وقت ملک کو جنگ و تہمتیں ہے تو پھر ایسے شخص کو ترجیح دی جلتے جو حق کا ماہر ہو اور اگر ملک ملای بھران سے گزر رہا ہے تو پھر ایسے شخص کو سربازہ ملک بنایا جلتے جو امور مالیات پر دسترس رکھتا ہو اسی طرح اگر وہ ایسے امیر دار موجود ہوں جن میں سے ایک عالم لیکن فاسق ہو اور دوسرا جاہل لیکن متقی و پرہیزگار ہو تو پھر عالم فاسق پر جاہل متقی کو ترجیح دی جلتے گئے۔ چنانچہ سیاسی مفکرین نے اس بات کی بھی وضاحت کوئی ہے کہ جو لوگ منصبِ امام کے ذمہ دار ہیں ان میں بھی گواہ کی جگہ صفات موجود ہونی چاہیئے۔ لوگ کسی ایسے شخص کو جو غیضہ بینے کا اپنی ہو، بیعت لینے پر مجبھ نہیں کر سکتے لیکن اگر اس کے سوا اور کوئی شخص جامع صفات نہ ہو تو پھر اسے اس امر پر مجبور بھی کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح امت پر منصبِ امام واجب بالکفایہ ہے بیعتہ جامع شرائط پر بھی واجب ہے کہ وہ اس وجہ واری کو قبول کرے ورنہ وہ بھی گناہگار ہوگا۔

ایک وقت میں در حلیفہ نہیں ہو سکتے۔ یہ عقیدہ بنو ساعدہ کا اعتقاد ہے "منا امیر و منکم امیر" کہ اگر کمرہ ماجریں اور انصار میں سے ایک ایک غلیظ متوکلے کی تجویز پیش کی تھی، لیکن شیعی کہیں نے اس تجویز کو نوازدہ کر دیا ہے

۱۔ فضل اللہ بن روزبھان سلوک الملوک ص ۴۴

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

۴۔ ابن خلدون، مقدمہ، مطبوعہ بیروت ۱۸۸۶ء ص ۶۹

کمالات کی ضرورت ہے مثلاً تدبیر، شجاعت، شہادت، قیادت کی صلاحیت یہ سب قریش میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ اوصاف قریش کے علاوہ کسی خاندان یا قبیلہ کے شخص میں پائے ہی نہیں جاتے۔ ہر حال عارامت وہ اوصاف و کمالات ہونے جو قریش کا غلزلے امتیاز تھے ذکر خود قریشی انساب ہونا ہے

انفکاد خلافت

اصول کلام کی کتابوں میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ اگر کسی شخص میں یہ تمام شرائط موجود ہوں تو وہ خود بخود غلیظ نہیں بن جاتے گا تا اگر اس کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت نہ ہوئے جب کسی امامت کے کئی حقدار ہوں تو جو شخص زیادہ علم و فضل والا اور سب سے زیادہ صفات کا حامل ہوگا اسی کے ہاتھ پر بیعت کی جائیگی کہ اگر لوگ کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لیں اور اس کے بعد اس سے بستر شخص مل جائے تو اس سے پہلے شخص کی بیعت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کہ

اگر کبھی ایسا ہو کہ خلافت کے دو امیدوار موجود ہوں اور دونوں جامع صفات ہوں تو پھر موقع عمل کا خیال رکھتے ہوئے ان میں سے

۱۔ سید الکبریا کی، صدیق اکبر، مطبوعہ دہلی ۱۹۶۱ء ص ۱۰۰ تا ۱۰۱

۲۔ فضل اللہ بن روزبھان، سلوک الملوک، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۶۹ء ص ۴۳

۳۔ المادری، احکام السلطانیہ، مطبوعہ قاہرہ ۱۸۸۱ء ص ۶۹

۴۔ ابولیلی، احکام السلطانیہ، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۹ء ص ۲۳

سین پر حرج کشی کر کے عبدالرحمن انصاری کی خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ اس لئے اس صورتحال سے بچنے کے لئے ہمارے فقہانے کہا کہ اگر ایک ہی وقت میں دنیا کے اسلام میں دو خلیفے موجود ہوں اور ان کے درمیان سمندر یا دارا کربھ عامل ہو جو براہ راست تقادم کو روک سکے تو پھر ایک وقت میں دو خلیفے بھی ہو سکتے ہیں۔

خلافت کا مسئلہ جو کہ انقطاع وحی اور حضورؐ کی رحلت کے بعد پیدا ہوا تھا اس لئے نصب امام کے بارے میں قرآن اور حدیث غامض ہیں۔ ابولہیٰ لکھتا ہے کہ انقطاع خلافت کے دو ہی طریقے ہیں، اولیٰ یہ کہ برائے انداز غیظہ اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین مقرر کر دے ثانیاً یہ کہ اہل علم و حدیث کو غیظہ بنا دیں۔

طریق انتخاب

ہمارے سیاسی مفکر و محققین امام کے تین طریقے بتائے ہیں جن کے مطابق خلیفہ راشدین کا تقرر عمل میں آیا تھا ان تینوں طریقوں میں سے موقع محل و دیگرہ کر جس طریقے پر بھی عمل کر لیا جائے وہی طریقہ صحیح اور شریعت کے عین مطابق ہوگا۔

پہلی مثال حضرت ابو بکر صدیق کے انتخاب کی ہے اہل انتخاب مجھے عام میں ہوا تھا اور ان کی خلافت پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اس

اگر کسی دو شخصوں کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے تو جس کے ہاتھ پر پہلے بیعت ہوگی وہی خلافت کا حقدار ہوگا۔ جس کے ہاتھ پر بعد میں بیعت ہوئی اسے اس فرمان رسالت اذا بولع لخلیفین فاقبلوا یاخوئہما کے مطابق قتل کر دیا جائے یہ فقہانے اس حدیث کے مطابق اس کے قتل کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ اس کے دعویٰ خلافت سے ملک میں فتنہ و فساد پیا ہو سکتا ہے جس میں ہزاروں انسان مقررہ اجل بن سکتے ہیں۔ ابولہیٰ لکھتے ہیں کہ اگر ایک ہی وقت میں دو فرائض کی بیعت ہو یا یہ پتہ نہ چل سکے کہ پہلے کی بیعت ہوئی ہے تو اس صورت میں قرآن و حدیث کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کیا جاسکتا ہے۔

فقہ کرام نے اس بات کی بھی مراحت کر دی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ایک وقت میں دو بلکہ کئی کئی پیغمبر ہوتے ہیں تو پھر ایک وقت میں دو خلیفے کیوں نہیں ہو سکتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پیغمبر معصوم ہوتے ہیں اور ان کی انسانی خواہشات اور ذاتی افراس نہیں ہوتیں اس لئے ان میں رقابت کا مادہ نہیں ہوتا جو کسی جھگڑے کا باعث بن سکے۔

جب عباسیوں کے دور حکومت میں سین میں عبدالرحمن انصاری نے غیظہ ہونے کا اعلان کیا تو ہمارے فقہ اور سیاسی مفکر ایک نئی صورت حال سے دوچار ہوئے عباسی غیظہ میں اتنی قوت کہاں تھی کہ وہ

۱۔ فضل شہدین روز بھان، سوسلہ لکھک ص ۴۲

۲۔ ابولہیٰ، اعلام السلطانیہ ص ۲۳

۱۔ غیظہ تہذیبی، مشکوٰۃ المصابیح، مطبعہ دمشق ۱۹۶۱ء ج ۲ ص ۳۱۹

۲۔ ابولہیٰ، اعلام السلطانیہ ص ۲۵

طریقے کو موجود اصطلاح میں عام انتخابات (General Election) کہہ سکتے ہیں۔

دوسری مثال حضرت عمرؓ کے تقرر کی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی وفات سے قبل اکابر صحابہ سے مشورہ کر کے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ اس لئے اگر حالات عام انتخابات کی اجازت نہ دیں تو نامزدگی بھی ہو سکتی ہے۔ امام مادودی نے نامزدگی کے اصول کو بھی منصب امام کا صحیح طریقہ تسلیم کیا ہے۔ امام موصوف فرماتے ہیں کہ جس طرح شارع عید السلام نے جنگ موتہ کے موقع پر زید بن حارثہؓ کو جانشین بن دیا اور جعفر بن ابی طالبؓ کو بالترتیب ایک دوسرے کا جانشین مقرر فرمایا تھا۔ بعینہ ایک نام بھی اپنے بعد ایک چھڑ بالترتیب دیں جانشین نامزد کر سکتا ہے۔ دوسری اور عباسی دور میں اسی طریقہ پر عمل ہوتا رہا ہے۔

فضل اللہ دین روزجہاںؒ نے المادودی کے استقلال کو تسلیم کرتے ہوئے اس میں صرف اس قدر اضافہ کیا ہے کہ اگر کسی شخص میں چار شرائط امامت موجود ہوں اور سرنے والا غلیظ اسے اپنا جانشین نامزد کر دے تو جائز ہے لیکن بغیر شرائط کے جائز نہیں ہے۔

ہمارے سامنے تیسری مثال حضرت عثمان غنیؓ کے تقرر کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل حضرت عبدالرحمنؓ کی طرف حضرت

عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پر مشتمل ایک کمیٹی بنادی اور اپنے جانشین کا معاملہ ان پر چھڑ دیا۔ انہوں نے کافی سوچ بچار اور باہمی صلاح مشورے سے کتاب اسفند اور شہینہ کریمینؓ کی پیردہ کی شرط پر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اسے موجودہ اصطلاح میں انتخابی ادارہ (Electoral College) کہتے ہیں۔ اس صورت میں ووٹ کا حق ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا، صرف چند افراد کو ہر تہا ہے ان افراد کو سیاسی مفکرانِ محلِ عقدہ کہتے ہیں، موجودہ دور میں کابینہ کے وزراء یا قومی اسمبلی کے ارکان کو اہل حل و عقد کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔

ان تین میں سے کسی ایک طریقے کے مطابق غلیظ کا تقرر عمل میں آسکتا ہے۔ وقت گزرنے کے بعد جب صوبائی گورنروں نے نیم خود مختار حکومتیں قائم کر لیں اور وہ اپنی فوجی قوت کے بل بوتے پر سنا اقتدار پر قابض ہو گئے تو فقہاء اور سیاسی مفکرین ایک نئی صورت حال سے دوچار ہوئے۔ ان حالات میں انہوں نے یہ کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی قوت کے بل پر اقتدار پر قابض ہو جائے اور عوام میں اسے اقتدار سے الگ کرنے کی ہمت نہ ہو تو پھر اس کی حکومت بھی جائز ہوگی۔ لیکن ایسی حرکت کا مرتکب گناہ گار ہوگا۔ پاکستان کی سہم پر کم کٹھ نے ضرورت کے نظریے کے تحت اس طریقہ پر

۱۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ بیروت ۱۸۹۸ ج ۳ ص ۵۵

۲۔ فضل اللہ دین روزجہاں، سلوک الملوک، ص ۴۷

۱۔ المادودی، احکام السلطانہ، مطبوعہ قاہرہ ۱۸۸۱ ص ۱۲

۲۔ فضل اللہ دین روزجہاں، سلوک الملوک، ص ۴۷

مراستہ دارانے دلے شخص کی حکومت کو قانونی حکومت تسلیم کیا ہے جب کسی شخص کے ہاتھ پر سمیت ہو جائے تو پھر کسی ایسے شخص کو جس نے اس کے تقرر کی مخالفت کی ہو اپنی دلے پر اٹھے ہستے کی اجازت نہیں۔ جب کوئی شخص امام مقرر ہو جائے تو پھر سب پر اس کی اطاعت اور نصرت واجب ہوگی۔

خلیفہ کے فرائض

جب کوئی شخص غیظ مقرر ہو جائے تو اس کے لئے مندرجہ ذیل دس امور کی انجام دہی فرض ہو جائیگی:

- ۱۔ حفاظتِ دین
۲۔ پیغمبرِ اکرامِ شریفیت
۳۔ حفاظتِ ملک
۴۔ اقامتِ حدود
۵۔ حفاظتِ سرحدات
۶۔ جہاد کی تیاری
۷۔ وصولیِ رزقہ و دوسرے
مستحقین کی ہیئت المال۔
۸۔ واپس آنا رسول کا تقرر
۹۔ تمام امورِ حکومت کی فرا

قرآن مجید میں اس بات کی مراحت موجود ہے کہ قیام خلافت کا مقصد ہی قیام صلہ ہے ارشاد باری ہے:-

يُثَارِدُ اَنَا جَعَلَنَاهُ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ

اس لئے صل و انصاف قائم کرنا غیظ کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ امامِ مقتدیہؒ ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس میں رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے کہ امامِ عادل کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے کہ شریعت کی حمایت اور اسلامی شاخوں کی حفاظت غیظ کے فرائض میں شامل ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نیک بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جب انہیں حکومت ملتی ہے تو وہ فاجر قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ وصول کرتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کاربند ہوتے ہیں، انشاء ہاں ہے۔

الَّذِينَ اَنْ مَكَثُهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَاتَوَاتُوا الزَّكَاةَ وَامْرُوا بِمَا مَعْرُوفٌ وَنَهَوْا عَنِ
الْمُنْكَرِ

احکام شریعت کا نفاذ اور اقامتِ حدود بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ حدود بیت المال کا امین ہوتا ہے اس لئے اسے سوچنا بھی کرنا

۱۔ قرآن مجید سورۃ میں آیت ۲۹

۴۔ رشید احمد، مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۱۷۲

۳۔ قرآن مجید سورۃ الحج آیت ۴۱

بیت المال کی رقم خرچ کرنی چاہیے اس کے لئے خداوند کفایت فرماتا
فرمودی ہے: "اسے عمر فاروق" کا یہ قول ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہیے۔
الدوا فی منزلت نفسی من المال بمنزلة ولی

الیتیم

یعنی جہاں تک بیت المال کا تعلق ہے میرا معاملہ اس کے ساتھ حقیم
کے والی جیل ہے۔

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ حکومت ایک امانت ہے اس کے لئے
خلیفہ کو بڑی دباونداری سے اسے چلانا چاہیے۔ امام صاحب مستدرک
کے حوالے سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں اگر وہ باصلاحیت لوگوں کو
چھوڑ کر نااہل لوگوں کو عدسے عطا کرتا ہے تو وہ خدا رسول اور مسلمانوں
سے خیانت کرتا ہے۔

ہمارے سیاسی مفکرین نے خلیفہ کو اپنے مشیروں سے مشورہ کرنے
کا پابند کیا ہے اس ضمن میں نظام الملک طوسی لکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے
شاہد کائنات اللہ کے تحت اپنے رسول کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کا پابند کیا
ہے حالانکہ پیغمبر سے زیادہ قوی کوئی نہیں ہو سکتا تو خدائے تعالیٰ اور بادشاہوں
کے لئے اہم امور میں مشورہ کرنا بے حرف و روی ہے۔

اورنگ زیب کی تخت نشینی میں علماء و مشائخ کا کردار

شاہ جہاں کی تخت نشینی کے لئے اس کے بیٹوں میں جنگ ناگزیر تھی
اس لئے وہ حصولِ تخت کے لئے دہلاؤ، غرام کی حمایت حاصل کرنے میں
میں کوشاں تھے۔ تخت نشینی کے لئے جنگ اورنگ زیب اور درویش کوہ کے
درمیان مذمتی بلکہ اصل محرکہ راسخ العقیدہ اور آغا دخیال مسلمانوں، شریعت
اور آغا اقصاف، و جماعت الشہود اور وحدت الوجود، پابند شریعت و عقیدہ
اور حضرت مجدد الف ثانی اور ہر سوسے رام کے نظریات کے درمیان تھا۔ اگر
اورنگ زیب اصل الذکر و رسول کا فائدہ تھا تو درویش کوہ و منوچتر اور دیگر رسولوں
کا عقیدہ اور تھا۔ سامرا گڑھ کی جنگ حصولِ تخت کے لئے نہیں بلکہ ہندوستان
کے آئندہ شاہنشاہ کی مذہبی حکومت عملی کا فیصلہ کرنے کے لئے لڑی گئی
تھی۔

اورنگ زیب کے سوانح نگار عبد الرحیم فاروقی کے خیال میں ہند
اکبر جیسا واضح و حتم پر دیکھنا چاہتے تھے اور سلمان اس کرشمہ میں
تھے کہ وہ کسی مذہبی طرح ایسے حالات سے دوچار ہونے سے بچ جائیں۔

سلطہ فاروقی، جمہوریہ، اورنگ زیب، ہندوستان، ۱۹۸۱ء، ص ۲۸

۱۔ فضل الشہین مذہبہا، سلوک الملوک ص ۴۲

۲۔ ابن قییمہ دینوری حیدری الاغیار مطبوعہ ۱۹۲۸ء ص ۲۵۴

۳۔ رشید احمد مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۱۶۰

۴۔ نظام الملک طوسی سیاست نامہ، مطبوعہ ۱۸۹۱ء ص ۸۵

موجود تھیں جو دسیخ الاعتقادی کے غیر خاموشی کو اس کے گرد جمع کرنے کے لئے
 مزدوری جو کتنی تھیں شاہجہان کے وزیر اعظم نواب سعد اللہ خان نے بھی
 اورنگ زیب کی حمایت پر کمر باندھی اور متعدد بار اس نے کھمبے دربار میں
 اورنگ زیب کی حمایت کی اور اس درجے سے اس نے دارالشکوہ کی ناراضگی
 مولیٰ۔ جب نواب صرف سے چاہک لٹا دیا کی تو بعض لوگوں نے
 دارالشکوہ پر زہر فرمایا کہ اورنگ زیب شاہجہان کے راسخ العقیدہ درباری
 اور اس نے بھی دارالشکوہ کے مخالفین اورنگ زیب کی حمایت کی ہے۔

اورنگ زیب بھرت نامہ یا بی محمد الفت ثانی کے صاحبزادے خواجه
 محمد معصوم سر ملہی کا بیٹا مسند تھا۔ ان کے علاوہ وہ ان کے بھائیوں اور
 بیٹوں کا بھی بڑا لحاظ کرتا تھا۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی کے فوراً بعد خواجه
 محمد معصوم لیوان کے بڑا بزرگ حضرت محمد سعید شاہی دربار میں بدایا بیٹے
 اورنگ زیب نے اس وقت پرچین سو لاکھ کی بھری پیش کی تھی اس کے بعد بھی
 اورنگ زیب نے متعدد دفعوں پر خواجه احمدیت کو اپنے دربار میں بلایا اور
 بہار ان سے بڑی عقیدت رکھنے کے ساتھ پیش آیا۔ ان کے صاحبزادوں کی بھی
 تہذیبی تعلیم تھی۔ تعلیم پاک و ہند کی بہت سی چیزیں بطور کمال تھیں۔

۶

۱۰۔ حضرت علی گڑھ کے قریب ایک گاؤں میں مسٹر مینٹن نے ۱۸۵۷ء میں ۵۹

۱۱۔ حضرت علی گڑھ کے قریب ایک گاؤں میں مسٹر مینٹن نے ۱۸۵۷ء میں ۶۲

۱۲۔ اہل بیت آداب داری کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا جس کی ابتدا ۱۸۷۷ء میں ہوئی

۱۳۔ محمد علی علی گڑھ کے قریب ایک گاؤں میں مسٹر مینٹن نے ۱۸۵۷ء میں ۶۳

۱۴۔ حضرت علی گڑھ کے قریب ایک گاؤں میں مسٹر مینٹن نے ۱۸۵۷ء میں ۶۴

اس نے نظری غور پر بند و دل سے دلہا شکوہ کی حمایت کی اور راسخ العقیدہ
 مسلمانوں نے اورنگ زیب کا ساتھ دیا، کیونکہ وہ راسخ العقیدہ اور
 پابند شریعت مسلمان تھا۔ مشہور مستشرقین میں یول رتھورڈ ہے کہ اسلام
 کی خدمت کے لئے اورنگ زیب بڑا مستعد اور کفایت گیر نظر آتا ہے۔ اس کی
 بڑی مہنت اور جدت کے ساتھ اگر ایک طرف اور دارالشکوہ کے صورت
 اور جوئی نظر اس کے خلاف رہیں ضرور کیا تو دوسری طرف جہانگیر کی
 "ناؤ لوسٹ" اور شاہجہان کی "عیش کرشن" پالیس کے خلاف جنگ شروع
 جب دارالشکوہ کے گھروں کی خبریں اس کے کان تک پہنچیں تو
 قدرتی طور پر اس کا نامہ اورنگ زیب کو پہنچا۔ ڈاکٹر مشعل جلی قریبی
 لکھتے ہیں کہ دارالشکوہ میں ایسے آثار نظر آتے تھے کہ وہ بیحد کدوسا
 اور ثابت ہوگا۔ اسے دینی عہد سلطنت سمجھا جاتا تھا اور اس پر
 سلطنت میں اسے اتنا داخل تھا کہ راسخ العقیدہ گروہ کی کوششیں
 اکثر اس کی وجہ سے کاہنہ مروجہ تھیں۔ اس لئے وہ لوگ جو راسخ
 الاعتقادی کے مخالف تھے اپنے آپ کو مغربی محسوس کر سکتے تھے
 اور یہ امید بھی کر سکتے تھے کہ آئندہ کسی زمانے میں حکومت پر ان کا اقتدار
 قائم ہو جائے گا۔ راسخ الاعتقاد طبقے کی امیدیں اورنگ زیب پر مرکوز
 تھیں جو اپنے عقائد و اعمال میں نہایت راسخ الاعتقاد تھا بلکہ زائد
 متقی بھی تھا۔ اس کی پادشاهی اور اس کے کردار میں وہ تمام خیریاں

۱۵۔ علی گڑھ کے قریب ایک گاؤں میں مسٹر مینٹن نے ۱۸۵۷ء میں ۶۵

۱۶۔ علی گڑھ کے قریب ایک گاؤں میں مسٹر مینٹن نے ۱۸۵۷ء میں ۶۶

مراتب عطا فرمائے ہیں۔ اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کو
فتاویٰ کا مقام حاصل ہونے کا سزا، جو ولایت میں ایک اعلیٰ مقام سمجھا
جاتا ہے۔

اردنگ زیب نے اپنے بارہویں سال مجلس میں اپنے بیٹے
محمد اعظم کی شادی کی تو اس تقریب میں جو علماء و مشائخ موجود تھے ان میں
حضرت سیف الدین کا نام نامی بھی شامل ہے۔ اردنگ زیب کے
دل میں حضرت سیف الدین کے بہادر بزرگ اور خواجہ محمد مصدق کے عاشقین
خواجہ محمد نقشبند کی بڑی عزت تھی۔ سلسلہ احمد میں آپ بادشاہ کے ساتھ وجود
تھے۔ خواجہ محمد نقشبند کے مکتوبات و وسیلۃ القبول الی اللہ و القبول
کے نام سے پرنسپل ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی سعی و کوشش سے دو جلدوں
میں سلسلہ میں حیدر آباد سے شائع ہو چکے ہیں۔ اس مجموعہ میں خواجہ محمد
کے کئی خطوط بادشاہ کے نام موجود ہیں جن سے ان کے باہمی تعلقات پر
کافی روشنی پڑتی ہے۔ سلسلہ میں اردنگ زیب کے حکم سے خواجہ
مصطفیٰ کے صاحبزادے محمد عسکری شادی اور حسن ناما شاہ کی بیٹی کیساتھ
ہوئی۔ اگر فرصۃ التقویہ کی روایت پر اٹھا دیا جائے تو صحیح رہنا
پڑے گا کہ خواجہ محمد مصدق کے صاحبزادے حضرت محمد اشرف اور بیٹے

سلسلہ مکتوبات خواجہ محمد مصدق، دائرہ تحریر مطبوعہ مکتبہ نقشبندیہ، مکتوب ۲۲۰،

ص ۲۸۰ - ۲۸۱ سلسلہ مکتوبات مستفان، ناشر انگلیزی، ۷۸ -

سلسلہ لیثا، ص ۷۶

سلسلہ لیثا، ص ۳۱۲

شیخ سعد الدین اور اردنگ زیب کے زمانہ شہزادگی میں اس کے ساتھ
دکن میں مقیم تھے۔ اور جب اردنگ زیب دارا شکوہ کے مقابلہ پر نکلا
تو شیخ محمد اشرف اس کی فوج میں موجود تھے۔

حضرت سیف الدین نے بادشاہ کے ساتھ رو کر توبہ و شریعت
اور اچائے سنت کے لئے حکام کیا۔ مصروف کے خطوط کا مجموعہ مکتوبات
سجفیہ کے نام سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی محنت اور کوشش سے
حیدر آباد سے طبع ہو چکا ہے۔ اس مجموعہ میں بادشاہ کے نام حضرت
سیف الدین کے دروجہ کے قریب مکتوبات موجود ہیں جن میں بادشاہ
کی توجہ رفیع حضرت اور اچائے سنت کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔
مصروف کی اپنی خدمات کی بنا پر نقشبندی مکتول میں آپ کو بھی السنت
کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ میری باتوں سے میں یہ غامضانہ مکتوب
یہ محتاج میں نے اردنگ زیب کو بھی اللہ العالیٰ بنایا۔

جب کہ کسی جانتے میں حضرت مجدد الف ثانی کے بعد ان کے
تیسرے صاحبزادے خواجہ محمد مصدق ان کے جانشین ہوئے۔ آپ اپنی
علیت، تقویٰ اور پیر گاری کی وجہ سے عوام میں بے حد مقبول تھے۔
اپنے والد کی طرح آپ بھی عمر عمر و توبہ و شریعت اور اچائے سنت کے

سلسلہ کمال الدین بن محمد حسن، دوست القدر، دکن دوم، مطبوعہ لاہور ۱۳۳۳ھ، ص ۱۰۶

سلسلہ لیثا، ڈاکٹر محمد بہار، مطبوعہ دہلی ۱۳۳۲ھ، ص ۳۲۲

لاہوری غلام مصروف، خزینۃ الاسنیاء، جلد اول، ص ۶۲۶

لاہور، سیاح نامہ، برکاتہ اولیا، مطبوعہ دہلی ۱۳۳۳ھ، ص ۱۰۶

اس موضوع پر کئی مکتبوں میں کامی تھیں۔ ائمہ داراشکوہ بادشاہ ہوجاتا تو اس میں اور اگر کسی خاص فرقہ میں جوتا کہ انگریز کا داغ نور سنی تعلیم کے اندر بیجے جوتیت یافتہ نہیں تھا اور داراشکوہ ایک اہل فتن و فانی فاضل تھا اس طرح دماغ الا فتاویٰ کے قدامت کو اور زیادہ نقصان پہنچا سکتا تھا۔ ہمارے خیال میں اس مکتب پر راسخ الا عقائد و سہان داراشکوہ کے اخروہ سورج کو ختم کرنا بیخلاف نہیں سمجھئے گئے، انہی ایام میں خواجہ محمد معصومؒ اپنے ایک مریض حسن علیؒ کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں کہ ہمارے عزیز آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ان دنوں بدعات عام ہوئی جا رہی ہیں اور بدعت پس پیت، فانی جہانزی ہے۔ اس تا ایک زمانے میں فردی اور اہم ترین نام، علوم شریعت کی تحصیل اور ان کی نشر و اشاعت ہے۔ اسی طرح تدریس و شریعت اور احیائے سنت نبویؐ کی بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس لئے آپ کو جو بیٹے کتاب علوم شریعت کی اشاعت اور احیائے سنت کے لئے بوجہ چیز اور کوشش کریں، اسی طرح اپنے ایک مکتوب میں آپ مولانا جلال الدین کو نصیحت فرماتے ہیں کہ وہ پوری تہذیب سے تدریس شریعت اور احیائے سنت کے لئے کام کریں۔
ان اشائی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خواجہ محمد معصومؒ قرونِ شریعت اور احیائے سنت کے لئے کس قدر کوشاں رہتے تھے۔

گو شال بہتہ، آپ کی اپنے مریدوں کو ہمیشہ ہی نصیحت ہوا کرتی تھی کہ وہ سنی اور سید مرید کا مناسبت علی اللہ میر دستم کے نقش قدم پر چلیں۔ اپنے ایک مکتوب میں آپ اپنے ایک مخلص مرید مولانا محمد نصیحت کے نام تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مکتوب کے لئے یہ ممکن نہیں کہ حضور علی اللہ میر دستم کی پیروی کے بغیر اپنے مقصد تک پہنچیں۔ اسی طرح آپ اپنے ایک دوسرے مرید محمد صدیقؒ کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص حضور علی اللہ میر کی ایک مرہ سنت کو نہ دیکھ کر تاتے اُسے قیامت کے دن سرخسید کی قراب دیا جائے گا۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ طریح خواجہ محمد معصومؒ نے بھی اپنے مکتوبات میں ترویج شریعت اور احیائے سنت پر بہت زور دیا ہے۔

جب داراشکوہ نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے اپنی دلچسپی ظاہر کی اور ان کے ترمیم اور نشر و اشاعت میں سرگرمی دکھانے کے علاوہ اس نے ہندوؤں کے کئی عقائد بھی اپنائے تو مذہبی طبقوں میں اس کے خلاف رد و عمل پیدا ہوا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشیؒ فرماتے ہیں کہ داراشکوہ کے تحت نشین ہونے کی صورت میں رائج الاعتقاد گروہ کے لئے بدعت، خطرناک پیش تھے، کیونکہ اگر کے آخری زمانے کے بعد سے اس گروہ کو جو کہ کامیابی حاصل ہوئی تھی وہ سب بلیا سمیت ہوجاتی داراشکوہ ہندو اور اسلام کے باطل ایک ہونے پر کچا عقیدہ رکھتا تھا اور اس سے

مکتبہ خیر العباد، دہلی، مکتبہ اسلامیہ، معصومہ کوچی، مشکوٰۃ، ص ۲۰۵

مشکوٰۃ، مکتبہ خیر العباد، معصومہ کوچی، مشکوٰۃ، مکتبہ خیر العباد، ص ۲۰۵

مشکوٰۃ، مکتبہ خیر العباد، ص ۱۰۰

مشکوٰۃ، مکتبہ خیر العباد، معصومہ کوچی، مشکوٰۃ، مکتبہ خیر العباد، ص ۲۰۵

مشکوٰۃ، مکتبہ خیر العباد، معصومہ کوچی، مشکوٰۃ، مکتبہ خیر العباد، ص ۲۰۵

جہانگیریت سے گئے تو وہاں یہ فخر و کلمہ آپ کے دمع مبارک پر
بیعت کی گئی۔ مولانا اب اسے آپ نے محمد صالح بخاری کو خیرہ عذفت
وے کر جو میں شریفین میں سلسلہ عالیہ کی ترویج کے لئے بھیجا تھا۔
خواجه محمد مصدق آریغ آدم جوہری کے مریدوں کی اس تدریقاہ
باعث تعجب نہیں، عربی اتنی کا باقاعدہ زمین میں رکھن کافی ہے کہ حضرت
تجذبات ثانی کی تعلیمات عام ہو سکیں اور ان کا سلسلہ ابدوں اور
بیرون ملک آکاس بل کی طرح پھیل گیا تھا۔ جس میں ہندوستان کا
شاہنشاہ اپنے دار الحکومت میں تخت طائرہ پر بیٹھ کر وسط ایشیا
پر اپنا تسلط قائم رکھنے میں ناکام رہا، ہندو اور ہندو کے بودی نہیں بغیر
وسط ایشیا کے باشندوں کے دلوں پر حکومت کر رہے تھے۔ اس کا
اغلادہ غلام محمد مصدق سرہندی اور شیخ آدم جوہری کے خلفاء کی تدریس
دیکھ کر دنگا یا پاسکے کے جن میں اکثر و بیشتر نام دارالابن عربی کے ہیں۔
ادنیٰ گریب اپنے عنوان میں شباب ہی میں حضرت محمد الف ثانی
کی تعلیمات سے متاثر ہو چکا تھا اور اس سے ان کے جانشین خواجہ
محمد مصدق کے ساتھ تعلقات قائم کر لئے تھے۔ زمانہ سبزواری کی اس
کی خط و کتابت اکثر خواجہ صاحب سے رہی تھی۔ خواجہ صاحب کے
مکتوبات میں ایسے دیکھتے ہیں جو شاہزادہ دین پاد کے نام
کہے گئے تھے جب خواجہ صاحب حج بیت اللہ کے ارادے سے مکہ

منہی تلام سرور احمدی کے تبار کے مطابق آپ کے مدت ہجرت کے
تقریباً ۱۸ سالہ لڑکھ کے قریب مرید حضرت غنیہؑ نے علی دین
میں پہلے جوئے کے چہرے اپنے دائرہ اہل میں اپنے پیروں کے
سینے کی بجائے دل و جان سے گے رہتے تھے۔ فاجہ کو انکم دین
مری کی حدایت کے مطابق عالمی پانچویں میں بھی آپ کے خدام
تھے۔ امام ابوالحسنؑ کی حدایت کے مطابق مسکولوں کی تعداد
خانی اور اراء آپ کے خدام اور مدت میں شامل تھے جو کہ آپ کے
لئے رہتے تھے۔ علاوہ ان کے علاوہ ایک جم غفیر برائے اوقات آپ کی
خدمت میں حاضر رہتا تھا۔

معتبر روایت کے مطابق خواجه محمد مسعود کے نواسہ لاکھ کے قریب رہتے تھے جن میں سے سات ہزار کو خورق فقوت عطا ہوا تھا۔ شیخ نے خود قیام رستہ لکھا کہ جب جہانگیر میں ملک کے مولیٰ دربار میں آپ کے بے شمار مرید پھیلے ہوئے تھے، شیعہ مغلیہ حکومت کے رائج اختیار سے باہر بھی آپ کے مریدوں کی کافی بڑی تعداد رہا کرتی تھی۔ جب آپ حج بیت اللہ کے لئے

مع خزينة الوصفاء عهد اقل، ص ٩٣٠

تاریخ کشمیر المظہر: جلد دوم، صفحہ ۱۴۲

تمت بحمد الله تعالى
في شهر ربيع الأول سنة ١٤٢٠ هـ

مسئلہ ۱۲: اگر ایک مندرجہ ذیل شخص مسلمان ہو تو کیا وہ

سید الشہداء، مراکت العالم، بیق ۱۳۱۶ھ۔

۶۴۰ منقح مقام سرور۔ خزینۃ العصفیاء، جلد اول، ص ۶۴۰

۳۰ کتابخانه عمومی دارالحدیث، اردو، طبعہ کعبہ، ۱۴۹۰ھ، اکتوبر ۱۹۶۹ء، ص ۲۴۶۔

۱۱۳

میں اورنگ زیب کی حمایت کی گئی۔ تصور کے انفالوں نے شیخ آدم بنوری کے خلیفہ شیخ بنیانی کی خدمت میں اس دعا کی کہ وہ اورنگ زیب کی کامیابی کے لئے دعا فرمائیں۔ ان اشغال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس جنگ میں لشکرِ بول کا عام رجمان اورنگ زیب کی طرف تھا۔

شیخ شہاب الدین عمر بزدلی کے اخلاص میں سے شیخ الاسلام خواجہ عابد علی کا شمار دارالامیر کے حیدر عالم میں ہوتا ہے اورنگ زیب کی حمایت میں داراشکوہ کے خلاف لڑے۔ داراشکوہ کی شکست کے فوراً بعد اورنگ زیب نے انہیں بہمنی زلی ذات اور پانچ سو روپے کا منصب اور "خان" کا خطاب عطا کیا۔ جب دوبارہ داراشکوہ اور راجہ جرنٹ سنگھ اورنگ زیب کے مقابلہ کرنے لگے اس جنگ میں بھی خواجہ عابد نے اپنی بہادری کے چہرہ دکھائے۔ اورنگ زیب نے اس بار اس پر "آودے" کے چہار ہزاری ذات درجہ صفت مدد سوار کا منصب عطا کیا۔ چوتھے سال بدلتیس میں اورنگ زیب نے انہیں صوبہ کے عہدہ پر فائز کیا۔ اس کے دو سال بعد آپ "جمیر" کے گورنر بنے اور چند سال بعد آپ کا علاقہ تیار اور سو گیا۔ چوبیسویں سال بدلتیس میں اورنگ زیب نے روضی خان کی مدد خواجہ عابد کو صدر کل ہندوستان بنایا۔

کی توجہ کا بھی مرکز رہا اور آپ نے اپنے متعدد لغات و عوام کی خدمت کے لئے بہمنیہ بنائے۔ ان خلفاء میں سے ابو الغفر صوفی نے بڑا نام بنایا۔ سید اسماعیل کے قریب کے صاحب صوفی صاحب بہمنیہ کے عوام میں بہت مقبول ہوئے اور بہمنیہ شاہ رگت آپ کے خلیفہ اور موت میں داخل ہوئے۔ نقشہ بدلتیس کے علاوہ دیگر سالوں کے جوڑنا بہمنیہ میں ہمیشہ پیش پزیر تھے انہوں نے اورنگ زیب کی حمایت کا اعلان کیا۔

اورنگ زیب کی تعلیم و تربیت اسی دور کے بہت حقیقہ و روزگار عالم کی مثال میں ہوئی تھی اور صاحب کے سب اپنے عمر و تقویٰ کی بنا پر عوام میں بہت مقبول تھے اور نظری طور پر انہوں نے داراشکوہ جیسے "رئیس الملائکہ" کو مقبول اور ملحد کو سیدہ نعال کے خلاف اورنگ زیب کا ساتھ دیا تھا۔ منوجی لکھتا ہے کہ اورنگ زیب کا ایک استاد منوجی ریکر ذاتی ۱۶۵۹ء میں "جمیر" کے قریب داراشکوہ کے خلاف لڑا۔ ہمارے مزار کا شمار میں کام آیا۔

شیخ آدم بنوری نے اپنی وفات سے کافی عرصہ پہلے اپنے مریدانہ اورنگ زیب کی حمایت کرنے کی نصیحت فرمائی تھی۔ شاہ نعمت اللہ دہلی کے اصناف میں سے نیکل اور فرم نے اپنے ساتھیوں میں جنگ تحت نشانی

۱۱ جمادی الثانی ۱۰۷۱ھ دارالامیر اورنگ زیب کی خدمت میں۔ ۱۰۷۱ھ۔ راجہ

۱۲ جمادی الثانی ۱۰۷۱ھ دارالامیر اورنگ زیب کی خدمت میں۔ ۱۰۷۱ھ۔ راجہ

۱۳ جمادی الثانی ۱۰۷۱ھ دارالامیر اورنگ زیب کی خدمت میں۔ ۱۰۷۱ھ۔ راجہ

۱۴ جمادی الثانی ۱۰۷۱ھ دارالامیر اورنگ زیب کی خدمت میں۔ ۱۰۷۱ھ۔ راجہ

۱۵ جمادی الثانی ۱۰۷۱ھ دارالامیر اورنگ زیب کی خدمت میں۔ ۱۰۷۱ھ۔ راجہ

۱۶ جمادی الثانی ۱۰۷۱ھ دارالامیر اورنگ زیب کی خدمت میں۔ ۱۰۷۱ھ۔ راجہ

۱۷ جمادی الثانی ۱۰۷۱ھ دارالامیر اورنگ زیب کی خدمت میں۔ ۱۰۷۱ھ۔ راجہ

۱۸ جمادی الثانی ۱۰۷۱ھ دارالامیر اورنگ زیب کی خدمت میں۔ ۱۰۷۱ھ۔ راجہ

۱۹ جمادی الثانی ۱۰۷۱ھ دارالامیر اورنگ زیب کی خدمت میں۔ ۱۰۷۱ھ۔ راجہ

حاجت ہذا اسی طرح اس نے اپنا سیاسی مقصد حاصل کیا۔ تاروقی حسب
کے خیال میں اورنگ زیب کی تخت نشینی پر ہندو راجپوتوں میں بڑی مسرت
کا اظہار کیا گیا اور لوگ اسے نجات دہندہ سمجھنے لگے کیونکہ انھیں یہ ہدایت
دیا گیا کہ وہ داراشکوہ کی کامیابی سے انکار کرنا نہ دلیس لوٹ آئے گا۔
تخت نشینی کے بعد بھی اورنگ زیب نے خواجہ محمد عسکری کے ساتھ
اپنے تعاقبات نہ کر سکے۔ اور یہاں تک کہ غزنی امیر میں ان سے مشورہ
دیا کہ ان کا خواجہ صاحب کے بعض مکتوبات سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا
ہے کہ وہ غزنی امیر میں ان کی ہدایت کا منتظر رہنا مضا۔ یہ معلوم ہوتا
ہے کہ خواجہ صاحب بھی اورنگ زیب کی پالیسی سے متفق تھے اور اس کے
نفاذ کو دیکھا کرتے تھے۔ اورنگ زیب نے اپنی دور حکومت میں اکبر اور
داراشکوہ کی جاری کردہ بدعات کو ختم کرنے کی دل رجان سے کوشش
کی اور اسی طرح اس نے حضرت محمد الف ثانی اور خواجہ محمد عسکری کے مشن
کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

شہزادہ افغانی حضرت شیخ طاہر شہی کے لیے شیخ عبدالحامید سے نماز
پڑھوا دی۔ اورنگ زیب کی راہ و رسم بھی، خوب اورنگ زیب برہان پور
سے داراشکوہ کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ شیخ عبدالحامید نے فتوحی
جاری کیا کہ شاہجہان، پیرہی، و رضعہ کی بنا پر کاروبار مسکنت چلائے
سے معذور ہے۔ اس سے اورنگ زیب کی دارالحکومت پر فوج کشی
بڑھا جائے گی۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی کے فوراً بعد اس وقت
اکبر کو فاضل عسکر کے ہمہ گیر ناز کیا گیا۔

اسی طرح برہان پور کے غائب ہائیں کے ساتھ بھی اورنگ
زیب کے بڑے عہدہ ملا سکتے تھے۔ انھوں نے بھی اس ہمہ گیر اورنگ
زیب کی بول و جان سے مدد کی جس کے مد میں اورنگ زیب نے
ختم نشینی جیسے ہی انہیں ایک گاؤں بطور جاگیر اور چار لاکھ دوا ملند
عطا کیے۔

مسلمانوں کے ہندو اور دیو حیت رکھنے والے طبقے دل و
جان کے ساتھ اس جنگ میں اورنگ زیب کا ساتھ دیا کیونکہ وہ حصول
کے لئے، یہ کاٹتا تھا۔ مشہور ہندو مؤرخ بھی لال رائے جہد پری نے لکھا
ہے کہ اورنگ زیب نے مذہبِ ظفر میں ہے۔ "کافرو اور اچھوتوں کو سزا دینا"

۱۱۵۵ھ، ۱۷۴۵ء

۱۱۵۵ھ، ۱۷۴۵ء، دیو حیت کی جنگ کا دیو حیت کے ہندو اور اچھوتوں کے
ملنے کا ذکر ہے، ۱۷۴۵ء

۱۱۵۵ھ، ۱۷۴۵ء، دیو حیت کی جنگ کا دیو حیت کے ہندو اور اچھوتوں کے
ملنے کا ذکر ہے، ۱۷۴۵ء

۱۱۵۵ھ، ۱۷۴۵ء، دیو حیت کی جنگ کا دیو حیت کے ہندو اور اچھوتوں کے
ملنے کا ذکر ہے، ۱۷۴۵ء

۱۱۵۵ھ، ۱۷۴۵ء، دیو حیت کی جنگ کا دیو حیت کے ہندو اور اچھوتوں کے
ملنے کا ذکر ہے، ۱۷۴۵ء

۱۱۵۵ھ، ۱۷۴۵ء، دیو حیت کی جنگ کا دیو حیت کے ہندو اور اچھوتوں کے
ملنے کا ذکر ہے، ۱۷۴۵ء

۱۱۵۵ھ، ۱۷۴۵ء، دیو حیت کی جنگ کا دیو حیت کے ہندو اور اچھوتوں کے
ملنے کا ذکر ہے، ۱۷۴۵ء

اس کے وہاں جنٹ چتر کی عمارت بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔
 ہے کہ مختلف عمارت کے تحت مختلف ممالک میں مخصوص طرز کی عمارت بنانے
 کا رواج ہے۔

اس وقت دنیا میں چینی، مصری، سریری، عثمانی، روسی، پارسی،
 گھک، ہندی، اسوی اور ملطی طرز تعمیر مشہور ہیں۔ چینی طرز تعمیر تاحل چین،
 جاپان، اور قریبی ممالک میں رائج ہے۔ گھک طرز تعمیر ایران میں رائج تھا
 مگر اب وہ بروز ختم ہو گیا ہے۔ ہمارے ہاں کے گرجے اسی طرز تعمیر کے
 نمونے ہیں۔ روسی طرز تعمیر یورپی طرز تعمیر کا جانشین ہے، لاہور کی اسیلی
 کا صدر دروازہ اسی طرز تعمیر کا شاہکار ہے۔ روسی طرز تعمیر کی عکس ترکی میں
 پارسی طرز تعمیر نے کی۔ مسند نبول کی مسجد یا صوفیہ، اب مع تاج بہا میں
 اور جامع سلطان احمد اسی طرز تعمیر کی مظہر ہیں۔ اس طرز تعمیر کی خصوصیت
 بلند بالا مینار اور چبچہ گنبد ہیں۔ لاہور میں جو گرجے ہیں ان کے گرجے جو مسجد
 شہد تعمیر ہو رہی ہے، اس کا گنبد پارسی طرز تعمیر کا شاہکار ہے۔ پارسی
 طرز تعمیر، اسلامی طرز تعمیر میں نئی روح بھری، اور یہی اسلامی طرز تعمیر
 برائی اور ہندی اصطلاح سے ملتی طرز تعمیر میں بدل گیا۔ آج تاج علی جیسی
 عجیب و غریب عمارت ہمارے سامنے منظرِ طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔

عام عمارت اور مقاصد کے متعلق تعمیر کی جاتی ہیں، ایک تو عام
 رہائش یا تجارتی استعمال کے لئے اور دوسری مذہبی نقطہ نظر سے مؤرخ
 اور تشریح میں، مناد، مسجد، مقبرہ اور گرجے آتے ہیں۔ عبادت گاہوں
 کی تعمیر اردن، کادور دانی، توہ ہے جتنا خوبصورت انسان کا وجود ہے، خانہ
 کعبہ، مذہب جو میں تعلیم قریشی عمارت جس کی بنیاد خود حضرت آدم علیہ السلام نے

مسجد قبائے تاج محل تک

دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف قسم کا طرز تعمیر رائج ہے، اس کی وجہ
 یہ ہے کہ اکثر ممالک کی مذہبی اور تاریخی عبادت، آب و ہوا اور جغرافیائی
 محل وقوع ملک دوسرے سے مختلف ہیں، ان چیزوں کا طرز تعمیر بہت بڑا اثر
 پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر یورپی ممالک میں، چوں کہ نہایت کثرت سے
 سورتی ہے، مکانات کی چھتیں ڈھلوان بنائی جاتی ہیں تاکہ مریض گرجے
 ہی چھت پر سے پانی چھل جائے۔ اگر وہاں چھتیں ہمارے ہاں کی چھتوں
 کی طرح ہمارے محلِ تہجد کے برعکس سے بنے گریں گی۔ مذہبی عبادت
 بھی کافی حد تک طرز تعمیر میں مشتمل ہیں، ہم ایک مسجد کو صوفی یا گھک کی طرز تعمیر
 نہیں کر سکتے، علاوہ ازیں مسجد کا بلند رخ ہوتا بھی شرط ہے۔ اسی طرز پر چار
 بھی تو نظر رکھی جاتی ہے کہ وہاں مسلمان چھتیں نہیں تعمیر کر سکتا ہے، مثلاً
 کشمیر میں عمارتِ گنبد کی کی افراط ہے اس لئے وہاں کی عمارتوں میں اس کا
 انداز استعمال ہوتا ہے۔ سرنگ کے شاہی عمارت اور شاہ جہاں کی مسجد
 میں باخودت کی گنبد کی پرکھائی کے دائرہ میں نے پائے جس سے ہیں۔
 شہزاد کے علاقے میں سوائے مرنے کے اور کچھ دستیاب نہیں ہو سکتا ہے

مسجد بآ کی تعمیر کے چند مصلحتیں بھی مسطور ہوئی ہیں اسی اصول پر تعمیر ہوئی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اس کی کافی مدت تک توسیع کروادی تھی۔ ابراہیم رابعی رضی اللہ عنہ نے دمشق میں اپنے لئے ایک مائشان علی تعمیر کروایا تھا۔ اس محل کی دیواریں ہنز رنگ کی تھیں اس لئے اسے قصر المعصیٰ کہتے تھے۔ ہنسی کے آخری، قیام حکومت میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلف حسین نے مکہ کو تہہ بہ جوہر کی، ابن زبیر رضی اللہ عنہ حرم مکہ میں محدود ہو گئے۔ حسین نے مکہ کو تہہ بہ سب باری کی جس کا نام کہہ کر ایک کھانا کو کافی نقصان پہنچا۔ عامرہ غنم ہوا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مرمت کے لئے میں سے ابراہیم کے تعمیر کردہ گلیساں، جیسے آباد کرنے کی خاطر وہ کہہ کر بچا دے کر سے پرستل گیا تھا۔ اسے منقوش تھوڑے عرصہ کی کے مرنے کا یہ ہی خواہش اور عمارت میں بھی کافی رد و بدل کیا۔

عبدالملک کے عہد خلافت میں حجاج بن یوسف نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے تعمیر کردہ حصوں کو سہار کر کے کہہ کر عمارت کو ترمیم کی

نیادیوں پر ان مصلحتیں کروایا۔

وہاں تک کہ نے ہی بیت المقدس میں صلیب کو مشرعب
پر مشن وضع کی اور یس کے اوپر ایک گنبد بنوایا۔ اسی
دستے کے مسلمانوں نے شہر کو اپنا پایہ اس سے پہلے مصر میں سلطان
کے مقام پر حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک مسجد تعمیر
کرنے کی اور یس کے ساتھ ایک مبارک بھی بنوایا۔ اسی دن سے مسجد کے
ملاحہ بیت المقدس کو دیکھنے کا رواج پڑا۔

رنگین تھی، حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے تعمیر ثانی اسی بیت العتیق کی بنیادوں پر کی تھی۔ مہجوری عمارت سب سے پہلے حرکی کے مغربی سمت بنایا کے حاکم موسویوں نے اپنی زندگی میں ہی تعمیر کروائی تھی، اسی کے ہم کی مناسبت سے اگر نئی زبان میں مقبرہ کو موسوی کہتے ہیں۔

قرآن حکیم میں بھی اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان عمارت کا ذکر کرتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں عمارت میں شیشہ بھی استعمال ہونے لگا تھا۔ حضرت سلیمان اور فرعون کے دربار کا حال مشہور ہیں اور شعلہ دی عمارت کو بطور عمارت استعمال ہوئی ہیں۔ ان سبب باقول کے باوجود اسلام کا اپنا کوئی مخصوص طرز تعمیر نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ غرناطہ کا قلعہ الحجاز اشبیلیہ کا دربار مل، قرطبہ کی جامع مسجد، اصفہان کی مسجد شاہ، ملا ہو ہیں علی مراد خان کا مقبرہ، فتح پور سیکری کا بلند دروازہ، مسہرہم میں فیض سوری کا مزار امد، انگوٹہ تاج محل مسلمانوں کے تعمیر کردہ ہیں اور انہیں اسلامی طرز تعمیر کا شاہکار سمجھا جاتا ہے۔

چہاں اسلام میں سب سے اول بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیریت
 کے نواۓہ بعد پڑی قرآن مجید تبار میں ایک سبھی کی بنیاد رکھی جو دلائل میں
 ہی پائی نہیں کہ سب صحیح تھی۔ ان اہل کفر و تقویٰ کو گمراہی کی مدد سے کھڑا
 کر کے ان پر مجبور کر کے جہنم کی جھپٹ ڈال دی گئی۔ فی الحقیقت
 یہی وہ اسلامی طرز تعمیر تھا جس کی بنیاد پر چہاں اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
 نے رکھی تھی۔ خداوند قدوس تو داتا نے کلام پاک میں اسی سبب تبار
 کے متعلق فرمایا ہے۔

اَفَمَنْ اَسْسَ بُيُوتَهُ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ دَهْرٍ وَعِزَّوَانِ ۝

عمر سومہ ددی کی دلاکھ پوار سنی طرز کے مندر نمائے تعمیر ہوئے ۔
 مسلمانوں نے تسلطِ غیر پر قابض ہونے ہی وہاں کے سب سے
 بڑے گرجے ، سینٹ صوفیہ کو خراب اور تھوڑے سے پاک کر کے
 اُسے مسجد میں تبدیل کر دیا۔ ترکی کی دیگر مساجد مثلاً جامع خارج ، جامع
 سلیم ، جامع سنیان ، جامع سلطان احمد ، جامع یازدہ پیر اور جامع الیگ
 اسی طرز پر تعمیر ہوئیں۔ اس طرح مسلمانوں نے ترکی میں بارہ بیس طرز
 تعمیر کو مصو کی سے رد و بدل سے اپنا لیا ۔

جب دقت مسلمانوں نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کی
 بنیاد رکھی تو اس متفقہ ملک اسلامی طرز تعمیر میں وہ تمام عناصر شامل ہو
 چکے تھے جن کا اندازہ کر رہ چکے ہیں ۔ سلطان تغلق الدین ایک نے
 ہندوؤں کی عبادت گاہوں کو خراب کر دیے تھے اور ان کے بجائے ان کے ایک عظیم الشان
 مسجد قوت ، اسلام کی بنیاد رکھی ۔ اس مسجد کی تعمیر میں ۷۷ مسلمان کا پتھر
 استعمال ہوا تھا ، تا حال مسجد کے ستونوں پر پڑی تھی جو اس کے
 نشانات دیکھے جا سکتے ہیں ۔ اس سے یہ دیکھ لیا کہ مسلمانوں نے ان نشانات
 کو ختم کر دیے تھے ورنہ گرایا ہوگا ، ہمارے خیال کے مطابق فتح ہندوستان
 کے بعد جب غیر مسلموں نے کافی بڑی تعداد میں اسلام قبول کیا تو
 انہوں نے خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے مندر اور خود ساختہ ہندو
 قوت ڈالے ۔ سلطان تغلق الدین ایک نے یہی پتھر خانہ عبادت میں لگا
 دیئے ۔ اگر ایک اور مثال مسلمانوں کے مندر گولہ کی بن جائے تو کوئی
 صاحب بھی نہیں ۔ آج بھی ہندو دنیا میں اپنے مخالفین کی عبادت گاہوں کو

تعمیر و تعمیر عبد اللہ نے اپنے عہد خلافت میں مسجد نبوی کی
 تعمیر کا منصوبہ تیار کیا اور اسی سلسلہ میں فیروز دہلی کو خط لکھا کہ تم اپنے
 نبی کریم کی مسجد کے سرے سے تعمیر کرنا چاہتے ہو ، تم کارہنگ اور
 سامانی تعمیر فراہم کر دو تبصرے ، ایک کہ کہ مقتول سولہ ، چالیس گئے
 سامان سینت کاری ، دوسرے شمار کر گئے اور دوسرے ضروری سامان بھیج دیا ۔
 ایک دو سنت کے مطابق ملائیں ستہ ہی چھ سامان منگوا لیا گیا تھا یہ خبر
 کسی زمانہ میں ایران کا پایہ تخت وہ چلا تھا ، اس لئے ایرانی اثرات
 بھی دہلی اور اس کے ساتھ عرب میں آئے اور یہاں عربوں نے
 انہیں ۔ مرفوفہ اسلام ، کرلیہ ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ
 علیہ نے اقل بار مسجد میں خراب بنائی ، اس کے بعد مسجد میں محراب
 بنانا ضروری ہو گیا ۔

ایران میں وامن کے مقام پر عجب مسجد تعمیر ہوئی تو اس کے ساتھ
 جو مینار تعمیر کئے گئے ان میں کچھ (میدیاں) بھی بنائے گئے ۔
 عباسی خلیفہ المعز باللہ ۲۵۵ - ۲۵۶ ہجری کو عمارت بنانے کا بڑا
 شوق تھا ۔ اس نے مدینہ میں جو عمارت بنوائے ، ان کی دیواروں پر
 خوبصورتی کے لئے خوشنما رنگوں میں بے ہمان امشبکی تصویریں اور
 قہر فی منظر بنوائے اس طرح مسلمانوں نے ایک نئی مدت ، پناہی و مندرجہ
 بالا مثالوں سے تاریکیوں کو کس کس کا بختر کا آغاز ہو گیا ہوگا کہ
 ملک کس قدر غیر ملکی اثرات اسلامی میں تعمیر پر اثر انداز ہو چکے تھے جہاں
 مسجد دمشق ایک گرجہ کی بنیادوں پر تعمیر ہوئی ۔ کس طرح میں زیدہ خاندان
 کا مقبرہ ، بصرہ میں ام حسن بنصرہ کی مومنہ اور بغداد میں حضرت شہباز

کو بڑا آتش کر لے یا سدا کرنے سے گریز نہیں کیا جاتا۔

نچ ہندوستان کے جڑسلاٹوں نے ہندوؤں کے طرز تعمیر حضور خدا ان کے متوفیوں کی ساخت اور اونچی کر سہی پر عمارت بنانے کے طریقے کو اپنا لیا۔ اس کی واضح مثال اجمیر میں سلطان غزنوی الدین التمش کی تعمیر کردہ سترائے عالی دکن کا عجیب نما ہے۔ اس مسجد کی عمارت ہندوؤں کے طرز تعمیر سے کافی حد تک متاثر ہے، نیز اس کے نمونوں ہندوؤں کے فن تعمیر کا مظہر ہیں۔ مٹی پر ڈھنڈے جیسے تہوں کے نشانات آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ میں نے آج تک اتنی بلند کر سہی پر مٹی مسجد نہیں دیکھی۔ اس مسجد میں داخلہ جوتے کے لئے نہیں کہیں کے قریب بیڑھیاں چڑھنا ہوتی ہیں۔

تغلب متا کا شمار ان عمارتوں میں ہوتا ہے جو مسلمانوں نے فتح پٹی کے قریب آباد نمبر کی تھیں۔ ان عمارتوں کی تعمیر میں مسلمان عمارتوں سے کہیں زیادہ ہندو عمارتوں نے حوصلہ لیا تھا۔ اس لئے ان عمارتوں میں ہندو انداز رنگ کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اگر تغلب متا کی ابتدائی منزل میں کوئی شخص کتابت کندہ نہ ہونے کو دیکھے دوسرے ہی اثر لیتے کہ یہ متا ہندوؤں کے دور حکومت میں تیار ہوا تھا۔ یہ تغلب متا کا جہنم و انجمن ہی تھا کہ ہندوؤں نے اسے "ماتے پتھور" کی اصطلاح مشہور کروا کر تغلب متا کے متعلق غلطی ہندو مت تک ہی کر دی ہے۔ میں کہہ رہا ہوں کہ پرمیشوری راج کی مال حبیب تک جتنا ہی کے درخش نہیں کریں تھی اس وقت تک نہایت کو چھوٹی ایک نہ تھی۔ جب وہ کافی ضعیف ہو گئی اور سفر کے قابل نہ رہی تو پرمیشوری راج نے یہ لائحہ جنادوی تاکہ وہ اس پر چڑھ کر جتنا ہی کے درخش کر لیا کر دے۔ ہمارے خیال میں تغلب متا کے ہندو انداز تعمیر سے

ہندوؤں کو رعایت گھڑنے کا موقع دیا ہے۔

غزنوی الدین التمش کے بعد حکومت میں چلیز خان کے حملوں کی وجہ سے دارالہند ترکستان، خراسان اور غلہ زم سے عام لوگوں کے ساتھ ہرین کے کارگر بھی لائی گئی تھی۔ ہندوستان چلے گئے ان کے یہاں کہنے سے ہمارے ہاں کے طرز تعمیر پر کافی اثر پڑا۔ ہرنوئی میں علا الدین خلجی کا تعمیر کردہ علائی دروازہ گزشتہ تمام عمارتوں سے بالکل مختلف ہے۔ اس عمارت کو اگر باہر سے دیکھئے تو دروازہ یا نظراتی ہیں، کیسے اندر جا کر دیکھیں تو یہی ایک ہی منزل نظر آتی ہے۔ اس کا گنبد بھی مختلف طرز کا ہے، باہر ہرین فن تعمیر نے اسے اس زمانے کا شاہکار قرار دیا۔

غلیوں کی بساط سلطنت آفرین تو تغلق خاندان حکمران ہونا ہی کا طرز تعمیر منفرد رنگ لئے ہوئے ہے۔ سلطان فیاض الدین تغلق جن دکن و پٹال پور دار و قیام کا گورنر تھا، اس نے یہاں انہیں زکریا رحمت اللہ علیہ کی درگاہ کے قریب ہی اپنے لئے ایک عظیم الشان مقبرہ تعمیر کروا لیا تھا۔ جب وہ بادشاہ ہوا تو اس نے وہ مقبرہ حضرت بہا الدین زکریا رحمت اللہ علیہ کے قریب حوت دکن عالم علیہ الرحمہ کے حوالے کر دیا۔ حضرت دکن عالم فرما لے کہ یہ اسی مقبرے میں موصوف ابھی ہیں۔ اس مقبرے کی مین منظر میں اس درجن دیواروں پر گنبد نما بنا گیا ہے وہ اسلامی دار ہیں۔ یہ تمام کی تمام عمارت انیشو سے بنائی گئی ہے اور اس میں زیبائش کے لئے کہیں کہیں نقش و نقش بھی لگا دی ہوئی ہیں۔ دیواروں کو سہارا دینے کے لئے بنائے مضبوط ستون بنائے گئے ہیں۔ اس عمارت کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ گنبد کی تعمیر میں انیشو کے دو سیالیاں لگائی

کے مشیر بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ بابر بن خن کا یہ کہنا ہے کہ زلزلہ کی صورت میں یہ خیمہ گر گند کر سنبھال لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ گندہ گزشتہ ساٹھ سے چھ سو سال میں ہر طرح کے حادثوں سے محفوظ رہا ہے۔ اس عمارت کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ محضہ صنعت کی طرح یہ عمارت بھی شستہ نہیں ہوتی ہے۔ یہ چوتھوں کے فن تعمیر کی نمایاں خصوصیت ہے۔
 دہلی میں بھی انھوں نے جتنی عمارتیں بنوائی ہیں ان کی تعمیر کے وقت اس کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ عمارت کا زیادہ تر قسمتیں جو۔

تعلق خاندان کا تھا، میر جہاں سے کیا اور ہندوستان میں اس کی طرف سے سادات مگرانی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ امیر جہاں نے مقبروں کی تعمیر میں ایک ہی حقیقت نگاہی۔ جب اس کی ملک دہلی کی خاتم کا انتقال ہوا تو امیر صرف اسے اس کی قبر ایک تہ خانہ میں بنوائی اور اس کے اوپر عیشیان مقبرہ تعمیر کیا۔ امیر جہاں کے عہد سے مغربی میں اصلی قبرستان میں بنائے کا رواج پڑا۔ بہاولی، اکبر، چنگیز، نور جہاں اور شاہ جہاں کے مقبروں کی تعمیر کے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔

خاندان سادات کے بعد ہندوستان کی حکومت اور حیدر کرلی سکندر لودھی نے اگرہ کی بنیاد رکھی اور وہاں متعدد عمارتیں بنوائیں۔ لودھیوں کے گندہ عظیم وضع کے تھے اس زمانے میں مربع عمارت پر بالکل گولی گندہ بنائے کا رواج ہوا۔ لاہور میں لکھا چوچ کی حدود میں حضرت بابینہ رحمت اللہ علیہ کے مقبرہ پر جو گندہ تھا اسے دیکھنے سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ کسی نے بہت بڑی گندہ کو درمیان سے کاٹ کر دو اداں پر کھدایا ہے۔ یہ دہلی غفلت کی وجہ سے یہ گندہ ڈھکی جے سکندر لودھی کے نااہل جانشین نے

بابر کے متاخر میں جسٹس کھانی اور مغلوں کی ہندوستان پر قبضہ کرنے کی عمارتیں پرانی خواہش پوری ہو گئی۔

بابر کو قتل کی سازش اور باغیہ سے بڑا افس تھا اس نے اپنے عہد میں باغیہ تکرار کے لئے مگر سکھانے سے زیادہ ہمت نہ دی اور وہ بھائیوں کو تاج و تخت سے سب کر دیا۔ ایک لکھا۔ بہاولی پٹانوں کے بڑے جوتے سکھ کر دھک سا دیا جان بیکار ایران کی جانب چلا گیا۔ شہزادہ مکران ہوا لیکن اسے بھی موت کے عدت دی۔ اس کا مقبرہ اس کے عہد کی بہترین عمارت ہے۔ شہزادہ اپنے باقی دین سب میں دفن ہوا۔ مقبرہ ایک وسیع تالاب کے وسط میں کھڑا ہے۔ ایک پانی کے ذریعے وہاں جا سکتے ہیں۔ رات کو کھڑے مال گزشتہ اس کی زیارت سے شرف ہو جا سکتا ہے۔ مقبرہ کے اندر لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں پتھر مجسمے، ڈھلے سفرت پرستی میں دشوار ہو گئی تھی۔ یہ عمارت بھی محض پتھر اور حضرت رکن عالم کے مقبرہ کی طرح اس کی بھی زمین منزمیں ہیں۔

شہزادہ کے جانشین تاج محل بنایا ہوئے، بہاولی دو بار ۱۵۵۵ء میں پرچم خان کی بہت سے ہندوستانی بہتالین ہو گیا۔ لیکن چھ ماہ بعد ہی اس نے شیر منزل کی عمارت سے گر کر وفات پائی۔ اس کی بیوی صاحبی بیگم نے اس کے مقبرہ کی تعمیر اپنی مگرانی میں شروع کرائی۔ دس برس میں سولہ لاکھ کی لاگت سے یہ عمارت پایہ تکمیل تک پہنچی۔ بہاولی کے ساتھ ایرانی منار بھی ہندوستان آ گئے تھے اس لئے اس عمارت میں ایرانی فن تعمیر کی جھلک پائی جاتی ہے۔ یہ مقبرہ ایک وسیع باغ کے وسط میں کھڑا ہے۔ اور یہی باغ اس کے حسن کو چار چاند لگا رہا ہے۔ مقبرہ کی عمارت

۱۵۵۵ء کا دیکھئے۔

میں نے نظریہ تاج محل میں ان میناروں کی نفاسیت اور عمدگی نظر رکھی ہوگی۔ تاج محل کے میناروں کے بعد خوبصورتی میں ان کی کاہنہ ہے۔

اگر اور جہاں کی بند جویاں مخصوص طرز کے محلات ہیں رہتی تھیں۔ ان کی تعمیر میں بعد طرز تعمیر کے خاص دخل تھا۔ اس طرح بندو آکٹ لہاؤ سے زیادہ دخل آرمٹ میں داخل ہوئے تھے۔ اگرچہ میں خود جہاں کے محلات میں گھومتے ہوئے ایسا محسوس کرتا ہے کہ آپ کی سند میں گھوم رہے ہیں۔

اسی جہدیں عبدالرحیم خانان کا مقبرہ تعمیر ہوا۔ بہت پر ہمایوں کے مقبرہ اور تاج محل کے درمیان کی کڑی ہے۔ ان سب میں اندازاً نصف صدی کا فرق ہے۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ مقبرہ ہمایوں کا انداز تا حال جاری تھا۔ اس کے بعد ۱۶۳۲ء میں اگرچہ میں زور جہاں نے افتخار الدولہ خلیفہ

جیکے مقبرہ تعمیر کرایا۔ عمارت دیا کے کنارے واقع ہے۔ تاج محل میں بھی یہی چیز نظر آتی ہے۔ تمام کی تمام عمارت سنگ مرمر کی ہے۔ چٹائی کے مرنے میں ہی ہست مدہ ہیں۔ چیت، پگندہ کی بجائے نیکی کی رحمت کی بنا گئی ہے۔ مگر چاند کو نسل پرینا موجود ہیں۔ کہتے ہیں کہ اند جہاں نے خود اس عمارت کا نقشہ تیار کیا تھا اگرچہ میں تاج محل مذکور یہی سب

عمدہ عمارت مورتی تاج محل کی موجودگی میں اس کا حسن بگڑ گیا ہے۔ یہی برائوں نے اسے انہر و شاہ جہاں کے طرز تعمیر کی درستی قرار دیا ہے۔ ہمد میں انارکلی کا مقبرہ بھی تاج محل کی وضع قطع سے جوئے ہے

جکڑا کا خفاؤ میں شے تاج محل سے بھی زیادہ پیچیدہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تاج محل کی طرز پر عمارت بننے لگی تھیں اور مختلف طرز کے نمونے جن کی تاج میں پردی کی گئی ہے، ملک کے طول و عرض میں پھرتے ہوئے تھے

۶۲ نشا پور کی پراٹھائی گئی ہے یہ ہندو طرز کی محبت پہلو عمارت ہے (ہندو طرز میں آٹھوں پہلو برابر نہیں ہوتے۔ چار بڑے اور چار چھوٹے ہوتے ہیں) گنبد کی گروٹی ہے مدھوٹی ہے۔ گنبد سنگ مرمر کا ہے لیکن باقی تمام عمارت سنگ مرمر سے بنی ہے۔ اس میں جہاں سنگ مرمر کا نقش کی خاطر لگا دئے ہیں ایک بات قابل غور ہے کہ مقبرے کے ساتھ مناجات نہیں بنائے گئے۔ باقی عمارت کو بالکل نظر مٹنے تاج محل کا پیش رو قرار دیا ہے۔ یہ عمارت ۱۵۶۵ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اسی زمانہ میں ۱۵۶۲ء میں گوالیار میں جناب محمد عرف کا مزار تعمیر ہوا، اس کی جانیال قابل دید ہیں۔ ویسے صدر آباد میں سیدی سید کا مسجد کی جالی دنیا بھر میں بہترین جالی قرار دی گئی ہے تاج محل کے اندر مزارات کے گرد اگر جو جانیال بنی ہیں ان میں ایسی ہی نفاسیت برقی گئی ہے۔

اگرچہ فتح پور سیکری میں کافی عمارات بنائیں۔ اس کی جوی سید عمارت جگہ کے محل کی کیفیت کاری ایک مثال قرار دی جاتی ہے۔ لیکن یہ ہے سب سنگ مرمر پر۔ اگرچہ فتح پور سیکری میں ایک ہندو عمارت بنایا جس طرح کی سطح سے ۱۶۷۱ء میں اور مہارانی میں سب سے زیادہ عمارت

ہے۔ اس پر پراچین کاری کے نمونے آئے؟ اسٹار لینٹنگ ٹھکانہ ہیں۔ فتح سیم خانی کا مقبرہ خاص سنگ مرمر سے تعمیر ہوا اس کے ستون اور بریکٹ نفاسیت اور کٹر گری کے لحاظ سے بے مثل ہیں۔ اگرچہ کوئی آدم حکومت میں سنگ مرمر کی جگہ سنگ مرمر سے لے لی تھی۔ اگرچہ اپنے لئے سکندھ میں مقبرہ تعمیر کرانا ضرور کر دیا تھا اور اس میں چٹائی آرمٹ کو نمایاں دخل ہے۔ مقبرہ کا برو فی دروازہ اور اس کے سنگ مرمر کے

شاہ جہان نے ان سب کو معمولی درجہ دل سے کجا کر دیا ہے۔ شاہ جہان کے عہد میں لاہور میں جہانگیر کا مقبرہ تعمیر ہوا۔ عمارت کے کونوں پر چار چار تعمیر ہوئے اور قبر کے قریب پر پڑی عمارت کے کمرے کی پراچین کاری ہوئی۔ یہی فن دروان عام کے شاہی مہر کو میں اپنے جوبن پر نظر آتا ہے۔ نظر لاٹھ میں واقع شیش محل میں لکھا ہوا ہے کہ درجی اس فن کے باریک اور فنی بننے پانے جانتے ہیں۔ دہلا پنجر لبرنگ میں ۱۰۵ رنگ برنگے پتھر پھیل پتیل کی شکل میں منگھوڑ کر کھود کر مجھ سے گئے ہیں۔ تاج محل کے اندر ہی جیسے یہ عالمی پر بہت ہی عمدہ پراچین کاری ہوئی ہے۔

شاہ جہان نے لاٹھ میں دروان خاص میں بہترین اہم کے نقش و نگار کھودائے اور ان کے پر پڑی یہ پتھر بھی منقوش کر دیا۔ خط اگر فرخ حسن پر دے گئے ہیں امت

یعین امت و کچھ امت و کچھ امت

اسی واس سے زیادہ ہو گیا کہا جا سکتا ہے۔ شاہ جہان کے عہد میں مندر اخلاصت جو اکبر اور جہانگیر کے عہد حکومت میں عام ہوئے تھے ختم ہو گئے اور ان کی جگہ بڑا فی طرز تعمیر زیادہ معتدل ہو گیا۔ لاہور میں درخان کی مسجد، گلشن بادشہ اور دلائی انگلا کی مسجد اس پر شاہ جہان۔

ممتاز انزا فی عکرا عہد بالترے ۱۶۳۱ء میں مندر بنائی اس سال تاج محل کی بنیاد رکھی گئی۔ ۶۷ برس میں کرور مل مد پزل کی لاگت سے یہ عمارت تعمیر ہوئی۔ سر بادشاہ مندر بنو گئے کہا ہے کہ تاج محل ایک ایک جگہ بہت سے جوشہ جہان کی جگہ بنے ہوئے ہے کہ اس کی تعمیر میں تمام خزانوں کو کھری گئیں اور تاج محل کی صف میں فی نفس نہ نکال سکے۔ تاج محل میں بی بی خاتم کے مقبرہ

کی پر دی میں تہ خانہ، جہانگیر کے مقبرہ کی طرز پر کونوں پر چار مندر، انارکلی کے مقبرہ کی طرح بنیادیں، انہی کے مقبرہ کے دروازہ کی طرح بنیادوں میں نفاس، دروان عام و ملی کی طرح پرچین کاری، مسجد جہانگیر کی طرح عمارتیں اور مندر دی میں مندر خوف گرا نیار تھی کے مزار کی طرح جہانگیر میں عمارت اور لکھا مقبرہ افکار و اور لکھی طرح تمام کی تمام منسوب مرمر و بلند دروازہ اور مقبرہ اکبر کے دروازہ کی طرح دروازوں کی آیات قرآنی و منسوب عمارت کی طرح با عمارت و انہار اور عمارت کا تقابل اور بلند بالا دروازے اور دریا کا کنارہ اور دوسری باتوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تاج محل ۶۷ برس میں پایہ تکمیل کو پہنچا بلکہ وہ مسلمانوں کے گیارہ صدیوں کے فن تعمیر کی فنی خصوصیات کا حامل ہے۔

تاج محل کی عمارت کا نقشہ

کتاب احادیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد احادیث و احادیث
ملتی ہیں جن میں حضور نے بعض امراض کے لئے علاج تجویز فرمائے ہیں،
مثلاً حصد کا ارشاد ہے کہ بغا کی پیش کو پانی ڈال کر شفا کیا کرو۔ آج
بھی جب تک بیمار کا وہ حواس نہ ہو ایک خاص دسبجے سے بڑھ جاتا ہے تو
ڈاکٹر بعض کے سر پر پٹنٹ سے پانی کی پٹیاں لٹکا کر رکھتے اور دوسرے حالت
نیچے لاتے ہیں، شہد کے متعلق حضور کا ارشاد ہے کہ اس میں شفا
ہے، بعض اہل علم نے اس طرک کا بھی تجربہ ہی ہے اور آج طبیب
نبوی کے نام سے ایک کتاب ہمارے پاس موجود ہے۔

حضور سرور کائنات کے حقوق دلانے پر مسلمانوں میں علم
طب کی تحصیل کا شوق پیدا ہوا اور رفتہ رفتہ طب ہمارے متقی اور دیندار
مسلمانوں کا پیشہ بن گیا۔

محمد نبوی میں عینہ طب میں اسم سلیم، اسم مطہر، اسم عطیہ یعنی
رفیضہ العطار، اور اسماء بنت ابی بکر کا طبابت کے لئے مشہور تھیں۔

اموی عہد میں ابن آنال، تیار ذوق، عیسیٰ بن حکم اور آخری دور میں
جامد ابی حیان کا نام ملتا ہے جو اپنے دور میں طبابت اور جفاقت
کے لئے مشہور تھے۔ عباسی حکمران کے آئاز کے ساتھ ہی عباسی خلفاء
نے علم طب کی طرف کافی توجہ دی اور ان کی تدبیراتی اور زبرد پاشیوں کے
اس فن کو بڑی ترقی ملی۔ المصنف کے عہد میں جو عیسائی نامی ایک
عیسائی طبیب کے کمال فن کا مدد دیکھ کر شہرہ تھا۔ اسی طرح
ہمدان الرشید کے عہد میں جبریل بن یحییٰ شریح اپنے زمانے کا مایوس
ماتا جاتا تھا، ہمدان نے اسے اپنا نام و مشیر بنا رکھا تھا اور شاہی دیا

مسلمانوں کی طبی خدمات

انسانی معاشرہ میں ہر دور میں طبیب کا وجود بڑا ضروری ہے۔ انسان
خواہ افریقہ کے گنے جگلوں میں رہتا ہو یا امریکہ اور سویڈن کے تمدن ترین
شہروں میں، ہر جگہ طبیب کی ضرورت خدمت کے ساتھ محسوس کی گئی
ہے مسلم سوسائٹی میں طبیب کو جو مقام حاصل ہے اس کا اندازہ اسی پتا
سے لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا شریعت الدین، اعطائی نے نوادہ فیروز شاہی
میں ابو العلیہ نقیبہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جہاں یہ چھ چیزیں نہ ہوں
وہاں رہائش اختیار نہ کرو۔

آبِ دوا، نقدِ راجح، قاضی عالم، حاکم ماوی۔ بنانا یا راستہ
طبیب حافقی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: علم دین، علم دین
اور طبیب دینی دوسرے کے مسلمانوں نے علم دین کے ساتھ ساتھ علم
طب کی طرف بھی توجہ دی اور اس فن میں وہ وہ کمال دیکھائے
کہ اپنے اور دیکھنے یہ کہہ آئے کہ آج اسطوار دجالینوس زندہ
ہوئے تو وہ بھی ان کی تصانیف کا احترام کرتے۔

آل انجیٹوشن اور آل مارچوبہ خاص طور پر مشہور ہیں اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت تک طبی کتابیں ہونا یونانی زبان میں لکھی گئی تھیں، اس نے مسلمانوں کی دسترس سے باہر تھیں۔ عیسائی چونکہ یونانی زبان سے کوئی بات نہ سمجھتے تھے اس لیے وہ بڑی آسانی کے ساتھ طب یونانی کا مطالعہ کر کے طبابت منظر پر کر دیتے تھے۔ جب الامون کے ابا پر بیت الحلت میں یونانی کتابیں ملنے لگیں تو پھر مسلمان اس فن میں بھی بہتر ہو گئے۔ ان کے لیے کچھ چھوڑ گئے۔ جس دور میں طب پر عیسائی اور صابئی چھائے ہوئے تھے، اس دور میں جبریل بن نجیشتہ، حسیب، بنیادوقی، ابو حنا بن ماسویہ، ماسر جوبہ، سلمیہ، تسن بن نوفا، ادایس البصری نے بڑا نام پایا ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت بڑی ضروری ہے کہ تاہم یہ کہیں مسعودی سے یہ نتیجہ اخذ کریں کہ مسلمانوں نے طب عیسائیوں سے سیکھا ہے یا پھر یونانیوں کی تحریروں سے۔ مسلمانوں نے ان سے یونان سیکھا ضرور ہے لیکن ان کی انگریزی تقلید نہیں کی۔ مسلمانوں نے اپنے تجربات اور اجتہادات سے طب کے واسطے کوہ مال کوڑیا ہے۔ خلا ابو الحسن مہدی نے حکماء یونانی کے طریق علاج کے برعکس لغوہ اور فالج کا علاج اور یہ بارہ سے کیا ہے۔ اسی طرح رضی الدین نے کثرت غذا سے علاج کیا ہے۔ اور ابن الراشد نے بھی علاج بال غذا پر مفرد دیا ہے۔ مسلمانوں نے جوزی کے لئے افیون اور کبیر کے لئے مرورانی کا استعمال تجویز کیا ہے۔ اور اہل زمانہ ابو البرکات نے ایک خاص ربائی میں جس قطع اناہل سے علاج کیا ہے جو بیک کے مرض سے بچاؤ کی خاطر مسلمانوں نے ORAL VACCINATION کا طریقہ ایجاد

میں اس کی بڑی عزت اور کرم کی جاتی تھی۔ ہارون نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ اگر کوئی شخص اسے ملنا چاہے تو وہ پہلے جبریل سے ملے پھر اس کی وساطت سے لے لے۔ جب جبریل کا انتقال ہوا تو مسلمان شعرا نے اس کے مرثیے لکھے۔ اس سے اس کی عوام میں مقبولیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مامون الرشید کے عہد خلافت سے پہلے بھی کئی نامور طبیب مشرق و عرب میں جبریل بن نجیشتہ اور بنیادوقی ہونگے رہیں۔ لیکن اس چمن میں بہار اس وقت آئی جب مسلمانوں میں الامون نے بغداد میں بیت الحکمت قائم کیا اور وہاں ابو بکر محمد بن زکریا رازی، ابو حنا بن ماسویہ اور حلی بن اسحق جیسے اطباء کو طبی تحقیق کے لئے مامور کیا۔

المعصم کے عہد خلافت میں سلمیہ نامی ایک عیسائی طبیب کے کہانی کا بڑا مشہور تھا اور غلیفہ نے اسے اپنا معیار و نمونہ بنایا تھا۔ المعصم کے متعلق یہ بات نہیں ہے کہ وہ یہ کہا کرتا تھا کہ میرے نزدیک سلمیہ کا مرتبہ قاضی القضاۃ سے کہیں زیادہ ہے۔ غلیفہ کی نظروں میں سلمیہ کا در مقام تھا اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جب سلمیہ کا انتقال ہوا تو غلیفہ نے اپنے شاہی دربار میں اس کی میت کو لا کر رکھا اور پھر شاہی اعزاز و اکرام کے ساتھ اس کا جنازہ اٹھایا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عباسیوں کے ابتدائی دور حکومت میں جن غیر مسلم اہل علم نے طبی خدمات انجام دی ہیں ان میں ابی حنیفہ،

ہو گئے تھے امدادی زمانے میں رامبے چٹرنامی ایک انگریز نے

THE BOOK OF THE COMPOSITION OF ALGEBRA

کے نام سے کتاب لکھ کر اپنی انگلستان کو اس کے کارناموں سے مدد شفاں کیا۔

خزین بن اسحاق (۶۶۴-۱۱۴۴ء) کا شمار ان نامور عربی علماء میں ہوتا ہے جو عہد اسلامی میں مسلمان حکمرانوں کی قدر دانی اور زربا شیعول کی بدولت مشہور ہوئے۔ خزین عربی زبان کے علاوہ یونانی اور سریانی زبانوں پر کامل دسترس رکھتا تھا، اس نے اپنے معاصر مسلمان علماء کی نسبت اسے یونانی میں کتابوں سے استفادہ کرنے کا خوب موقع تھا۔ طبعی کتابوں کے حصول کی خاطر اس نے مدینہ مکہ کا سفر بھی کیا تھا۔ اور اس سفر سے واپسی پر المامون نے اسے دار الحکمت میں عہدہ مکہ لیا، جہاں اس کا بیشتر وقت یونانی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کرنے پر صرف ہوتا تھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ جب وہ ایک کتاب کا ترجمہ کر کے المامون کی محفل میں پیش کرتا تھا تو وہ اسے اس کتاب کے وزن کے برابر سونا عطا کرتا تھا۔

ابو بکر محمد بن زکریا رازی (۹۶۵-۸۶۵ء) بچے ہی میں RMAZES کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، کا شمار ان ادیبان میں ہوتا ہے جن پر مشفقہ اسلامی کو بڑا ناز ہے۔ رازی ایک واسطے سے خزین بن اسحاق کا شاگرد تھا اور اس کے استاد کے متعلق مشہور ہے کہ وہ یونانی، ابرہائی اور ہندوستانی طب میں وقت کا مل رشتہ تھا۔ رازی کے متعلق مشہور ہے کہ اس کی طبیعت چتر پسند تھی اس لیے وہ غصہ سے تجربے کرتا رہتا تھا۔

فنیائی علاج بھی مسلمانوں کی ایجا بہتہ اور اس موضوع پر پہلا ایک باب نظامی عروقی ترقی کے چارہ مقابلہ میں موجود ہے۔ ابن جہل اور ابن البطار نے نئی اور ہم دریا نت کہیں جن سے اہلکے یونانی واقف نہیں تھے۔ اسی طرح مسلمانوں نے اول بار رابوئد کا فورادرسنل کے خواص معلوم کئے اور جہازم اور پچک کے موضوع پر رسالے لکھے۔ علم کیمیا تو خاص طور پر مسلمانوں کا مرحوم بن منت ہے۔ مگر کسی نے مسلمانوں کے اچھا دست کے متعلق زیادہ معلومات حاصل کرنے میں ہول تو اسے القزخی کی۔ القزح بعد الشترہ۔ کامر لعد کرنا چاہئے۔ آئندہ صفحہ میں ہم چند نامور اطباء کا ذکر کریں گے، جن پر طب اسلامی کو تخریب جا رہی ہیں ابھی مٹی کتابوں میں بابا کے کیمیا کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، کا شمار ان اطباء میں ہوتا ہے جن پر اہمیت مرحومہ بطور پر فخر کر سکتی ہے۔ جابر کے معصوموں میں کشتوں کی تیاری، تیز بکندی اور معدنی کلیات بنانے میں دنیا بھر میں اس کا کوئی ترقی مقابل نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس نے تصعید، ترشح، تجزید اور تقطیر کے فن کو ترقی دیا اور خراب سے اکمل کو آگ کر کے اپنے معاصر اطباء سے خراج عقیدت وصول کیا۔ اسی طرح مسکنیا اور انشی مونی کو دوسری دواؤں سے الگ کر کے دنیا بھر کے اطباء کے اپنی تہا تبیت کا دوا بنایا۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ ناکلک ایسٹ، سلفورک ایسٹ، نائٹروکلوئک ایسٹ، فیکلک امونیا، مرکبی کلورائیڈ، مرکبی آکسائیڈ، پلاسٹیم نائٹریٹ، فزائی سلفاس اور انکھل ایس کی ایجا دیں۔

مسلمانوں میں ہی جابر کی کتابوں کے یورپی زبانوں میں ترجمے شروع

جنگلدا ہے۔ وہ نسل ایرانی اور ہندوستانی تھا وہ چونکہ اسلامی
عہد میں مسلمانوں کی معاف پروسی کی وجہ سے مشہور ہوا اس لئے
اس کی طبی خدمات کا ذکر بھی مسلمانوں کی طبی خدمات کے ضمن میں
جہتا ہے۔

اس نے طب عرب پر الملکی کے نام سے ایک طب پایہ کتاب
لکھی جس پر تین کتاب اس کے بعد آنے والے اطباء کا دار مدار
ہوا، لیکن جب ابوعلی سینا نے تافان لکھی تو اس کے مقابل میں
الملکی کی خبرت ماند پڑ گئی، الملکی کا ۵۲۳ھ میں لاطینی زبان میں ترجمہ
ہوا۔ اور اس کے بعد یہ کتاب یورپ میں خوب مقبول ہوئی۔

علی بن عباس نے بڑے بڑے اطباء کے طریق علاج پر بھی جہر
کر تنقید کی ہے اور اس ضمن میں وہ کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ اس کے
خیال میں کوئی طبیب اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا
جب تک وہ باقاعدہ ہسپتال جا کر معنوں کا معائنہ نہ کرے چنانچہ
اس نے طبیب کے ہسپتال کی حاضری لازمی قرار دی ہے۔

مسلمان ابوالحسن ابن الجزار (م ۸۰۸ھ) کا نام بڑے ادیب
دواجزام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اس کی کتاب زاد المسافر محمد و علی
میں ایشیا کے علاوہ یورپ میں بھی بڑی مقبول تھی۔ لاطینی زبان کے
علاوہ اس کے عبرانی اور یونانی ترجمے بھی دیکھنے میں آئے ہیں۔
زاد المسافر کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں المحدثی امراض کی
تشخیص اور ان کے طریق علاج پر بحث کی گئی ہے۔

شیخ الرئیس ابوعلی حسین بن عبداللہ بن سینا، جو مشہور طب میں

مازی نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز سے کے ایک ہسپتال میں
میں طبیب کی حیثیت سے کیا جہاں وہ محترمہ ہی حوصہ میں اسلاطیہ
ہو گیا۔ پھر حوصہ بعد اسے لہندو کے ہسپتالوں کا اسلاطیہ مقرر کیا گیا
اور یہیں اس کی لیاقت کے اصلی جوہر کھلے۔ ایک کامیاب معاہدہ کی حیثیت
سے اس کی مشورہ چارواک عالم میں پھیل گئی اور دنیا کے گوشے گوشے
سے ایسے جیسے علاج مریض اس کے پاس آئے گئے۔

مازی نے علم طب پر چھوٹی بیسی (۱۱) کتابیں لکھی ہیں، ان میں وہ
۱۲ رسالے بھی شائع ہیں جو اس نے علم طب پر لکھے ہیں۔ مازی کی سب سے
اہم تصنیف الحاوی ہے جس کی سب سے دیاہ پھیل دیافت ہو چکی ہیں۔
۱۳۰۰ھ میں اس کتاب کا اول بار لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا اور اس کے
بعد یہ کتاب یورپ میں بے حد مقبول ہوئی۔ اس کتاب میں ملتی ہے
اپنا حاصل مطالعہ اور اپنے تجربات لکھ کر اپنے بعد آنے والے اطباء
کے لئے ایک نئی شاہراہ کھول دی ہے۔

الحاوی کے علاوہ مازی نے جہاز اور جہاز پر دو الگ رسالے
لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک رسالے میں گرہے اور زائے
سے پتہ چکاتے کے حریف بنائے ہیں۔ ان کے علاوہ مازی نے
طریقہ تشخیص البدن پر بھی ایک کتاب لکھی ہے۔ یورپ کے مشہور
لے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یورپ میں میڈیسن سائنس کی ترقی
میں الملکی کو بڑا دخل حاصل ہے۔

علی بن عباس الجزیر یں HALY RHOAS کے نام سے
مشہور ہے، دوسری صدی عیسوی کے غضب آفریں بٹانہ نامہ طبیب

AVICENNA کے نام سے مشہور ہے، مسلمان طباء میں اسلام کا سب سے بڑا ہے۔ غالیق ارض و زمانہ نے اس کے ہاتھ میں ایسی شفا بخش محنت کی کہ لوگ اسے جیتے و موتے کیا دعا مانگتے۔ کہتے تھے۔

بوعلی سینا مشرق میں پہلا مؤثر اس کا والد علی کا رہنے والا اور بغداد میں پیدا ہوا تھا۔ بوعلی نے جو طبی ہوش و شعور سمجھا اس کا والد علی سے ترک سکونت کر کے بغداد چلا گیا۔ اس زمانے میں بغداد کا شمار دینائے اسلام کے بڑے بڑے علمی مراکز میں ہوتا تھا اور وہاں اس دور کے بہترین اساتذہ مدرس و علمائے عرب و عجم میں مشغول تھے۔ بوعلی کی تعلیم و تربیت اسی مدینۃ العلم میں ہوئی اور اساتذہ کرام کی عمر میں اس کے نقل و نقل کا فہرہ و تہذیب و تمدن کا سچا پھل گیا۔ ۹۸۰ء میں اسے بغداد کا ایک ایسی مرض میں مبتلا ہوا کہ اطباء اس کے علاج سے عاجز ہو گئے۔ اس موقع پر بوعلی نے اس کا کامیاب علاج کر کے شاہی لاہوری سے استفادہ کرنے کی اجازت مانگنے سے انکار کیا۔ اس وقت جب سلطان محمود غزنوی نے بغداد پر قبضہ کیا تو بوعلی کو غزنوی نے اپنے ساتھ لے کر دہلی کی خدمت دی۔ بوعلی نے سلطان کی خدمت و دربار میں اور غریبہ میں شہر لعلی تاج کو جس کے دربار میں ہناؤ کی شان تھی قیام کیا اور جس نے وفات پائی تو بوعلی کے چلا گیا۔ بارہ برس بعد اس سے متعلق طور پر ہمدان میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں جو ان مشہور ترین دور و دراز سے اس کا انتقال ہوا۔

شیخ الفریس کے متعلق مشہور ہے کہ سطر جعفر میں شاگردوں کا ایک اجتماع اس کے ساتھ رہتا تھا اور وہ صبح و شام ان کو درس دیتا تھا۔ دس دس دس کے ساتھ ساتھ دس گھنٹے پڑھنے میں بھی کافی وقت صرف کرتا تھا۔ شیخ الفریس نے طبی طریقہ میں گراں قدر اضافہ کیا اور اس کی افادیت

کے مقابلہ میں مازنی کی الحادی اور الجرجسی کی المکی کی شہرت مانگنی القاؤن جس کی وجہ سے بوعلی سینا کا نام تا قیام قیامت زندہ رہے گا۔ کے پاچا جیتے ہیں۔ پہلے جیتے ہیں اس نے اصول طب کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے جیتے ہیں مفردات سے بحث کی ہے تیسرے جیتے ہیں سب سے پہلے جسم کے ایک ایک جیتے کے امراض کا ذکر کیا ہے۔ چوتھے جیتے ہیں شیخ الفریس نے امراض عامہ سے متعلق بحث کی ہے اور پانچویں جیتے میں مرکبات کا ذکر کیا ہے۔

القاؤن کا بارہویں صدی عیسوی میں لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا اور اس کے فوراً بعد یہ کتاب یونان کے طبی لکھاب میں داخل ہو گئی۔ ۱۵۰۰ء تک القاؤن یورپ کی مشہور ترین یونیورسٹیوں MONTPELLIER اور LOUVAIN کے لکھاب میں داخل رہی۔ یونان میں اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ صرف اسی بات سے لگا جاسکتا ہے کہ ۱۵۰۰ء سے لے کر ۱۵۰۰ء تک یہ کتاب سولہ بار جمع ہوئی سولہویں صدی میں اس کے میں سے زیادہ اڈولفین یورپ کے مختلف ممالک میں طبع ہوئے۔ اس کتاب کے متعلق ہمارے اطباء کا یہ قول ہے کہ اگر جالینوس اور پتھراطہ زندہ ہو جائیں تو وہ بھی القاؤن کا احترام کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

ابوالقاسم ازہرادی جس پر ملتقط اسلامیہ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے افریقہ کی ایک اڑاھی بستی مدینۃ ازہر کا رہنے والا تھا۔ قلوب کا مائتار اس زمانے میں دیا کہ بہت ہی علمی مراکز میں ہوتا تھا۔

ازہرادی نے اسی مدینۃ العلم میں اس عہد کے بہترین اساتذہ سے

تعلیم پائی۔

ازہرادی بھی تو ہے ہی تھا کہ اس کے کمال نہ کا مشہور
بر سے اندس میں پھیل گیا۔ عبد الرحمن الفاضل نے پہلے اُسے
پہنا ذاتی معالج تانا۔ بعد ازاں اُسے شاہی ہسپتال کا نائرس مرجن
مقرر کیا، اسی ہسپتالی میں اُسے مختلف استاد کے آپریشن کرنے کا
موقع ملا۔ ازہرادی نے اپنی مشہور آفات الفعیف - الفصول
لمن عجوز عن العالیف - میں مختلف اقسام کے آپریشن کرنے کے
طریقے بتائے گئے ہیں علاوہ ان آلات کی تصویریں بھی دی ہیں جو آپریشن
کے دوران استعمال ہوتے ہیں۔ ازہرادی کی اس کتاب کو بطور
اور ان آلات کی تصویریں دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں
جراحی کا مکمل نظام موجود تھا۔

ازہرادی کا ستھان نامور بادشاہ میں مودتا ہے جنہوں نے
امراض نسوان (GYNAECOLGY) پر کافی کچھ لکھا ہے۔ علم
الولادت کا سرچرچی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے اس نے ازہرادی
نے اپنی اس کتاب قدر نصیحت میں دائروں کو خاص ہدایات دی ہیں
اس نے ان آلات کی تصویریں بھی دی ہیں جن سے مردہ بچے کو رحم
سے باہر نکال جاتا ہے۔ اس میں ہی ازہرادی نے تدابیر حائل،
منع اسقاط، عسر ولادت، تدبیر سیلان طبع، حائل اور اخراج بنیوس
میت پر بہت کچھ لکھا ہے۔ زورپ میں عہد جدید میں سائنس
آف ڈاٹکری نے جو ترقی کی ہے اس میں ازہرادی کے تجربات
اور کسی کی تحریروں کو بڑا دخل حاصل ہے۔

امراض چشم (OPHTHAL MOLOGY) پر بھی مسلمانوں نے کافی
تحقیق کی ہے اور اس میدان میں وہ دنیا کی کسی قوم سے پیچھے نہیں ہیں۔
عبدادی میں رشیب نامی ایک عودت ماہر امراض چشم تعلیم کی حائل تھی اور
دور دور سے لوگ اس سے علاج کرائے آتے تھے۔ مذکورہ الکھالین
میں ابن رشیب، جبریل بن، و تریب کمال اور علی بن یسین کمال کا ذکر
موجود ہے۔ یہ لوگ اپنے دور میں اپنے فن میں ایسا مقابل نہیں رکھتے
تھے۔ اسی ضمن میں علی ابن یسین بغدادی اور عمار مرسل نام کے دو ماہرین
کا ذکر بیان ہوگا، جنہوں نے امراض چشم پر دو کتابیں تصنیف کیں۔ ان
لوگوں نے اس فن پر بڑا نام لیا ہے کہ ان کا کام کیا۔ اور اپنے
تجربے، مشاہدے اور حاصل مطالعہ ان کتابوں میں درج کیا۔ ان
کتابوں کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا اور مشہور ہو گیا۔ ان کی یہ کتابیں
یورپ کے طبی نصاب میں شامل رہیں۔ جرجی زیدوان نے اپنی مشہور
نصیحت - تاریخ التبی الاصلی - میں اس بات کا اعتراف کیا
ہے کہ عربیہ دنیا کا علاج اب بھی وہی ہے جو مسلمان اطباء اس دور میں
کیا کرتے تھے۔

ابو الحسن ابن الحسین بن العفیم (۱۰۳۹-۱۰۹۵) جو امام بصریہ
کے لقب سے مشہور ہیں، اپنے دور میں اپنے فن میں دنیا بھر میں اپنا
ثانی نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے اول بار اپنی تالیف - کتاب المنظر
میں نظریہ بصارت کی صحیح وضاحت کی۔ وہ پہلے مسلمان ماہر طبیعت
اور طبیب تھے جنہوں نے روشنی اور رنگ، اشعہ نور کے انعکاس
والنفاذ، غلط بصری، شفق اور قوس قزح کی حقیقت، ہالہ امراء،

کی مشہور کتاب تالیف۔ تالون۔ کا خلاصہ۔ تالونچہ۔ کے نام سے تیار کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے مفعول لفظ اطہ کی دو شرحیں لکھ کر اپنے وقت کے اطباء سے خواجہ عقیدت وصول کیا۔

مسلمان اطباء میں تاجی عبد العلیف بغدادی علم التشریح البدن کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں، وہ اپنی تحقیقات کے سلسلے میں برص غویہ مفر کیا کرتے تھے، ایک بار وہ اس سلسلے میں مصر گئے اور وہاں مصر کے ایک بیٹے پر انھوں نے بیس ہزار کے لرب انسانی فوہلے دیکھے۔ انھوں نے ان ڈھانچوں کی ساخت کا بڑے عجز سے مطالعہ کیا اور اس کی تفصیل اپنے سفر نامہ میں درج کی، اسی طرح انھوں نے برصیر کے قبرستان میں خاص قسم کی انسانی ہڈیوں کا مشاہدہ کیا، ان کا کہنا ہے کہ اس سے پہلے ایسی ہڈیاں ان کی نظر سے نہیں گذری تھیں۔ تاجی موصوف پر کہا کرتے تھے کہ اگر جالینوس نے بھی میری طرح انسانی ڈھانچوں پر تحقیق کی ہوتی تو پھر اتنی فلسفیانہ نہ کرتا۔

منصور بن محمد نام کے ایک مسلمان طبیب کا ذکر بھی اکثر کتابوں میں دیکھنے میں آیا ہے، وہ بھی علم التشریح البدن کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے ۱۱۳۱ھ میں اپنا حاصل مطالعہ۔ کتاب التشریح۔ کے نام سے تصنیف کیا اور اس کتاب میں انھوں نے جا بجا مختلف اقسام کی ہڈیوں کی تصویریں بھی دی ہیں۔ اس کتاب کا ایک مصدق نسخہ انڈیا آکس لائبریری لندن میں محفوظ ہے۔

بہس طرح موجودہ زمانے میں بعض امراض کے SPECIALISTS

وقت نقل، خط اور تحریر کے بارے میں قریب کی۔ ان کی کتاب المناظر۔ قزمانے کے ظالم انھوں سے محفوظ نہیں رہی تاہم اس کا ترجمہ (ON OPTICS) کے نام سے موجود ہے۔ اس کتاب میں ابن احنن نے آئینہ اور عکس کے اس نظریے کی تردید کی ہے کہ ظاہر انھوں سے نقل کر مختلف چیزوں پر پڑتی ہے اور انھیں دیکھتی ہے۔ ان کی تحقیق یہ تھی کہ خارجی چیزوں کا عکس ان کے تیلی پر پڑتا ہے جسے دماغ کا ایک عصب محسوس کرتا ہے۔ ابن الحتم THEOLOGY OF VISION کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور انہی کے نظریہ پر تحقیق کر کے دور جدید کے سائنسدان کیمرو، ڈینی وینڈی اور یونگ بنائے ہیں کامیاب ہوئے ہیں۔

ابراہیم منصور صاحب مدین مشہور عہدوس کا شمار دنیا کے اسلام کے نامور ترین اطباء میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے وقت کا بہترین معائنہ نگار دور دورے لوگ نقد کھولنے کے لئے اس کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ انصوری طبیعت بڑی مددگار حدت پسند تھی اور وہ مریضوں کا علاج کرتے ہوئے ان پر نہ نئے تجربے کرتا رہتا تھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ عام اطباء کے برعکس لغوہ اور فالج کا علاج ادویہ بارود سے کیا کرتا تھا۔

علی الدین ابو الحسن علی بن حازم قرطبی، جنہیں طبی دنیا میں علی بن ثانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، عرب اطباء کے مرتاج مانے جاتے ہیں۔ وہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے لیکن ان کی عمر عرب کا بیشتر حصہ مشرق میں گذرا اور وہیں مشہور ہیں ان کا انتقال ہوا۔ انھوں نے شرح الخیر

مرض میں مبتلا تھا۔ رازی نے اس کا معائنہ کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کا مرض آتشا بڑھ چکا ہے کہ اسب لامللاج ہو گیا ہے۔ رازی نے اس مریض کو یہ کہہ کر بخصت کر دیا کہ گھر جا کر آرام کرو اور چرچا ہو کھا پوینے تقریباً سال بھر کے بعد رازی کا اس طرف سے گذر ہوا تو اس نے دیکھا کہ وہ شخص زحمت یہ کہ تندرست ہو چکا ہے بلکہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ تندرست ہے۔ رازی نے بڑی حیرت سے اس سے حال دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ اپنی زندگی سے تنگ آچکا تھا اور اس صبح میں تھا کہ کسی طرح اپنی زندگی کا خاتمہ کر لے۔ ایک دن ایک سانپ ادھر آ نکلا اور اس نے چھاچھ کر دو دو کھڑکے ایک پیالہ میں منہ ڈالا۔ جب سانپ کو اپنی فعلی کا احساس ہوا تو اس نے وہ چھاچھ پیالہ میں اگل دی جس سے چھاچھ کا رنگ بدل گیا۔ جب وہ سانپ وہاں سے چلا گیا تو اس شخص نے خود کشی کی نیت سے وہ چھاچھ پیالہ چھاچھ پیالہ چھینا تھا کہ اسے نیند آگئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ پسینہ سے تر ہو رہا تھا اور اس کی بیماری جاتی رہی تھی۔

الفرج بعد الشد کے معالعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی ملاح کا رگڑ جوتا تھا تو بعض اطباء سکتے کے مریض کو کورسے بارتے تھے۔ اسی طرح فالج کے مریض کو دو دو میں خنجر اُبال کر پلانے تھے اور ذاتا لجنب کے مریض کے لئے کھجور کا ٹوکہ بوزیر کرتے تھے۔ اس کتاب میں اس طرح کی درجنوں حکایات ہیں جن کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات لوگوں سے بھی کامیاب ملاح چرچاتا تھا۔

سلمان نے اس مرض سوال پر بھی خاص توجہ دی ہے۔ ابو القاسم

موجود ہیں اسی طرح سلمان اقلی کے ہاں بھی قرونِ وسطیٰ میں SPECIALISTS موجود تھے۔ ابن کثیر اپنے دور میں امراضِ شاذہ کا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا اور ہارون بن مرسی الاشبوی سرجری کے فن میں اپنی نظر آ رہا تھا۔

عابد بن بشر بن عبدوس ضد کھولنے میں اپنا تانی نہیں رکھتا تھا اور دواسازی میں ابن البزرج، احمد بن یونس، العتبی، عمر بن یونس، غافق، ابن مہمل، وشدیل الدین اور ابن البھار بڑے مشہور تھے۔

اسی طرح بعض اطباء کے ناموں کے ساتھ مقادیر، سنائی اور کمال کی نسبتیں چھڑ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مخصوص فن میں بڑا کام پایا ہے۔

سلمان اطباء کے زمرہ میں اگر ابو علی القزوی (۹۹۴-۱۰۳۷ء) اساس کی مشہور تالیف الفرج بعد الشد کا ذکر کیا جائے تو ان کا ذکر نہ نامکمل رہے گا۔ اس کتاب کے چودہ ابواب ہیں اور ان میں بڑے بڑے کی حکمتیں درج ہیں۔ القزوی نے ان حکمتوں کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بعض اوقات بڑے بڑے اطباء بھی عام ملاح کی بجائے بعض لوگوں سے کامیاب ملاح کرتے ہیں، یا اگر کبھی اطباء کسی مرض کے ملاح سے عاجز ہو گئے ہیں تو اتفاقاً مریض کے ہاتھ کوئی ایسی چیز لگ گئی ہے کہ اسے وہ صحت یاب ہو گیا۔ راقم الحروف نے تاریخ کے مشہور آفاق استاد پروفیسر شیخ عبد الرشید صاحب کو ایک مجلسِ محفل میں فراتے ہمارے ساتھ ہے کہ بعض امراض کے ملاح روپیہ القافیہ دریافت ہوئے ہیں۔

القزوی لکھتا ہے کہ رازی کے پاس ایک مریض آیا جو استسقا کے

میں مریض کو لاجوں میں فصول بقوطہ، مسدوش حنین، من اسحق، شرح نیلی، الحاوی، قافون، ذخیرہ ثابیت میں فصول منصفی، اغراض العرب، ذخیرہ حنون، زمر مشامی اور کامل الصناعہ پڑھائی جاتی ہیں۔

ان طالب علموں کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ انسانی لاشوں کو چرم بھاڑ کر دیکھیں تاکہ وہ جانی سکیں کہ تصدق سے انسانی لاش پر کس طرح سے بنایا ہے اور انسان کے اندر فی اعضا کی ساخت کیلئے شیخ الرئیس ابن سینا کا قول ہے کہ جب تک کہ فی طبیب انسانی لاشوں کو چرم بھاڑ کر نہ دیکھے اس وقت تک وہ کامیاب طبیب نہیں بن سکتا۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب طبیب اپنا کورس ختم کر لیتے تھے تو پھر باہر طبیب ان کا امتحان لیتے تھے اور امتحان میں کامیاب ہونے والے طبیب کو گناہہ سندوزی جاتی تھی ایک دوسری روایت سے یہ معلوم ہوا ہے کہ خلیفہ القصد کے عہد میں کسی نیم بکھڑے ایک مریض کو غلط علاج سے دارالافروغیہ نے بے حکم مارد کیا کہ سنان بن ثابت بغداد کے تمام طبیب کا انور لیسے اور جہ طبیب اس کے معیار پر پورا نہ آئے اسے جہاں سے روک دے پھر میں یہی کام اپنے ملکان لے انعام دیا۔ ہمارے خیال میں یہ اہل باکی رجسٹریشن کی طرف بہت قدم تھا۔

سلازل نے اپنے دور عروج میں دنیا کے اسماء میں ہسپتالوں کا ایک حال بچھا دیا۔ عبدالمکرم بن مروان نے دماغی امراض کے علاج

الزمراوی نے اس سلسلے میں جو خدمات انجام دی ہیں ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے شیخ الرئیس ابن سینا، یوحنا بن ماسویہ، البرکہ محمد بن زکریا رازی اور عبدالمصنف بغدادی نے بھی اس موضوع پر کافی کچھ لکھا ہے۔ جہد جوی میں اسمعینیب البرکہ، اسم سلیم، اسم صلاح، اسم طیب، یلیک اور رفیعہ انصاریہ عرکول کے علاج کے لئے خاص طور پر مشہور تھیں۔ ہنری عہد میں نصیب نامی ایک عربی علم جہد کے علاج کے لئے مشہور تھی۔ خلیفہ منصور کے عہد میں حنین کی ہیں اور تاجی شامی حرم میں شکیات کا علاج کیا کرتی تھیں سان میں اسم الحسنیہ تاجی، الوصفیہ اندلسی کی مشافہت کا ذکر ہے۔ ملک مشہور تھا۔ جہد شامیہاں میں ملک الشمر اعلیٰ کی ہیں سنی النساء عرکول کے علاج کیلئے خاص طور پر مشہور تھیں اور شامی حرم میں اسی کا علاج ہوتا تھا۔

مسلمان طبیب نے جہاں انسانی امراض کے باسے میں کافی کچھ لکھا ہے وہاں عرکول کے لئے لکھنے اور خانہ سے بھی تیار کئے ہیں۔ ان کے استعمال کے لئے عطر لاس اور غضاب بنائے ہیں جو بے ہمارے اور چھائیوں دور کرنے کے لئے دوائیوں ایجاد کی ہیں۔ اسی طرح رنگ گورا کرنے کے لئے آئین اور بال بڑھانے کے تیل تیار کئے ہیں۔

جہاں عہد میں اسکندریہ، شہر اور جہد شامیہ میں میڈیکل کالج موجود تھے جہاں طبیب کو باقاعدہ علم طب کی تعلیم دی جاتی تھی، نظامی عروسی کی ایک تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کالجوں میں سابع سال کا لفظ متقہ، ناضل، مصنف، جہاں متاخر میں لکھتے ہیں کہ میرے زمانے

مخصوص تھا۔ اسی طرح ایک دارو میں وہ مریض رکھے جاتے جن کے ایڈیشن کئے جاتے تھے اور ایک دارو آنکھوں کے علاج کے لئے دقت تھا۔ ہسپتال میں مریضوں کے لئے پریمری قضا میں تیار کرنے کے لئے باوجود خالص موجود تھے۔ ڈسپنری اور اس کے ساتھ ادویہ کے لئے ستر مرحلوں سے جہاں ہر وقت دو آمبول کا بڑا مشاک موجود رہتا تھا، ہسپتال کے مٹان کے لئے رہائشی کوارٹر بھی بنے ہوئے تھے تقریباً کسی بھی چیز کے خیال ہوتا ہے کہ ہمارا ہسپتال الیکٹرکسی طرح بھی ہمارے عہد کے کسی ہسپتال سے پیچھے نہیں تھا۔

بڑے صغیر پاک و منہ میں محمد بن قلعی نے ہسپتال بنانے میں بڑی

دعوت ملی۔ ایک روایت کے مطابق اس کے عہد میں مرث دہلی میں ہی سہو کے قریب ہسپتال اور ڈسپنریاں موجود تھیں۔ سلطان ہمایوں نے خود بڑا اچھا طبیب تھا اور وہ مریضوں کا معاملہ کر کے ان کے لئے نسخے تجویز کر دیتا تھا۔ اس کے جانشین یزید قلعی نے اپنی تعینیت فتوحات فیروز شاہی میں شفا خانے تعمیر کرنے کا ذکر کیا ہے۔ جہانگیر نے بھی جمعہ ششمن موتے ہی اپنی قلعی میں شفا خانے تعمیر کرنے کا حکم صادر کیا تھا۔

قرون وسطیٰ میں بعض علاقوں میں شہروں سے دور دیہات میں بسنے والوں کی سہوت کے لئے سفری شفا خانے موجود تھے۔ عباسی خلیفہ المقتدر کے عہد خلافت میں سنائی بن ثابت ایسے شفا خانے کا بانی تھا۔ اکثر کتابوں میں ایسے حوالے عام ملتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں کے علاج کے لئے جلیوں میں بھی مشافطے

کئے گئے اور ایچ جانیوں کے نام سے ایک ہسپتال قائم کیا۔ ہامان الرشید نے بغداد میں ایک نیشانی ہسپتال بنایا۔ البرکات نے اپنے خرچ سے عوام کے فائدے کے لئے ایک ہسپتال قائم کیا۔ المذکر کے وزیر فرخ بن قاتان نے ہمدانستان مغافر کے نام سے ایک ہسپتال بنایا۔ المقتدر کے عہد میں اس کے وزیر علی بن عیسیٰ نے ہمدانستان حربیہ کے نام سے ایک ہسپتال قائم کیا۔ ان کے علاوہ بغداد میں بیکشتی عصفری، ہمدانستان السیدہ، ہمدانستان ابن الغضائف اور ہمدانستان مقتدری کے نام سے چار اور ہسپتال موجود تھے۔ عین ممکن ہے کہ آج کل بغداد میں اسے ہسپتال نہ جوں جتنے آج سے ہزار سال پہلے موجود تھے۔

مقریزی نے تاجرہ کے پانچ ہسپتالوں کا ذکر بدلی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ ان میں سے اولین ہسپتال احمد بن طولون نے ۵۸۵ھ میں قائم کیا تھا اور اس کی تعمیر ساٹھ ہزار دربار خرچ ہوئے تھے۔ تاجرہ کا دوسرا اہم ہسپتال ہمدانستان الکبر تھا جو ملک المنصور نے ۶۸۵ھ میں قائم کیا تھا۔ اس ہسپتال کا ساڑھ خرچ دس لاکھ درہم کے لگ بھگ تھا۔ اس ہسپتال کی جو تفصیل مقریزی نے دی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ہسپتال میں مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ دارو تھے۔ شفا داروؤں میں نرسوں اور مرادہ داروؤں میں خدام مریضوں کی خدمت پر مامور تھے۔ اس کے علاوہ مختلف امراض کے مریضوں کے لئے الگ الگ دارو تھے۔ ایک دارو میں مریضوں کی پیش کے مریض رکھے جاتے تھے اور دوسرا دارو حرب بنامریضوں کیلئے

موجودہ تھے۔

مسعودی بالائی ریاضت میں یہ کہنا بیکار ہوگا کہ مسلمانوں نے اپنے خدیو
مروج میں پندرہ دنیائے اسلام میں سب سے اونٹ لکھ لیا۔ بھلا کیا اور
اپنے تخریب است اور اجتماعات سے من طبع کہ باہم عروج تک پہنچا یا۔
مسلمان ہی تھے جن کی وجہ سے عالمی پرسی اور لفظ کو سب سے مستدام
فی یہاں یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ طبع اسلامی، طبع یونانی کی ہی دوسرا نام
ہے۔ آج سے طبع اسلامی کہتے ہیں وہ طبع یونانی، طبع ایلانی،
طبع ہندوستانی اور طبع مصری کا حسین امتزاج ہے۔ یہاں بھی یہ بات
ملاحظہ فرمائیے کہ مسلمانوں نے دوسری اقوام کے تجربات سے فائدہ
مزدور اُٹھایا ہے۔ لیکن ان کی کورسہ عقیدہ نہیں کی، بلکہ اپنے اجتہاد
اور تجربات سے طبع اسلامی کے نام سے ایک الگ عمارت کھڑی
کر دی ہے۔

موجودہ ایلمینٹی کی حقیقت میں مسلمانوں کی تصانیف اور ان کے لاطینی
ترجمہ کو جو دخل حاصل ہے اس کا ذکر بھی گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔
آج جدید میڈیکل سائنس کی کتابیں طبع اسلامی کی اصطلاحات سے
مملو ہیں۔ آج بھی یورپ کے میڈیکل کالجوں میں پیکرول کے دوران
اساتذہ بار بار **QABER, ALHAZEN, AVICENNA** کا حوالہ دیتے ہیں
HALY ABBAS, RHAZES اور **AVERRHOES** کا حوالہ دیتے ہیں
اس ضمن میں ہم نے مسلمانوں کی حق خدمت کا ایک بہت ہی مختصر
جائزہ لیا ہے، اگر ان کی خدمات کا مفصل ذکر کرتا ہوں تو۔
سفینہ چاہیے اس بحر سیر کی کہ

~~~~~

ایک تاریخی غلطی کا ازالہ

## داتا گنج بخش کی لاہور میں آمد

تیس وقت کے ہم فرزند کو جس اہنگ، خلوص اور اہتمام سے منیائے  
کر دے انہماک دیا ہے اس کی مثال دوسرے غائب کی تاریخ میں مفقود  
ہے۔ یہ منیائے کرام ہی کی مساعی جید کا فرو ہے کہ آج ہر صغیر پاک و کبیر  
اکھم کے دل پر کوئی تمام حیرانہ موجود ہیں اور آج ان دونوں ملکوں کی لاکھوں  
مساجد سے دند و شب میں پانچ بار صلائے لوحید بلند ہوتی ہے، عجیب  
اتفاق ہے کہ اگر آپ ان بزرگوں کے کانہاموں، ان کی نصیحتیں اور ترمیمی  
کوششوں اور سوانح حیات سے واقفیت پیدا کریں تو آپ کو صبح اور  
مستند حالات نہ مل سکیں گے ان کے متعلق جس قدر شکر و شفا ہے اس پر  
کشف و کرامات اور عقیدہ کی کٹر جھڑپ ہوتی ہے اور جس قدر دیکھا  
مٹی ہیں اس پر ہم ان بزرگوں کی سیرت نگاری تو درگزر ان کی دھندلی  
سی تقدیر بھی نہیں بنا سکتے۔ موصوفوں کے تذکرہ کے متعلق عموماً اور  
خزینۃ الاحیاء کے متعلق خصوصاً مشہور تاریخ دان پروفیسر محمد  
حسین فراتے ہیں، "اس کتاب کا بڑا نقص یہ تھا کہ مصنف نے عقاید کا  
سہارا لیا کہ ان تمام اصولی مسند کو کہ نظر انداز کر دیا تھا جو عمل کے اسلام

کی نظر میں صدیوں تک علم و کثرت کی روح سمجھے جاتے رہے ہیں۔ تنقیدی  
اصولوں سے جوہم لپٹ کر کے محض عقاید پر علم کی سماعت فرمنا نا سمجھی نہیں  
فرمایا ہے۔

تاریخ ہندوستان خجستہ کے دیباچہ میں موصوفت کئے ہیں،  
اس قسم کی نظر میں متنازعہ و اختلاف کا محور بن کر رہ جاتی ہیں اور بالآخر ان کا نتیجہ  
بڑھتی ہوئی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ صاحب خزینۃ الاصغیاء  
نحاشی کتاب میں ہیبت، ناک قسم کی ایسی کرامات کی تفسیل دی ہے  
جن کو پڑھ کر انسانی عقل و خود کو شرم آ جاتی ہے موجودہ نفس ان پر  
بحوث و مباحثہ کرنے کی بجائے بے توجہی سے ان کو نظر انداز کرنا بہتر سمجھتی  
ہیں، ظاہر ہے کہ ان کثرت و کرامات کے بے معنی مقبول کا تصور سے  
دور کا بھی تعلق نہیں۔ شیخ نظام الدین اولیا کا کہنا ہے کہ کرامات تصوف سے  
کے سلسلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہے۔

ہمارے سوانح محمد رسول مثلاً علامہ فرید الدین عطار مفتی محمد سرور  
لامہوری، امیر حسن سبزوئی، نور احمد شہیدی، شیخ الہدیہ اور صاحب زادہ مال الدین  
محمد احسان نے بحیرہ العقل روایات لکھ کر جن سوانح محمد صری اور اصولی تذکرہ  
نویسی سے انحراف کیا ہے۔ ان کی بدولت غلط معانی عام و عام  
میں مشہور ہو گئیں، ان میں سے ایک خصوصیت دانا گنج بخش کی لامہوریں کہ  
کے متعلق ہے۔

ملہ غفری احمد نظامی دانا گنج بخش، صاحبزادہ محمد رفیع، دہلی ۱۹۷۰ء ص ۲۱-۲۰

ملہ ایضاً۔

خواجہ حسن بکری خواجہ الغدود میں دانا گنج بخش کی لامہوریں کہہ کے  
مرتفع کہتے ہیں۔

شیخ حسین زنجانی متصفح علی جوہری شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی جوہری  
رحمۃ اللہ علیہما ہر دو مرید ایک ہی  
بودہ انداز کا پیرو تعلق مجدد بودہ  
است، شیخ حسین زنجانی ازیر باز  
ساکن بہادر پور، لہذا زہد گاہ پر  
الیشان خواجہ جوہری سا فرمودہ کہ در  
بہادر دہ روضا کنو، شیخ علی جوہری  
عرض داشت کرد حسین زنجانی  
آنجاست، میر فرمودہ کہ بودہ و چوں  
علی جوہری حکم اشاعت ایضاً در  
بہادر دہ داشت بودہ و دانا گنج بخش  
شیخ حسین زنجانی را بر سر دانا گنج بخش

یہ روایت کثرت سے تذکرہ گوں میں پائی جاتی ہے کہ اب ہر شخص  
بلوچان وچا اسے تسلیم کر چکا ہے اور اس کا منکر و عقیدہ اور مذہب مٹنے  
کی جہت سے نہیں بچ سکا۔ ہمارے خیال میں یہ روایت سراسر غلط و لاعلمی  
معلوم ہوتی ہے۔ اس روایت کا نتیجہ کہنے کے لئے سب سے پہلے ہم  
اس روایت کے الفاظ پر غور کریں گے، اس کے بعد اسے تاریخ کی کسوٹی پر  
کھینچیں گے۔

ملہ خواجہ حسن بکری، خواجہ الغدود، صاحبزادہ محمد رفیع، دہلی ۱۹۷۰ء، ص ۵۷

اس رسالت میں حضرت امام کاظم علیہ السلام کو کچھ شیخ علی بن عیسیٰ، دوسری جگہ زید بن  
جبریری اور طبری جگہ علی بن جبریری لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح حضرت حسین زنجانی کا ایک  
جگہ شیخ حسین زنجانی اور دوسری جگہ حسین زنجانی اور عیسیٰ جگہ شیخ حسین زنجانی لکھا  
ہوا ہے۔ یہاں پر خیال ہے کہ خواجہ حسن جبریری سیما زادہ تذکرہ نویس اور فضل علی  
ابن شکر علی کا منظرہ نہیں کر سکتا۔ فوائد الفوائد نویسنده یا پند پند اور مستند لکھا  
ہے کہ اس شخص کو اسے دیکھ کر اکثر فرمایا کرتے تھے۔

لاشعری تمام تصانیف کے نام نہ ہوں  
وہاں کتاب ابن جبریری

ہم نے خیال میں یہ روایت امامی مبرک کے ساتھ ساتھ کسی عقل کی عقلی  
ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ خواجہ حسن جبریری کو سید علی جبریری کی جگہ شیخ حسن لکھا گیا  
تھا۔ یہ خطاب سید علی جبریری کو خواجہ موصوف کے حکم پر چارم خواجہ حسن الدین بن جبر  
عطار دیکھتے تھے، اس لئے انھیں مستخرج کا ادب کرنا چاہیے تھا۔

فوائد الفوائد کے مختلف طبع چھپنے کے متنازعہ عالم دارم الحروف کے استاد  
موجود پر دفتر محمد خراج الدین بنام دار الفوائد، "بابۃ جہندی ۱۳۵۵ھ میں  
اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں جبریری میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان معنات میں بہت  
سی امامی باتیں بھی شامل ہو چکی ہیں۔" ہمارے پیش نظر اکابر کی تصانیف میں تحریف  
ہو چکی ہے۔ ایسا انصاف کا ایک ہی کتاب کے دو نسخے آئیں ہیں انہیں ملنے ہوئے ہیں  
کئی نسخے کن ہیں مثلاً شہد حیدری، دربان خواجہ حسین الدین حسن جبریری، دربان خواجہ  
آقبا الدین بن جبریری کا کنی اور دربان ان زینب النساء جو وہیں آچکی ہیں۔ شیخ عبدالحق

محمد شیخ عبدالحق حضرت امام کاظم علیہ السلام کے بارے میں ۱۰۱

محدث وطبری کے زمانے تک شیخ ابو علی قلندر پانی پتی کی مثنویات اور رسائل  
ملم ہو چکے تھے شیخ محدث نے انہیں مختلف روایات عداور بنایا ہے۔  
حد کہ یہ ہے کہ شیخ جہانگیر کی کے مختلف نسخوں میں انہیں ماسک  
کافوق ہے جب دار گوگل نے حدیث مگر کہ حجاج مستہ میں شامل  
کر دی ہیں ترجمہ مضمون کے تذکرہ کر دیا گیا۔ حقائق بالائی رکشانی میں  
فیض العباد کی روایات، پر کتب کا اعتبار دیا جائے۔ ہمارے خیال میں  
جن کتابوں میں خواجہ حسن الفوائد کے حوالے سے بدعات بیان کی گئی ہے  
وہ بھی پائے اعتبار سے گمراہی ہیں۔

اس رسالت میں شیخ حسین زنجانی اور سید علی جبریری کا ایک ہی پر کارہ  
ظہر کیا گیا ہے اس سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں بزرگم عصر تھے۔  
جہاں ایک تاریخی شاہد کا قیاس ہے شیخ حسین زنجانی اور سید علی جبریری کا علم  
انہیں ایک شیخ حسین زنجانی اور خواجہ حسین الدین حسن جبریری کا علم  
سید ابو العزیز بن شیخ علی بن جبریری اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے  
کہتے ہیں۔

حضرت شیخ المشائخ حسین زنجانی کہ میر  
حضرت شیخ سعد الدین جو تیس دودھ  
امت دودھ رسالت ابو میا علی بن جبر  
نہایت المشائخ والاب معین الحق والدين  
تدس مود حضرت شیخ المشائخ والدين  
شیخ حسین زنجانی تیس مود تھے والدين  
فرق الحد واقع شدت

محمد شیخ عبدالحق حضرت امام کاظم علیہ السلام کے بارے میں ۱۰۲

عمل صالح کا مصنف محمد صالح کنیرہ بھی خواجہ صاحب کے حالات کے  
مضمون میں رقمطراز ہے۔

بالجہد لاہور بہ صاحب شیخ حسین زنگانی نقیہ لکھنؤ لاہور شیخ حسین زنگانی  
رسمیہ خط

دارالعلوم نے سفینۃ الاولیاء میں اس باب کا ذکر بالخصوص کیا  
ہے کہ خواجہ احمد علی لاہوری شیخ حسین زنگانی تھے ملاقات رہی۔

ان روایات سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ خواجہ حسین الدین احمد علی لاہور  
حضرت حسین زنگانی سے عصر تھے اور مولیٰ میں بڑی محبت تھی۔

خواجہ حسین الدین کے ایک ہم عصر سرخ شہناج سرخ جو زمانہ اپنی شہرت حسین  
طبقات شاہد ہے میں خواجہ صاحب کا ذکر یہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہم داعی اذنتہ شفیہ کہ از مدانت اس دعا کو نے قابل اعتبار لوگوں  
جہاں ملا تو کہ برو لقب ہو علی

اور کثرت کو من دنا لشکر با سلطان درکش جس کا لقب حسین الدین تھا  
غازی لاہور

الدین خوزی کے لشکر میں غازی کی  
حیثیت سے شامل تھا۔

خواجہ حسین الدین احمد علی نے جس جگہ میں حرکت کروائی تھی وہ تو اہل

۵۰ شہ مصالح اہل صراط، جہاد قتل، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۲ھ، ص ۵۰

۵۱ دارالعلوم، سفینۃ الاولیاء، رانندہ ترجمہ مطبوعہ کراچی ۱۹۹۱ھ، ص ۱۳۸

۵۲ جہاد جانی، طبقات شاہد، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۲ھ، ص ۳۵

کی دوری جنگ تھی جو ۱۲۰۲ھ میں لڑی گئی تھی۔ حضرت داتا گنج بخش  
نے ۱۲۰۲ھ میں اس کے فوراً بعد وفات پائی ہے، اس سے نہایت  
جتن لگے کہ بن دایم میں خواجہ صاحب لاہوری حسین زنگانی کے ساتھ مقیم  
تھے اس وقت حضرت داتا گنج بخش کو فوت ہوئے تقریباً ایک صدی گزر  
چکی تھی۔ اس سے حضرت داتا گنج بخش اربعین زنگانی کا ہم عصر نہیں ہو سکتے۔  
تحقیقات جیشت کی مدایت کے مطابق حضرت شیخ حسین زنگانی  
۱۲۰۲ھ میں فوت ہوئے تھے۔ مفتی غلام سرور کی تحقیق کے مطابق  
۱۲۰۲ھ ان کا سال وفات ہے۔ مولوی نور احمد چشتی اور مفتی غلام سرور  
لاہوری، دونوں نے حضرت داتا گنج بخش کا سال وفات ۱۲۰۲ھ تحریر  
کیا ہے۔ ان کے اس بیان کے مطابق جب حضرت حسین زنگانی فوت  
ہوئے اس وقت داتا گنج بخش کو انتقال کے ۱۳۹ یا ۱۳۵ سال گذر  
چکے تھے۔ ناب آج یہ اندازہ لگایے کہ صاحب فولاد اللہ اللہ کی یہ  
مدانت کہ جب داتا گنج بخش لاہور پہنچے تو اس وقت مات تھی۔ اگلی صبح  
حضرت حسین زنگانی کا جنازہ اُٹھا، کہل ایک صبح ہے؟

۱۲۰۲ھ شہ طبع محمد اکرام نے ایک کتب مطبوعہ لاہور ۱۳۹۲ھ، ص ۵۰، پر داتا صاحب کا سال وفات  
۱۲۰۲ھ/۱۲۰۲ھ بتایا ہے۔ ہونٹ ہے۔ یہ دو طرح ہوا ہے یا صاحب داتا گنج بخش کے  
ملاقات میں عرفان صلا کہ اب تحریر لڑائی ہے اس میں اس سن پر متفق نہیں ہیں۔ اور  
اندیش کا لاہور گریں ہیں، تاہم جیسی ہے ہم داتا صاحب کے سن وفات پر مفاد بحث کی  
ہے وہ بھی ۱۲۰۲ھ پر متفق نہیں ہیں۔

۱۲۰۲ھ نور احمد چشتی، نقیہ شہنشی، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۲ھ، ص ۱۳۵

۱۲۰۲ھ مفتی غلام سرور، خزائنہ الامنیاء، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۲ھ، ص ۹۰

صاحب فوائد النواد کی تحریر سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ سید علی تجریریؒ کے یہ حضرت ابو الفضل محمد بن حسن علیؒ نے انہیں اپنی حیات ہی میں حضرت حسینؑ زنجانیؒ کی جگہ لینے کے لئے لاہور بھیج دیا تھا، حالانکہ کشف المحجوب میں حضرت علیؒ تحریر فرمودہ ہے۔

آن دفعہ کہ وہی روایات آمدہ جس وقت ان کا انتقال ہوا وہ بیٹلین بیت الجن بود و آن در ہی سمت ہر مرقعہ میان بانیا رود و مشق، والی مرکز ہر مشق کے قریب سرگردانہ من، وادعت سکتہ پانہا مذی کے کتابے واقع ہے۔

وفات کے وقت ہاں کا سر میرے زانو پر تھا۔

مفتی غلام سرور لاہوریؒ نے خزینۃ الاصغیاء میں حضرت ابو الفضل محمد بن حسن علیؒ کا سال وفات ۵۳۳ھ مقرر کیا ہے۔ یہ روایت شیخ عبدالرشید صاحب ملامت فرہی کے حوالے سے لکھے ہیں کہ اسناد نے ۵۳۳ھ میں انتقال فرمایا تھا۔ تو اس طرح حقیقت کی مدافعت کے مطابق حضرت حسینؑ زنجانیؒ ۵۳۳ھ میں لاہور شریف لائے تھے۔

۵۳۳ھ میں لاہور شریف، ملامت فرہی، خزینۃ الاصغیاء، ص ۱۷۱

۵۳۳ھ میں لاہور شریف، ملامت فرہی، خزینۃ الاصغیاء، ص ۱۷۱

۵۳۳ھ میں لاہور شریف، ملامت فرہی، خزینۃ الاصغیاء، ص ۱۷۱

۵۳۳ھ میں لاہور شریف، ملامت فرہی، خزینۃ الاصغیاء، ص ۱۷۱

یعنی حضرت علیؒ کی وفات کے ۱۰۲ یا ۱۰۴ سال بعد، اور ان کا انتقال اپنی حقیقت ۵۳۳ھ میں یعنی حضرت علیؒ کی وفات کے ۱۵۱ یا ۱۵۳ سال بعد ہوا تھا۔ اب کہنے کا دانا گنج بخش متوفی ۵۳۳ھ حضرت حسینؑ زنجانیؒ کی وفات پر لاہور میں کیونکر وارد ہوئے تھے۔

مولوی نور محمد جتوئیؒ نے بھی دانا گنج بخش کی لاہور میں آمد کے متعلق وہی واقعہ نقل کیا ہے جو خواجہ حسن مجتبیٰؒ نے فوائد النواد میں بیان کیا ہے۔ مولوی صاحب کو اپنی بھی بخش نہیں رہتی کہ وہ اپنی کتاب میں دانا صاحبؒ کی وفات ۵۳۳ھ اور حضرت حسینؑ زنجانیؒ کی ۵۳۳ھ لکھ کر بھیج بھی دانا صاحب کو حضرت حسینؑ زنجانیؒ کے جنازہ میں شریک کر دیتے ہیں۔

مفتی غلام سرور لاہوریؒ نے بھی دانا گنج بخش کی لاہور میں آمد کا تصدیق دین وہی تحریر کیا ہے جو صاحب فوائد النواد نے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد مفتی صاحب نے دانا صاحبؒ کا سال وفات ۵۳۳ھ لکھا ہے اور حضرت حسینؑ زنجانیؒ کا ۵۳۳ھ، اس کے باوجود انہوں نے حضرت دانا گنج بخش کو حضرت حسینؑ زنجانیؒ کے جنازہ میں شریک کر کے داخل ثواب کر دیا ہے۔

حب تحقیقات جتوئیؒ اور خزینۃ الاصغیاء میں اس طرح کی بے دردی باتیں درج مولا تو میرا ان پر کس طرح انتہا کیا جائے بہتے خیال میں دانا گنج بخش کی لاہور میں آمد کے متعلق جو روایت فوائد النواد میں درج ہے وہ صحیح نہیں۔ ہمیں تو وہ روایت الحاقی

۵۳۳ھ میں لاہور شریف، ملامت فرہی، خزینۃ الاصغیاء، ص ۱۷۱

معلوم ہوتی ہے فوائض العواد ہی کے ایک انعام سے یہ ثابت  
ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیٰ رحمۃ اللہ علیہ  
نے کشف المحجوب کا فیروز سلطان فرمایا تھا۔ جہاں داتا گنج بخش  
نے اپنی اس تالیف میں یہ درج فرمایا ہے کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح  
میں انتقال ہوا تو ان کا سر میرے زانو پر رکھا، حضرت نظام الدین اولیٰ  
کی نظر سے یہ تحریر منور گزری ہوئی۔ اس لئے حضرت سلطان المشائخ  
ایسی بے تحقیق بات نہیں کہہ سکتے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے انہیں حضرت  
رنجانی کی جگہ لینے کے لئے لاہور بھیجا۔ وہ سات کے وقت لاہور پہنچے  
اور اگلی صبح حضرت رنجانی کا جنازہ اٹھا۔

ان تمام حقائق کے پیش نظر یہ بات واضح ہے کہ حضرت خلیفۃ  
۴۵۳ھ یا ۴۵۴ھ میں انتقال فرمایا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت بحیرائی  
لاہور تشریف لائے اور انہوں نے ۴۵۴ھ یا ۴۵۵ھ کے دوراً بعد انتقال  
فرمایا۔ حضرت بحیرائی کے انتقال کے ۱۱۷ برس بعد حضرت رنجانی لاہور  
تشریف لائے اور انہوں نے یہاں ۴۵۴ھ یا ۴۵۵ھ سال قیام کے بعد  
۴۵۴ھ یا ۴۵۵ھ میں وفات پائی۔

عنایت اللہ صاحب

طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفر نامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

[toobaa-elibrary.blogspot.com](http://toobaa-elibrary.blogspot.com)